ایک جامع روایت کی تشریح کے ضمن میں
اہم ترین اصلاحی مضامین کا مرتب اور مستند مجموعہ

اللہ سے شرم کیجئے

مرتب
مفتی محمد سلیمان منصورپوری مدظلہ

اسلامی کتب خانہ

ایک جامع روایت کی تشریح کے ضمن میں
اہم ترین اصلاحی مضامین کا مرتب اور مستند مجموعہ

اللہ سے شرم کیجیے

مرتب
مفتی محمد سلیمان منصورپوری مدظلہ

اسلامی کتب خانہ
الحمد مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ ○ اردو بازار لاہور
042-37116246-37116257

نام کتاب ـــــــ اللہ سے شرم کیجئے

مرتب ـــــــ مفتی محمد سلیمان منصورپوری مدظلہ

ناشر ـــــــ اسلامی کتب خانہ

طابع ـــــــ ممتاز احمد

پرنٹر ـــــــ رضا پرنٹر

صحتِ متن، کتابت، تصحیح، طباعت اور جلد بندی میں انتہائی احتیاط کے باوجود بہ تقاضائے بشریت سہو کے امکانات موجود رہتے ہیں۔ غلطی کی نشاندہی پر ادارہ مشکور ہوگا۔

جزاک اللہ خیراً — اراکین ادارہ

فہرست

باب دوم : پیٹ کی حفاظت

باب سوم: دِل کی حفاظت

باب چہارم: موت کی یاد

باب ششم: آخری ٹھکانہ کی طرف

خاتمۃ الکتاب

اللّٰہ
سے ڈرتے رہیے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

سورۃ اٰل عمران

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم اسلام کے علاوہ کسی اور حالت پر جان مت دینا۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اپنے محبّ ومحبوب اور مشفق ومحسن استاذ اعظم، فقیہ الامت، عارف باللہ حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے نام...... جن کی توجہاتِ عالیہ اور پر فیض صحبتوں کو اللہ تعالیٰ نے ہم جیسے ہزاروں افراد کی ہدایت واصلاح، تذکیر وآخرت اور دینی مزاج میں پختگی پیدا کرنے کا ذریعہ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے منور فرمائے، آمین۔

اپنے مخدوم ومکروم، والد، معظم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی استاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام...... جو احقر کے صرف مشفق باپ ہی نہیں بلکہ محسن ترین استاذ اور مربی بھی ہیں، جن کی مثالی تربیت اور کامل نگرانی اس ناکارہ کے لئے برابر راہِ حق پر استقامت اور دینی خدمات کی انجام دہی کے لئے معاون بنتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ آں موصوف کا سایۂ شفقت وعاطفت تادیر صحت وعافیت کے ساتھ قائم رکھے اور آپ کی عنایتوں کا بہتر سے بہتر بدلہ دارین میں عطا فرمائے۔ آمین۔

اپنی مخدومہ ومکرمہ، والدہ معظمہ مدظلہا (صاحبزادی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ) کے نام...... جن کی مخلصانہ سحر گاہی دعائیں احقر کے لئے زندگی کا بڑا سرمایہ ہیں۔ ربّ رحمٰن ورحیم آں موصوفہ کا سایۂ رحمت، صحت وعافیت کے ساتھ باقی رکھے اور آپ کی دعاؤں کی بدولت اس ناکارہ کو ایسی دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے جو رضائے خداوندی کے ساتھ والدین محترمین کے دلوں میں سرور اور آنکھوں میں بے مثال ٹھنڈک پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔ آمین، وما ذلك على الله بعزيز۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ ۱۴۲۳/۲/۱۴ھ

اظہارِ مسرت اور دُعا

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم' امابعد!

آج کل مسلم معاشرہ میں اخلاقی زبوں حالی حد سے تجاوز کر رہی ہے ہر طرف بے حیائی' معاصی اور منکرات کا دَور دورہ ہے' اسلامی اخلاق روبہ زوال ہیں' آخرت سے غفلت عام ہے حالانکہ قرآن وحدیث میں جا بجا اسلامی اخلاق اپنانے' اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور آخرت کو یاد رکھنے کی نہایت تاکید وارد ہوئی ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ عزیزم مولوی مفتی محمد سلمان سلمہٗ نے امر بالمعروف ونہی المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہوئے شرم وحیاء سے متعلق ایک جامع روایت کی تشریح کے ضمن میں بہت سے اصلاحی مفید موضوعات پر مستند مواد یکجا طور پر جمع اور مرتب کر دیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا احساس پیدا ہوگا اور آخرت کی زندگی کو کامیاب بنانے کا داعیہ دِل میں اُبھرے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آں عزیز کی محنت کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو عوام وخواص کے لئے نفع بخش بنائے۔ آمین۔

اسعد غفرلہٗ

مدنی منزل دیوبند۔ ۲۴/۲/۱۴۲۳ھ

پیش لفظ

الحمد للّٰہ رب العٰلمین' والصلوٰۃ والسلام علی سیّد المرسلین' سیدنا و مولانا محمد وّاٰلہ واصحابہ اجمعین' امابعد!

آج احقر کے جسم کا رواں رواں منعم حقیقی' ربّ کریم کی بارگاہ میں تشکر وامتنان کے جذبات سے معمور ہے۔ بلاشبہ یہ اللہ ربّ العالمین کا عظیم فضل واحسان اور محسن انسانیت' فخر دوعالم' سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ سے انتساب کی برکت ہے کہ اس ناکارہ ونالائق کو سراپا ناکارگی اور تساہلی کے باوجود آیات قرآنیہ' احادیث طیبہ اور اقوال واحوالِ سلف کو ایک خاص ترتیب سے جمع کرنے کی سعادت میسر آئی۔ اس عظیم نعمت پر ربّ کریم کا جس قدر بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے' عربی کا ایک شعر ہے۔

ان المقادیر اذا ساعدت ☆ الحقت لعاجز بالقادر

''تقدیر الٰہی جب کسی کی مددگار ہوتی ہے تو وہ عاجز اور درماندہ شخص کو بھی کسی قابل بنا دیتی ہے۔''
واقعتاً احقر کا حال بھی اسی شعر کا مصداق ہے۔

یہ مضمون آج سے دس سال قبل لکھنا شروع کیا تھا اور اس کی تحریک اس طرح ہوئی تھی کہ رمضان المبارک میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی ''شاہی مسجد'' میں ظہر کی نماز کے بعد مختصر اصلاحی بیان کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ رمضان ۱۴۱۳ھ میں یہ خدمت احقر کے سپرد کی گئی۔ احقر نے مناسب سمجھا کہ روزانہ الگ الگ حدیث بیان کرنے کے بجائے پورے مہینہ کسی ایک جامع حدیث کو بنیاد بنا کر گفتگو کی جائے تاکہ بیان کا تسلسل برقرار رہے اور ہر روز پہلی بات دہرانے کی وجہ سے سامعین کے لئے یاد کرنا بھی آسان ہو۔ چنانچہ حدیث: ((استحیوا من اللہ......)) کو منتخب کر کے گفتگو شروع ہوئی اور ۲۷' ۲۸ دن تک مسلسل اسی حدیث شریف کے متعلقات پر بیان ہوتا رہا' اسی دوران احقر نے اپنی یادداشت کے لئے ''مشکوٰۃ شریف'' اور علامہ منذری کی ''الترغیب والترہیب'' نیز ''احیاء العلوم'' کو سامنے رکھ کر مضامین وموضوعات کی ایک سرسری فہرست بنا کر رکھ لی تاکہ بعد میں کام دے۔

رمضان المبارک کے بعد خیال آیا کہ اس فہرست کے مطابق تفصیلی مضمون لکھ کر منتشر مواد کو یکجا کر دیا جائے تاکہ اپنی ہدایت واصلاح کا ذریعہ بنے۔ چنانچہ اللہ کے بھروسہ پر کام شروع کیا

گیا اور "ندائے شاہی" دسمبر ۱۹۹۳ء میں اس کی پہلی قسط شائع ہوئی لیکن ۱۰ قسطوں کے بعد یہ سلسلہ موقوف ہوگیا کیونکہ احقر اپنی تساہلی کی بنا پر آگے مضمون نہ لکھ سکا تھا۔ پھر اسی سستی میں کئی سال گزر گئے تاہم احقر کو برابر اس مضمون کی فکر رہی اور اللہ تعالیٰ سے اسکی تکمیل کی دعا کرتا رہا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی اور اگست ۱۹۹۸ء سے دوبارہ ندائے شاہی میں اسکی اشاعت شروع ہوگئی تا آنکہ رفتہ رفتہ احقر کی ذہنی ترتیب کے مطابق سبھی ضروری موضوعات پر خاصا مواد جمع ہوگیا۔ اب تک کل اسکی کُل ملا کر ۵۵ قسطیں شائع ہو چکی ہیں۔ فللہ الحمد و الشکر۔

اس کتاب میں بفضلہٖ تعالیٰ تذکیر آخرت سے متعلق احادیث شریفہ کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے کہ اگر کوئی شخص صدقِ دِل سے اور عمل کی نیت سے اس کا مطالعہ کرے گا تو ان شاء اللہ یقیناً اس کو نفع ہوگا۔ کم از کم اپنے ضمیر کی کوتاہیوں سے پردے ضرور ہٹیں گے اور دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی کامیابی کی فکر دِل میں جاگزیں ہو جائے گی تاہم ان ہدایاتِ نبویہ سے کامل اور زود اثر نفع کے لئے مناسب ہوگا کہ ہم ان کا مطالعہ کرتے وقت اپنے ضمیر کا جائزہ ضرور لیتے رہیں۔ اگر مطالعہ کے وقت اس کا اہتمام رکھا گیا تو یہ مضامین دِل میں ہدایت کے ایسے چراغ جلائیں گے جن سے پوری زندگی منور بلکہ نور افشاں ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

احقر کی عمر عزیز کا زیادہ تر حصہ تو یوں ہی ضائع ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحت و عافیت، فرصت اور مواقع الغرض ہر طرح کی نعمتوں سے اس قدر نوازا جس کا احاطہ ناممکن ہے مگر سستی اور کاہلی کا غلبہ رہا جس کی وجہ سے نعمتوں کا کچھ بھی حق ادا نہ ہو سکا۔ مگر اب تک کی تقریباً ۴۵ سالہ زندگی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جن اعمال کی توفیق بخشی ہے ان میں اصلاحی مضمون لکھنے کی سعادت کو احقر اپنے لئے سب سے زیادہ موجباتِ نجات عمل تصور کرتا ہے اور اللہ ربّ العزت کی ذات سے کامل یقین ہے کہ یہ مضمون احقر کے لئے آخرت میں زادِ راہ بنے گا اور خود احقر کی غفلت کو دور کرنے میں معاون ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس ربّ کریم کی شان بھی کیسی عجیب ہے کہ خیر کی توفیق مرحمت فرما کر خود ہی قبولیت سے بھی مشرف فرماتا ہے۔

اے اللہ! اس محنت کو خالص اپنے رضا کا ذریعہ بنا لے اور ہم سب کے حق میں دارین میں صلاح اور فلاح اور عافیت کے فیصلے فرما دے۔ آمین فقط واللہ الموفق!

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ ۲۱/۲/۱۴۲۳ھ

مُقدّمہ

از: حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی
استاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

خداوند قدوس جل مجدہ نے آقائے نامدار، سرکارِ عالم ﷺ کو خاتم النّبیین بنا کر جن مقاصد عالیہ کے تحت مبعوث فرمایا ان میں اہم مقصد تزکیہ ہے یعنی انسانوں کو اچھے اخلاق اختیار کرنے اور برے اخلاق سے دور رہنے کی تلقین کر کے بہترین مہذب اور بااخلاق انسان بنانا، یہ کام اگرچہ دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنے اپنے زمانہ میں انجام دیتے چلے آئے ہیں مگر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت اس کام کی تکمیل کرنے کیلئے ہوئی ہے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

((بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ.)) [رواہ احمد عن ابی ہریرۃ]

''میں اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔''

ایک صاحب ایمان کے لئے اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہونا کتنا ضروری ہے اس کو جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادِ مبارک میں یوں واضح فرمایا ہے:

((اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا.)) [رواہ ابو داوٗد والدارمی]

''سب سے کامل درجہ کا مسلمان وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔''

''خلق حسن'' اس ملکہ راسخہ کا نام ہے جس کی بناء پر اچھے اعمال آسانی کے ساتھ بلا تکلف صادر ہوتے ہیں۔ اسلام میں پسندیدہ اخلاق کی ایک طویل فہرست ہے جن میں صبر وشکر، صدق و امانت، خوش کلامی، نرم مزاجی، انس ومحبت، زہد وقناعت، توکل ورضا، ایثار وقربانی، تواضع و خاکساری، احسان وسخاوت، رحمدلی وغیرہ شامل ہیں، مگران میں شرم وحیاء کی خصلت بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث پاک میں ایمان وحیاء کے درمیان بڑا گہرا تعلق بیان فرمایا ہے:

((اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ.)) [بیہقی]

''حیاء اور ایمان ہمیشہ ایک ساتھ رہتے ہیں جب ان میں سے ایک اٹھایا گیا تو دوسرا بھی اٹھایا گیا۔''

یعنی اگر کسی شخص میں ''حیاء'' نہیں پائی جاتی تو سمجھو کہ ایمان بھی نہیں پایا جاتا اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

((اِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ.)) [متفق علیہ]

''حیاء ایمان کا جز ہے۔''

''حیا'' اس انفعالی کیفیت کا نام ہے جو انسان کو اس بات کے اندیشہ کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے کہ اس کام کے کرنے پر اس کو ملامت کی جائے گی یا اس کو سزا دی جائے گی اور اصلاح شریعت میں طبیعت انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے جس سے ہر نامناسب اور ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض اور اس کے ارتکاب سے اذیت ہو اور جو درحقیقت ایمان کا تقاضا ہے اور دین اسلام کا امتیازی خلق ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَ خُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ.)) [ابن ماجہ، بیہقی]

''ہر دین کا امتیازی خلق ہوتا ہے اور دین اسلام کا امتیازی خلق حیا ہے۔''

یعنی جناب رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں حیاء کے اختیار کرنے پر خاص زور دیا گیا ہے کیونکہ انسان کو برائیوں سے روکنے اور خوبیوں پر آمادہ کرنے میں شرم و حیاء کو بڑا دخل ہے۔

مخلوق سے شرما کر برائیوں وفواحش و منکرات سے دور رہنا بھی اچھی خصلت ہے لیکن ایک مؤمن کی شان یہ ہے کہ اپنے خالق و مالک حق سبحانہ وتعالیٰ سے شرم وحیاء کرے، جو تمام محسنوں سے بڑا محسن ہے کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ اس کے ساتھ جس کا زیادہ احسان وکرم ہوتا ہے اسی سے زیادہ شرماتا ہے اور اس کی مرضی کے خلاف کام کرنے سے باز رہتا ہے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نصیحت فرمائی کہ:

((اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ.))

''اللہ تعالیٰ سے ایسی حیاء کرو جیسی اس سے حیا کرنی چاہیے۔''

راویٔ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حاضرین نے عرض کیا کہ:

((اِنَّا نَسْتَحْيِ مِنَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ.))

''ہم الحمد للہ' اللہ (عزوجل) سے شرم کرتے ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

((لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ اَنْ تَحْفَظَ الرَّاسَ وَمَا وَعٰى وَالْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَتَذْكُرَ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا وَآثَرَ الْاٰخِرَةَ عَلَى الْاُوْلٰى فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ.))

[ترمذی شریف]

''حیا کا مطلب صرف اتنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور جن کو وہ جامع ہے (افکار وخیالات) ان کی نگہداشت کرو اور پیٹ کی اور جو کچھ اس میں بھرا ہوا ہے (غذا وغیرہ) ان سب کی نگرانی کرو اور موت کو اور بوسیدگی کو یاد کرو' جو شخص آخرت کو اپنا مطمع نظر بنائے وہ دنیا کی ٹیپ ٹاپ سے کنارہ کش رہے گا اور آخرت کی راحتوں کو دنیا کی لذتوں پر ترجیح دے گا' جس شخص نے یہ سارے کام کر لئے سمجھو کہ وہ واقعی طور پر اللہ سے حیاء کرتا ہے۔''

اِس حدیث پاک میں حیاء ایمانی اور اس کے ثمرات ونتائج کو بڑے جامع مختصر انداز میں بیان فرمایا گیا ہے جن کی مفصل وضاحت کرنے کی توفیق عزیز مکرم جناب مولوی و مفتی سید محمد سلمان منصور پوری سلمہ استاذ حدیث و مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ملی ہے۔

آں عزیز کی زیر نظر تالیف ''اللہ سے شرم کیجئے'' میں قارئین کو 'حیا' سے متعلق بہت سے

مضامین یکجا مل جائیں گے جن کو پڑھ کر حیاء کے تقاضوں کو پورا کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

خداوند کریم آں عزیز کی محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور مسلمانوں کو اس تالیف سے استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

احقر! محمد عثمان منصور پوری عفی عنہ

خادم تدریس دارالعلوم دیو بند۔ ۵/صفر/۱۴۲۳ھ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی مدظلہ
مفتی و استاذ حدیث مدرسہ شاہی مراد آبادی

الحمد لله الذى جعل الخياء شعبة من الايمان والصلاة والسلام على إمام المتقين و خاتم الأنبياء و على اله و صحبه، امّا بعد!

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصوری پوری کی تازہ تصنیف بنام ''اللہ سے شرم کیجئے'' سے اس خاکسار نے استفادہ کیا ہے۔

یہ کتاب اسلامی معاشرہ میں بڑھتی ہوئی بے حیائی اور عریانیت اور امریکہ اور یورپ کی فیشن پرستی کی اصلاح اور سدھار کے لئے نہایت قیمتی تحفہ ہے، اس وقت ہر مسلمان اور ایمان والے کے گھر میں اس طرح کی کتابیں ہونی ضروری ہیں، نیز اس قسم کی کتابیں ہندی اور انگلش میں شائع ہو کر نئے دَور کے ہر مرد، عورت کے مطالعہ میں رہنی چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحب موصوف سے وقت کی ضرورت کی اہم خدمت لی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور موصوف کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ

حَرف اوّل:

اللہ سے شرم کیجئے

- اسلام میں حیاء کی اہمیت
- حیاء کا مستحق کون؟
- حیاء کا جذبہ کیسے پیدا ہو؟

اسلام میں ’’حیاء‘‘ کی اہمیت

حیاء انسان کی فطری صفت ہے۔ جو شخص جتنا زیادہ حیادار ہوگا اتنا ہی وہ اپنے معاشرے میں باوقار سمجھا جائے گا اس لیے کہ حیا ایک کا حالت کا نام ہے جو انسان کے دِل میں ایمان کے سبب سے ہر برائی اور عیب کے کام سے تنفر اور انقباض پیدا کرتی ہے۔ (مظاہر حق ۴/۱۷۰)

شریعت اسلامی میں اس صفت کو نمایاں مقام حاصل ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے امت کو اس کی نہایت تاکید فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی چند احادیث درج ذیل ہیں:

① حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’اَلْحَیَاءُ لَایَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ وَ فِیْ رِوَایَۃِ الْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ‘‘۔

(بخاری شریف ۲/۹۰۳، حدیث ۶۱۱۷، مسلم شریف ۱/۴۸، مشکاۃ ۲/۴۳۱)

’’حیاء کا نتیجہ صرف خیر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ حیا ساری کی ساری خیر ہی ہے‘‘۔

② حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ‘‘۔

(بیھقی فی شعب الایمان ۶/۱۳۶، حدیث ۷۷۱۶، مشکاۃ شریف ۲/۴۳)

’’ہر دین کی (خاص) عادت ہوتی ہے اور اسلام کی عادت حیا ہے‘‘۔

③ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُھُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ‘‘۔

(بیھقی فی شعب الایمان ۶/۱۴۰، حدیث ۷۷۲۷، مشکاۃ شریف ۲/۴۳۲)

’’حیا اور ایمان دونوں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی اُٹھ جائے تو دوسرا بھی خود بخود اٹھ جاتا ہے‘‘۔

④ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّۃِ الْاُوْلٰی اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ‘‘۔

(بخاری شریف ۲/۹۰۴، حدیث ۶۱۲۰، مشکاۃ شریف ۲/۴۳۱)

''پہلے انبیاء کے کلام سے لوگوں نے یہ جملہ بھی پایا ہے کہ اگر تو حیا نہ کرے تو جو چاہے کر''۔
(یعنی کوئی چیز تجھ کو برائی سے روکنے والی نہ ہوگی۔)

۵ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ''.

(بخاری شریف ۱/۶، حدیث ۹، مسلم شریف ۴۷، مشکاۃ شریف ۱/۴)

''حیا ایمان کا (اہم ترین) شعبہ ہے''۔

۶ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:
''اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ وَالْإِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءِ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ''. (ترمذی شریف ۲/۲۱، مشکاۃ ۲/۴۳۱)

''حیا ایمان میں سے ہے اور ایمان (یعنی اہل ایمان) جنت میں ہے اور بے حیائی بدی میں سے ہے اور بدی (والے) جہنمی ہیں''۔

۷ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:
''مَا كَانَ الْفُحْشُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهٗ وَمَا كَانَ الْحَيَاءِ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهٗ''۔

(ترمذی شریف ۲/۱۸ عن انس، الترغیب والترہیب ۳/۲۶۹)

''بے حیائی جب بھی کسی چیز میں ہوگی تو اسے عیب دار ہی بنائے گی اور حیا جب بھی کسی چیز میں ہوگی تو اسے مزین اور خوبصورت ہی کرے گی''۔

۸ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کہ محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ إِذَا اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ عَبْدًا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ فَإِذَا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مُقِيْتًا مُمَقَّتًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مُقِيْتًا مُمَقَّتًا نُزِعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةُ فَإِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الْإِمَانَةُ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيْمًا مُلَاعَنًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيْمًا مُلَاعَنًا نُزِعَتْ مِنْهُ رِبْقَةُ الْإِسْلَامِ. (الترغیب ولترهیب ۳/۲۷۰، ابن ماجه شریف/۲۹٤ عن ابن عمرؓ)

''اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے حیا کی صفت چھین لیتا ہے۔ پس جب اس سے حیا نکل جاتی ہے تو وہ (خود) بغض رکھنے والا اور (دوسروں کی نظر میں) مبغوض ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ بغیض و مبغوض ہو جاتا ہے تو اس سے سے امانت نکل جاتی ہے۔ جب اس سے امانت نکل جاتی ہے تو وہ خائن اور (لوگوں کی نظر میں) بددیانت ہو جاتا ہے۔ جب وہ خائن اور بددیانت ہو جاتا ہے تو اس میں سے رحم کا مادہ نکل جاتا ہے جب اس سے رحمت نکلتی ہے تو وہ لاعن وملعون ہو جاتا ہے پس جب لاعن اور ملعون ہوتا ہے تو اس سے اسلام کا پھندا (عہد) نکل جاتا ہے۔''

الغرض برائیوں سے حیاء اور شرم نہ صرف عام لوگوں بلکہ شریعت کے نزدیک بھی نہایت پسندیدہ عادت ہے جو ہر مؤمن میں پوری طرح پائی جانی چاہئے مسلمان اگر اس صفت سے محروم ہو تو وہ کبھی بھی کامل طور پر ایمان کے تقاضوں پر عمل نہیں کر سکتا۔

حیاء کا مستحق کون؟

ویسے تو ہر انسان اپنے اندر کچھ نہ کچھ حیاء اور شرم کا مادہ رکھتا یعنی وہ دوسرے انسانوں کے سامنے عموماً بے حیائی اور بے شرمی کے کاموں کو پسند نہیں کرتا اور کوشش کرتا ہے کہ اسے کوئی شخص برائی کرتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔ اسی طرح اپنی بے عزتی کے خیال سے بہت سے لوگ بر سر عام برائی سے بچے رہتے ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کا داعیہ انسانوں سے شرم کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے' جس سے دنیا میں بچاء کی بہت سی شکلین موجود ہیں۔ مثلاً ستر کھولنا ایسا عمل ہے جو لوگوں کے سامنے حیا کی وجہ سے نہیں کیا جاتا لیکن خلوت اور تنہائی میں یہ عمل حیا اور مروت کے خلاف نہیں سمجھا جاتا وغیرہ۔

مگر اسلامی شریعت میں حیاء سے مراد محض انسانوں سے حیاء نہیں بلکہ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس اللہ علیم وخبیر سے شرم کرنے کی تلقین کرتا ہے جو ظاہر و پوشیدہ' حاضر و غائب ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ اس سے شرم کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ جو فعل بھی اس کی نظر میں برا ہو اسے کسی بھی حال میں ہرگز ہرگز نہ کیا جائے اور اپنے تمام اعضاء اور جوارح کو اس کا پابند بنایا جائے کہ ان سے کسی بھی ایسے کام کا صدور نہ ہو جو اللہ تعالیٰ سے شرمانے کے تقاضے کے خلاف

ہو۔اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے امت کو واضح ہدایت فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالُوْا اِنَّا نَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ مَنِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ فَلْيَحْفَظِ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰى وَلْيَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَلْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ". (شعب الایمان للبیھقی ٦/١٤٢، مشکاۃ شریف ١/١٤٠، ترمذی شریف ٢/٧٢، الترغیب والترھیب ٣/٢٦٩)

''اللہ تعالیٰ سے اتنی شرم کرو جتنی اس سے شرم کرنے کا حق ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اے اللہ کے نبی! ہم اللہ سے شرم تو کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ مراد نہیں بلکہ جو شخص اللہ سے شرمانے کے حق کو ادا کرے گا تو (اسے تین کام کرنے ہوں گے: اوّل یہ کہ) اپنے سر کی حفاظت کرے اور اس چیز کی جس کو سر نے جمع کیا اور (دوسرے یہ کہ) پیٹ کی حفاظت کرے اور اس چیز کی جو پیٹ سے لگی ہوئی ہے اور (تیسرے یہ کہ) موت کو اور موت کے بعد کے حالات کو یاد کرے اور (خلاصہ یہ ہے کہ) جو شخص آخرت کا ارادہ کرے وہ دنیا کی زیب و زینت چھوڑ دے پس جو ایسا کرے گا تو وہ اللہ سے حیاء کرنے کا حق ادا کریگا۔

اس واضح حدیث سے معلوم ہو گیا کہ اللہ سے حیاء کرنا ضروری ہے اور اس کے لیے محض زبانی دعویٰ کافی نہیں بلکہ اپنے جسم و روح اور خواہشات کو اطاعت خداوندی کے رنگ میں رنگنا اور ہر حالت میں اللہ کی بندگی کا خیال رکھنا ضروری اور لازم ہے۔

اللہ سے حیاء کا جذبہ کیسے پیدا ہوگا؟

اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا جذبہ کیسے پیدا کیا جائے؟ اس کے متعلق علماء عارفین کے درج ذیل اقوال انتہائی چشم کشا اور مفید ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں:

① حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ کی نعمتوں کے استحضار کے ساتھ اپنی

کوتاہیوں پر نظر کرنے سے جو درمیانی حالت پیدا ہوتی ہے اسی کا نام حیاء ہے''۔

(شعب الایمان ۶/۱۴۷)

۲ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ''جو چیز انسانوں کو اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے پر آمادہ کرتی ہے وہ انعاماتِ خداوندی معرفت اور اس کے مقابلہ میں ان پر جو شکر گذاری واجب ہے اس میں کوتاہی کا احساس ہے' اس لیے کہ جس طرح اللہ کی عظمت بے حدو حساب ہے اسی طرح اسکے شکر کی بھی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ (حوالہ بالا ۶/۱۴۷)

۳ محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' کہ حیاء اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ اولاً تم اپنے محسن کے احسانات کی طرف نظر کرو پھر یہ غور کرو کہ ان احسانات کے بدولت تم نے اپنے محسن کے ساتھ کیسی زیادتیاں کر رکھی ہیں؟ جب تم ان دونوں باتوں کا استحضار کرنے لگو گے تو تمہیں ان شاءاللہ حیاء کی صفت سے سرفراز کیا جائے گا''۔ (حوالہ بالا ۶/۱۴۸)

ان اقوال کا حاصل ہے کہ ہمیں اولاً اللہ تعالیٰ کی ان انمول اور بے حساب نعمتوں کو یاد رکھنا چاہیے جو ہم پر ہر وقت بارش کی طرح برس رہی ہیں' پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم ان نعمتوں کا کیا حق ادا کر رہے ہیں؟ اور ہم سے کتنی کوتاہیاں ہو رہی ہیں؟ اس استحضار سے خود بخود ہمیں احساس ہوگا کہ ہمارے لیے کوئی بھی ایسا کام کرنا ہرگز مناسب نہیں جس سے ہمارے عظیم محسن کو ناگواری ہوتی ہو اور اس کی نعمتوں کی ناقدری لازم آتی ہو' اسی احساس کا نام ''حیاء'' ہے جو مؤمن کی اہم ترین امتیازی صفت ہے' اللہ تعالیٰ امت کے ہر فرد کو صفت ''حیاء'' سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

باب اوّل:

سر کی حفاظت

- شرک سے اجتناب
- تکبر سے پرہیز
- زبان کی حفاظت
- آنکھ کی حفاظت
- ستر پوشی کا اہتمام
- کان کی حفاظت
- داڑھی منڈوانا بھی بے شرمی ہے

پہلی فصل:

سر کی حفاظت

حدیث بالا میں پہلی ہدایت سر اور اس سے متعلق اعضاء کی حفاظت کی دی گئی ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ سر کو محض جسمانی بیماریوں سے بچایا جائے اور دوا وغیرہ کے ذریعہ سے اس کی حفاظت کے طریقے اختیار کئے جائیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ سر اور اس سے متعلقہ اعضاء کو ہر اس برائی سے محفوظ رکھا جائے جس سے شریعت میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ مثلاً ہمارا سر اللہ کے دربار کے علاوہ کسی اور کے دربار میں نہ جھکے۔ ہماری آنکھیں ناجائز چیزوں کو نہ دیکھیں، ہمارے کان حرام آوازوں کو نہ سنیں اور ہماری زبان ناجائز باتوں کا تلفظ نہ کرے۔ قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں ان چیزوں کی حفاظت پر مختلف انداز میں زور دیا گیا ہے۔ جس کی قدرے تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

شرک سے اجتناب

سر کی حفاظت کا اوّل عنصر یہ ہے کہ آدمی کا دماغ کسی بھی حال میں اللہ ربّ العزت کے ساتھ عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرنے کا روادار نہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے کو معبود بنانا یا سمجھنا اسلام کی نظر میں ناقابل معافی جرم ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (نساء: ٤٨)

”بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے“۔

احادیث طیبہ میں سختی کے ساتھ شرک کی ممانعت وارد ہوئی ہے اور نہ صرف شرک حقیقی (یعنی معبود سمجھ کر غیر اللہ کو سجدہ کرنا وغیرہ) بلکہ شرک کے شائبہ (یعنی غیر اللہ سے معبود جیسا معاملہ کرنے) سے بھی بچنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ مرض الوفات میں آنحضرت ﷺ نے امت کو جو چند اہم ترین وصیتیں ارشاد فرمائیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ:

((اَلَا! وَاِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ وَصَالِحِیْھِمْ مَسَاجِدَ، اَلَا! فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّیْ اَنْھَاکُمْ عَنْ ذٰلِکَ.)) (مسلم شریف ۱/۲۰۱)

''خبردار! تم سے پہلی امتوں کے لوگ اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے۔خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا۔ میں تم کو اس کام سے روکتا ہوں''۔

عام طور پر انبیاء یا اولیاء اللہ کو خدا نہیں سمجھا جاتا اور نہ انہیں خدا سمجھ کر سجدہ کیا جاتا ہے۔لیکن پھر اب بھی قبروں کو سجدہ کرنے سے نہایت شدت سے منع کر دیا گیا۔اس لیے کہ یہ ظاہری طور پر شرکِ حقیقی کے مشابہ ہے اور رفتہ رفتہ آدمی کے اندر شرک کے جراثیم کو بڑھانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔لہٰذا سر کی حفاظت اور اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا اس بات کی متقاضی ہے کہ ہمارا سر اللہ تعالیٰ کے دربار کے علاوہ کسی کے سامنے نہ جھکے اور اللہ تعالیٰ جیسی تعظیم اور کسی کی نہ کی جائے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

آج کل قبروں کے سامنے سر جھکانے اور اور ماتھا ٹیکنے کا رواج عام ہے۔ جب لوگوں کو اس بدعملی سے منع کیا جاتا ہے اور ان کے سامنے وہ صحیح احادیث پڑھی جاتی ہیں جن میں قبروں کے سجدہ سے ممانعت کی گئی ہے تو ان میں سے بعض بے توفیق لوگ محض تلبیس کے لیے یہ رکیک تاویل کرتے ہیں کہ ''احادیث شریفہ میں جس سجدہ کی ممانعت وارد ہے وہ نماز والا سجدہ ہے'' یعنی قبروں کو ایسا سجدہ نہ کیا جائے جیسا نماز میں ہوتا ہے۔لہٰذا نماز کے سجدہ کے علاوہ دوسری طرح سر جھکانا احادیث کی رو سے ممنوع نہیں ہے''۔ حالانکہ یہ تاویل بالکل بے اصل ہے۔ یہاں جو حکم سجدہ کا ہے وہی حکم رکوع یا کسی بھی طرح ماتھا ٹیکنے کا ہے اور اس طرح سبھی عبادت جیسی حرکتیں غیر اللہ کے لیے ناجائز اور حرام ہیں۔خود فقہا احناف نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب درِمختار میں لکھا ہے:

''وکذا ما یفعلونہ من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی بہ اثمان، لانہ یشبہ عبادۃ الوثن. وھل یکفر؟ ان علی وجہ العبادۃ والتعظیم کفر وان علی وجہ التحیۃ لا. وصار اثمًا مرتکبًا للکبیرۃ''۔(درمختار)

''اور اسی طرح جو جاہل لوگ علماء اور سربرآوردہ حضرات کے سامنے زمین چومنے کا عمل کرتے ہیں وہ حرام اور اس عمل کا کرنے والا اور اس سے راضی ہونے والا دونوں گنہگار ہیں اس لیے کہ یہ بت کی عبادت کا مشابہ ہے اور کیا اس کی تکفیر کی جائے گی؟ تو اگر عبادت اور تعظیم کی نیت سے ہو تو تکفیر ہوگی اور اگر محض احترام کے طور پر ہو تو تکفیر تو نہ ہوگی مگر وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

اس پر علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وفی الزاهدی: الایماء فی السلام الی قریب الرکوع کالسجود ففی المحیط: انه یکره الانحناء للسلطان وغیره وظاهر کلامهم اطلاق السجود علی هذا التقبیل"

(شامی بیروت ۹/۴۶۸ کتاب الحظر والاباحة' قبیل فصل فی البیع' شامی کراچی ۶/۳۸۳)

''اور فتاویٰ زاہدی میں ہے کہ رکوع کے قریب تک جھک کر سلام کرنا بھی سجدہ ہی کے حکم میں ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ کے سامنے جھکنا مکروہ تحریمی ہے اور فقہاء کے ظاہر کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح تقبیل پر سجدہ ہی کا حکم لگایا گیا ہے۔''

بہر حال فقہاء کی عبارت سے یہ طے ہو گیا کہ ممانعت صرف نماز جیسے سجدہ تک محدود نہیں ہے بلکہ جس طرح بھی حد سے تعظیم کی جائے اور عبادت کی صورت اپنائی جائے وہ غیر اللہ کے سامنے ممنوع ہے اس لیے جو شخص بھی اللہ سے شرم کرے گا وہ اپنے سر کو کبھی قبروں وغیرہ کے سامنے جھکانے کی جسارت نہ کر سکے گا۔

شرکِ خفی

شرک کی ایک قسم اور ہے جسے شرک خفی یا ریاکاری کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی عبادت اس لیے کی جائے تاکہ کوئی دوسرا شخص اس سے خوش ہو یا اس کا دنیوی مطلوب شہرت و عزت' دولت وغیرہ اس کے ذریعہ حاصل ہو جائے۔ شریعت کی نظر میں یہ عمل اگرچہ کفر و شرک کے درجہ کا نہیں' لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے نہایت مبغوض ہے' او انسان کی ساری محنت کو اکارت کر دیتا ہے۔ اس بارے میں آنحضرت ﷺ کے بعض ارشادات مبارکہ ذیل میں درج ہیں:

(۱) مَنْ تَزَيَّنَ بِعَمَلِ الْاٰخِرَةِ وَهُوَ لَا يُرِيْدُهَا وَلَا يُطْلُبُهَا لُعِنَ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (الترغیب والترھیب ۱/۳۲ عن ابی ھریرہؓ)

جو شخص آخرت کے عمل کو مزین کرے درآنحالیکہ وہ آخرت کا طالب نہ ہو تو اس پر آسمان و زمین میں لعنت کی جاتی ہے۔

(۲) مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْاٰخِرَةِ طُمِسَ وَجْهُهٗ وَمُحِقَ ذِكْرُهٗ وَاُثْبِتَ اسْمُهٗ فِى النَّارِ۔ (الترغیب والترھیب ۱/۳۲ عن الجارودؓ)

جو آخرت کے کسی عمل سے دنیا کا طالب ہو اس کے چہرے پر پھٹکار ہوتی ہے۔ اس کا ذکر مٹا دیا جاتا ہے اور اس کا نام جہنم میں لکھ دیا جاتا ہے۔

(۳) مَنْ اَحْسَنَ الصَّلٰوةَ حَيْثِ يَرَاهُ النَّاسُ وَأَسَاءَ هَا حَيْثُ يَخْلُوْ فَتِلْكَ اسْتِهَانَةٌ اِسْتَهَانَ بِهَا رَبَّهٗ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔ (الترغیب والترھیب ۱/۳۲ عن ابن مسعودؓ)

جو شخص نماز کو اس لیے اچھا پڑھے تاکہ لوگ اسے دیکھیں اور جب تنہائی میں جائے تو نماز خراب پڑھے (آداب وشرائط کا لحاظ نہ رکھے) تو یہ ایسی اہانت ہے جس کے ذریعے سے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی توہین کر رہا ہے۔

(۴) مَنْ صَامَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَلّٰى يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ۔ (الترغیب والترھیب ۱/۲۲ عن شداد بن اوس)

جس نے ریا کے قصد روزہ رکھا اس نے شرک کیا جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک اور جس نے شہرت کے لیے صدقہ کیا اس بھی شرک کیا۔

(۵) الشِّرْكُ الْخَفِىُّ اَن يَّقُوْلَ الرَّجُلُ فَيُصَلِّى فَيُزَيِّنُ صَلٰوتَهٗ لَمَا يَرٰى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ۔

(ابن ماجہ ۳۱۰، الترغیب والترھیب ۱/۳۳ عن ابی سعید الخدریؓ)

"شرکِ خفی یہ ہے کہ آدمی کھڑا ہوا کہ نماز پڑھے اور جب یہ دیکھے کہ کوئی شخص اسے دیکھ رہا ہے تو اپنی نماز خوب اچھی کر دے۔"

(۶) يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِيَّاكُمْ وَشِرْكَ السَّرَائِرِ! قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا شِرْكُ السَّرَائِرِ؟ قَالَ: يَقُوْمُ الرَّجُلُ فَيُصَلِّى فَيُزَيِّنُ صَلٰوتَهٗ جَاهِدًا لِمَا يَرٰى مِنْ نَظَرِ

النَّاسِ اِلَيْهِ فَذٰلِكَ شِرْكُ السَّرَائِرِ۔ (الترغیب و الترهیب ۱/ ۳٤ عن محمود بن لبید)

''اے لوگو! چھپے ہوئے شرک سے بچتے رہو' صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! چھپا ہوا شرک کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی نماز کے لیے کھڑا ہو' تو لوگوں کے اس کی طرف دیکھنے کی وجہ سے وہ اپنی نماز کو خوب کوشش کرکے مزین کرے تو یہ پوشیدہ شرک ہے۔''

(۷) اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الرِّيَاءُ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِذَا جَزَى النَّاسَ بِاَعْمَالِهِمْ اِذْهَبُوْا اِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرَاؤُوْنَ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً ا۔

(الترغیب و الترهیب ۱ ۳٤)

''میں سب سے زیادہ تم پر جس بات کا اندیشہ کرتا ہوں وہ شرکِ اصغر ہے صحابہؓ نے پوچھا کہ شرکِ اصغر کیا ہوتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا یہ ریا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیتے وقت ارشاد فرمائے گا کہ انہی لوگوں کے پاس جاؤ جن کو دنیا میں تم (اپنی عبادت) دکھاتے تھے تو دیکھو کیا تم ان پاس کوئی بدلہ پاؤ گے۔

(۸) اَمَا اِنَّهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا حَجَرًا وَلَا وَثَنًا وَلٰكِنْ يُرَاءُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ وَالشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ اَنْ يُصْبِحَ اَحَدُهُمْ صَائِمًا فَتَعَرَّضُ لَهٗ شَهْوَةٌ مِنْ شَهَوَاتِهٖ فَتَرَكَ صَوْمَهٗ۔ (مشکاۃ شریف ۲/ ٤٥٦)

''(امت میں شرک رائج ہونے کی بابت پوچھنے پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا) کہ وہ لوگ سورج (چاند) پتھر اور بت کی پوجا تو نہیں کریں گے لیکن اپنے اعمال میں ریاکاری کریں گے (یہی شرک ہے) اور پوشیدہ شہوت یہ کہ کوئی آدمی صبح کو اس حالت میں اٹھے کہ وہ روزے دار ہو پھر شہوتوں میں سے کوئی شہوت اسکے سامنے آجائے جس کی بناء پر وہ اپنا روزہ چھوڑ دے۔''

(۹) تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ: وَادٍ فِيْ جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَمَنْ يَدْخُلُهٗ؟ قَالَ: اُعِدَّ لِلْقُرَّاءِ الْمُرَائِيْنَ بِاَعْمَالِهِمْ۔ (الترغیب و الترهیب ۱/ ۳۳)

''اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے رہو جب الحزن (غم کی گھاٹی) سے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! جب الحزن کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جہنم میں ایسی وادی ہے جس سے خود جہنم ہر دن چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ: اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ اس میں کون لوگ داخل ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ریا کار قاریوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔''

یہ ارشاداتِ عالیہ ہماری تنبیہ کے لیے کافی ہیں کہ ہمیں اپنے سر کو ہر اس عمل و عقیدے سے محفوظ کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے شرم کرنے کے منافی ہو۔ ریا کاری اور عبادت میں اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک کرنا۔ درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ نہایت بے حیائی اور بے شرمی کی بات ہے۔ اسی لیے اللہ سے حیاء کرنے میں سب سے اول جس چیز کو ذکر کیا گیا وہ سر اور اس سے متعلقہ چیزوں کو محرمات سے محفوظ رکھنا ہے۔

دوسری فصل:

تکبر سے پرہیز

سر کی حفاظت کا دوسرا عنصر اور اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا ایک اہم تقاضہ یہ ہے ہمارا سر اور ہمارا دماغ کبر وخودنمائی کے مہلک جذبات وجراثیم سے پوری طرح پاک ہو۔ کبریائی صرف اور صرف ذاتِ خداوندی کو زیب دیتی ہے قرآن کریم کھلے لفظوں میں اعلان کرتا ہے:

① وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ (الجاثیہ:۳۷)

''اور اسی کے لیے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست' حکمت والا۔''

زمین پر اکڑ کر چلنا اور سر کو متکبرانہ انداز میں ہلانا جلانا' قرآن وحدیث کی نظر میں سخت ناپسندیدہ ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

② وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۔

(بنی اسرائیل: ۳۷)

''اور مت چل زمین پر اکڑتا ہوا تو پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر۔''

۳ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ (لقمن: ۱۸)

''اور مت چل زمین پر اِتراتا' بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اِتراتا بڑائیاں کرنے والا۔''

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱) قَالَ اللّٰهِ تَعَالٰى الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالعَظْمَةُ اِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ۔ (ابو داؤد ۲/۵٦٦ عن ابی ھریرہ ۲/۳۲۹' ابن ماجہ ۳۰۸)

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے۔ جو اِن میں سے کوئی چیز بھی مجھ سے لینے کی کوشش کرے گا میں اسے جہنم میں داخل کردوں گا۔''

(۲) وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرٍ۔

(مسلم ۱/٦۵ عن عبداللہ بن مسعودؓ ترمذی ۲/۲۰' مشکاۃ ۲/۴۳۳)

''کوئی بھی ایسا شخص جنت میں نہ جاسکے گا جسؐ کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو۔''

(۳) يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ اَمْثَالَ الذَّرِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي صُوَرِ الرِّجَالِ يغشاهُم الذُّلُّ مِنْ كل مَكَان يُسَاقُوْن الٰى سِجْنٍ فِي جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلَس تَعْلُوهُمْ نَارُ الاَنْيَارِ يُسْقَوْنَ من عُصَارَةِ اَهْلِ النَّارِ طِينَةِ الخَبَالِ۔ (ترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ' مشکاۃ ۲/۴۳۳' الترغیب والترھیب ۳/۳۵۵)

''تکبر کرنے والوں کو قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح آدمیوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا۔ ذلت اُن کو ہر طرف سے گھیرے ہوگی' ان کو جہنم کے قید خانہ کی طرف لے جایا جائے گا جس کا نام ''بولس'' ہوگا ان پر ''آگوں کو آگ بلند ہوگی۔ اور انہیں دوزخیوں کے زخموں کا نچوڑ (خون' پیپ وغیرہ) پلایا جائے گا جس کا نام ''طینۃ الخبال'' ہوگا۔''

(۴) لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهِ حَتّٰى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِيْنَ فَيُصِيْبُهُ مَا اَصَابَهُمْ۔

(ترمذی شریف ۲/۲۰ عن سلمۃ بن الاکوعؓ)

''آدمی برابر اپنے نفس کو (تکبر کی جانب) کھینچتا رہتا ہے تا آنکہ اس کا نام سرکشوں میں لکھ

دیا جاتا ہے۔ پس اسے بھی وہی (عذاب) ہوگا جو ان متکبرین کو ہوگا۔''

(۵) مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ دَرَجَة يَرْفَعهُ اللّٰهُ بِهٖ دَرَجَةً حَتّٰى يَجْعلَهٗ اللّٰه فِي اعلىٰ عَلِيِّيْنَ وَمَن تَكَبَّرَ عَلَى اللّٰهِ دَرَجَة يضَعُه اللّٰه بِهٖ دَرَجَه حَتّٰى يجعَلَهٗ فِي اسْفَلِ سَافِلِيْنَ۔ (ابن ماجه ۳۰۸، الترغيب والترهيب ۳۵۱/۳)

''جو اللہ کے لیے ایک درجہ انکساری کرے اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے تا آنکہ اسے علیین میں اعلیٰ مقام تک پہنچا دیتا ہے اور جو اللہ پر ایک درجہ تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ گھٹاتا ہے حتیٰ کہ اسے جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں پہنچا دیتا ہے۔''

(۶) اِيَّاكُم والكِبْرَ فَاِنَّ الكِبْرَ يَكُوْنُ فِي الرَّجُلِ وَاِن عَلَيْه العَبَاءَةَ۔

(رواه الطبرانی عن عبدالله بن عمرؓ الترغيب والترهيب ۳۵۲/۳)

''تکبر سے بچتے رہو۔ اس لیے کہ تکبر آدمی میں پایا جاتا ہے اگرچہ اس پر (بزرگی کا) چوغہ ہو۔''

(۷) بَيْنَمَا رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يَجُرُّ اِزَارَهٗ مِنَ الْخُيَلَاءِ خُسِف بِه فَهُو يَتجلْجَلُ فِي الْاَرْضِ اِلَى يَوم القِيَامَةِ۔

(نسائی شریف ۲۹۸/۲ عن عبدالله بن عمرؓ الترغيب والترهيب ۳۵۶/۳)

''تمہارے سے پہلی امتوں کا ایک شخص تکبر کی بناء پر اپنا تہبند لٹکاتا تھا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک دھنستا ہی چلا جا رہا ہے۔''

(۸) مَنْ جَر ثَوْبه خُيَلاء لَمْ يَنظُر اللّٰهَ تَعَالىٰ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(بخاری شریف ۸۶۰/۲ عن عبدالله بن عمرؓ حدیث ۵۷۸۵، الترغيب والترهيب ۳۵۷/۳)

''جو شخص بڑائی کی وجہ سے اپنے کپڑے کو (ٹخنے سے) نیچے لٹکائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف رحمت کی نظر نہ فرمائے گا۔''

(۹) مَنْ تعظَّمَ فِي نَفسِه اِوِ اختَالَ فِي مِشْيَتِهٖ لَقِيَ اللّٰه تبارَكَ وَ تَعَالىٰ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانٌ۔ (رواه الطبرانی عن ابن عمرؓ الترغيب والترهيب ۳۵۷/۳)

''جو شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور چال میں تکبر کا اظہار کرے تو اللہ تعالیٰ سے وہ اس حال

میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوگا۔“

حاصل یہ ہے کہ تکبر اور خود پسندی ایسی بدترین خصلت ہے، جو انسان کو دنیا، آخرت کہیں کا نہیں چھوڑتی اور پھر اللہ کے مقابلہ میں تکبر کرنا نعوذ باللہ نہایت بے حیائی اور دیدہ دلیری کی بات ہے۔ اس لیے اپنے دماغ کو اس ناسور سے محفوظ رکھے بغیر اللہ تعالیٰ سے شرم کرنے کا حق ادا نہیں ہوسکتا ہمیں ہر اعتبار سے تواضع اور انکساری کی صفت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تواضع کے ذریعہ انسان بلندی کے ناقابل تصور مقام تک پہنچ جاتا ہے اور تکبر کی وجہ سے اگرچہ خود کو کتنا ہی بڑا سمجھتا رہے مگر لوگوں کی نظر میں کتے اور خنزیر سے بدتر ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۴۳۴/۲) اللہ تعالیٰ اس منحوس برائی سے ہمیں محفوظ رکھے اور اپنی ذات سے کامل حیاء کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

تیسری فصل:

زبان کی حفاظت

حدیث بالا میں سر کی حفاظت ہی کو حیا کا مدار قرار نہیں دیا گیا بلکہ ”فلیحفظ الراس وما وعی“ کے الفاظ لا کر بتایا گیا کہ سر کے متعلق جو اعضاء و جوارح ہیں اور جن سے کسی فعل اور تصرف کا صدور ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کے لیے انہیں بھی معاصی اور منکرات سے بچانا اور محفوظ رکھنا ضروری اور لازم ہے۔

سر کے متعلقہ اعضاء میں انسان کی زبان کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ چھوٹی سی زبان اگر راستی پر چلتی رہے تو عظیم القدر درجات کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ بنتی ہے اور اگر زبان ہی بے حیاء بن جائے اور اللہ رب العزت کے خوف سے بے نیاز ہو کر ممنوع کلمات صادر کرتی رہے تو انسان کے لیے حد درجہ شقاوت اور محرومی کا سبب بن جاتی ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

إِذَا أَصبحَ ابنُ آدَمَ فَإِنَّ الأَعضاءَ كُلَّهَا تُكفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُولُ: اتَّقِ اللّٰهَ فِينَا فَإِنَّمَا

نَحۡنُ بِكَ فَاِنِ اسۡتَقَمۡتَ اِسۡتَقَمۡنَا وَاِنِ اعۡوَجَجۡتَ اعۡوَجَجۡنَا۔ (ترمذی شریف ۲/٦٦، بیهقی فی شعب الایمان ٤/٢٤٤، حدیث : ٤٩٤٦، مشكاة شريف ٢/٤١٣)

''جب آدمی صبح سو کر اٹھتا ہے تو سارے اعضاء زبان کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے واسطے اللہ سے ڈرتی رہ! اس لیے کہ ہم تیرے ساتھ ہیں اگر تو سیدھی رہے تو ہم سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگی تو ہم ٹیڑھے ہوں گے۔''

معلوم ہوا کہ زبان کو قابو میں رکھنا اللہ سے حیاء کا حق ادا کرنے والے کے لیے ضروری ہے۔ بغیر اس کے شرم کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ اسی بناء پر نبی برحق، رسول اللہ ﷺ نے نہایت تاکید کے ساتھ زبان کی حفاظت کی ترغیب دی ہے آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

(۱) مَنۡ صَمَتَ نَجَا۔ (بیهقی فی شعب الایمان ٤/٢٥٤ حدیث : ٤٩٨٣)

''جو (غلط بات کہنے سے) خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔''

ایک صحابی عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ نجات کیسے حاصل ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

(۲) اَمۡلِكۡ عَلَيۡكَ لِسَانَكَ وَلۡيَسَعۡكَ بَيۡتُكَ وَابۡكِ عَلٰى خَطِيۡئَتِكَ۔

(ترمذی ٢/٦٦، بیهقی فی شعب الایمان ١/٤٩٢ حدیث ٨٠٥)

''اپنی زبان قابو میں رکھو، اور تمہارا گھر تمہیں گنجائش دے (بلاضرورت وہاں سے نہ نکلو) اور اپنی غلطی پر رویا کرو۔''

(۳) حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ میرے اوپر سب سے زیادہ کس بات کا خوف کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑی اور (اس کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا: ھذا (ترمذی شریف ۲/۶۶، مشکوۃ شریف ۲/۴۱۳) یعنی سب سے زیادہ خطرہ کی چیز یہ زبان ہے۔

(۱) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَقَامُ الرَّجُلِ لِلصَّمۡتِ اَفۡضَلُ مِنۡ عِبَادَةِ سِتِّيۡنَ سَنَةً۔

(مشكاة ٢/٤١٤ عن عمران بن حصين، بیهقی فی شعب الایمان ٤/٢٤٥ حدیث ٤٩٥٣)

''انسان کا خاموشی کو اختیار کرنے کا مرتبہ ساٹھ سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔''

(۵) ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يَا اَبَا ذَرٍّ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَصْلَتَيْنِ هُمَا اَخَفُّ عَلَى الظُّهْرِ وَاَثْقَلُ فِى الْمِيْزَانِ مِنْ غَيْرِهِمَا؟ قَالَ: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: طُوْلُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا۔

(مشكاة شريف ٢/٤١٥، بهيقى فى شعب الايمان ٤/٢٤٢ حديث ٤٩٤١)

''اے ابوذر! کیا میں تمہیں ایسی دو عادتیں نہ بتاؤں جو پیٹھ پر ہلکی (یعنی کرنے میں آسان) اور میزانِ عمل میں بھاری ہیں۔ میں نے عرض کیا ضرور بتائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (۱) لمبی خاموشی، (۲) خوش اخلاقی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ مخلوق نے ان دو عادتوں سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں کیا۔''

(۶) ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ يَّضْمَنْ لِىْ مَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔

(بخارى شريف ٢/٩٥٨ عن سهل بن سعد)

جو شخص مجھ سے اس چیز کی ضمانت لے لے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور اس چیز کی جو اس کے پیروں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔

(۷) نبی اکرم ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَتَدْرُوْنَ مَا اَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ؟ تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ، اَتَدْرُوْنَ مَا اَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ؟ اَلاَجْوَفَانِ: اَلْفَمُ وَالْفَرْجُ۔

(رواه الترمذى عن ابى هريرةؓ، مشكاة ٢/٤١٢)

''کیا تم جانتے ہو کیا چیز لوگوں کو سب سے زیادہ جنت میں داخل کرے گی؟ وہ اللہ کا تقویٰ اور خوش اخلاقی ہے اور کیا تمہیں معلوم ہے سب سے زیادہ چیز لوگوں کو جہنم میں پہنچائے گی؟ وہ دو درمیانی چیزیں یعنی منہ اور شرمگاہ ہیں۔''

(۸) بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت بھی نقل کی گئی ہے۔

مَنْ كَانَ يُوْمَنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُل خَيْر فَلْيَقُلْ خَيْرًا او لِيَصْمُتْ۔

(بخاری شریف ۹۵۹/۲)

''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہے کہ یا تو خیر کی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔''

(۹) ایک دوسری حدیث میں حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نقل فرماتے ہیں:

اِنَّ الرَّجل لَيَتَكَلَّم بِالكَلِمة مِنَ الْخَيرِ مَا يَعلَمُ مَبْلَغها يَكتبُ اللّٰه لَهٗ بِهَا رِضوانَهٗ اِلَى يَوْم يلقاه وَاِنَّ الرَّجُل لَيَتَكَلَّم بِالْكَلمة مِنَ الشَّرِ مَا يَعلَم مبلغها يَكتُبُ اللّٰه بِهَا عَلَيه سَخطَهٗ اِلٰى يَوْم يَلْقَاهُ۔ (مشکاۃ شریف ۴۱۲/۲)

''بیشک آدمی کوئی خیر کی بات زبان سے نکالتا ہے مگر اس کے درجہ کو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کلمہ ذریعہ اس کے لیے قیامت تک اپنی رضا کو لکھ دیتا ہے اور آدمی کوئی برا کلمہ کہتا ہے اس کے درجہ کو بھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے قیامت تک اس سے اپنی ناراضی مقرر فرما دیتا ہے۔

یہ ارشادات مبارکہ ہمیں بتاتے ہیں کہ زبان کی حفاظت کس قدر مہتم بالشان اور ضروری ہے جس کا لحاظ رکھے بغیر اللہ تعالیٰ شرمانے کا حق ہرگز ادا نہیں ہو سکتا۔

زبان کی آفتیں

زبان کے ذریعہ جن گناہوں کا صدور ہوتا ہے یا زبان جن معاصی کے ارتکاب کا ذریعہ بنتی ہے وہ بے شمار ہیں ان سب کو تحریر میں لانا دشوار ہے۔ تاہم امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں زبان کے گناہوں کو ۲۰ عنوانوں میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے جن میں انسان زبان کے ذریعہ مبتلا ہوتا ہے ذیل میں وہ گناہ ترتیب وار پیش ہیں:

(۱) بے ضرورت کلام کرنا۔ (۲) ضرورت سے زائد بات کرنا۔ (۳) حرام چیزوں کا تذکرہ

کرنا (مثلاً فلم کی سٹوری، فاسقوں کی مجلسوں کا ذکر وغیرہ)۔ (۴) جھگڑا کرنا۔ (۵) دوسرے کی حقارت کی غرض سے شور مچانا۔ (۶) گالم گلوچ اور فحش کلامی کرنا۔ (۷) مٹھار مٹھار کی بات چیت کرنا۔ (۸) دوسرے پر لعن طعن کرنا۔ (۹) ناجائز مذاق کرنا۔ (۱۰) گانا اور غلط اشعار پڑھنا۔ (۱۱) دوسرے کا استہزاء کرنا۔ (۱۲) کسی کا راز ظاہر کرنا۔ (۱۳) جھوٹا وعدہ کرنا۔ (۱۴) جھوٹ بولنا۔ (۱۵) کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا۔ (۱۶) چغلی کھانا۔ (۱۷) دوغلی باتیں کرنا۔ (۱۸) غیر مستحق کی تعریف کرنا۔ (۱۹) اپنی غلطیوں سے بے خبر رہنا۔ (۲۰) عوام میں ایسی دینی باتیں بیان کرنا جو ان کی سمجھ سے باہر ہوں (مثلاً تقدیر اور ذات وصفاتِ خداوندی سے متعلق گفتگو کرنا وغیرہ)۔ (احیاء العلوم جلد نمبر ۳)

یہ سب گناہ ایسے ہیں جو عموماً زبان ہی کی بے احتیاطی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے حیاء اور شرم کرنے کیلئے اپنے کو ان سب منکرات سے بچانا ضروری اور لازم ہے۔

چوتھی فصل:

جھوٹ

زبان کے ذریعہ سے سب سے زیادہ جس کا گناہ کا ارتکاب کر کے بے حیائی کا ثبوت دیا جاتا ہے جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا ہے۔

قرآن کریم میں جھوٹ بولنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

فَنَجْعَلُ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔ (آل عمران: ۶۱)

"پس لعنت کریں اللہ کی اُن پر جو کہ جھوٹے ہیں۔"

اور احادیث مبارکہ میں مختلف انداز سے اس گناہ کی شناعت کو بیان فرمایا گیا ہے۔

(۱) ایک حدیث میں ہے:

إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهِ۔ (رواه الترمذی ۲/ ۱۸)

"جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو اس کلمہ کی بدبو کی وجہ سے جو اس نے بولا ہے رحمت کا فرشتہ

اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔"

(۲) رسول اکرم ﷺ نے سچائی کو اختیار کرنے اور جھوٹ سے بچنے کی نہایت تاکید فرمائی ہے۔
حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ إِلَى الْبِرِّ وَ إِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ إِلَى الْجَنَّةِ وَ مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَ يَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ صِدِّيْقًا وَ إِيَّاكُمْ وَ الْكِذْبَ فَإِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ إِلَى الْفُجُوْرِ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ كَذَّابًا۔

(متق علیہ' مشکاۃ شریف ۲ ' ۴۱۲)

"سچ کو اختیار کرو' اس لیے کہ سچ بولنا نیکی کی طرف لی جاتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کا متلاشی رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک اس کا نام صدیقین میں لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچتے رہو اس لئے کہ جھوٹ فسخ و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق و فجور جہنم تک پہنچا دیتا ہے اور آدمی برابر جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کو تلاش کرتا رہتا ہے تا آنکہ اللہ کے یہاں اس کا نام جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔"

(۳) ایک مرتبہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آپ کو آسمان پر لے گئے ہیں وہاں آپ نے دو آدمیوں کو دیکھا' ایک کھڑا ہوا ہے دوسرا بیٹھا ہے۔ کھڑا ہوا شخص بیٹھے ہوئے آدمی کے کلے کو لوہے کی زنبور سے گدی تک کاٹتا ہے' پھر دوسرے کلے کو اسی طرح کاٹتا ہے' اتنے میں پہلا کلا ٹھیک ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ یہ عمل برابر جاری ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھی فرشتوں سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا:

"اَلَّذِىْ رَأَيْتَه يُشَقُّ شِدْقُه فَكَذَّابٌ يَكْذِبُ بِالْكِذْبَةِ تُحْمَلُ عَنْه حَتّٰى تَبْلُغَ الْاٰفَاقَ فَيُصْنَعُ بِه اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" (بخاری شریف/۱۸۵ - ۲و۱/۹۰۰)

"جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کے کلے چیرے جا رہے ہیں وہ ایسا بڑا جھوٹا ہے جس نے ایسا جھوٹ بولا کہ وہ اس سے نقل ہو کر دینا جہاں میں پہنچ گیا' لہٰذا اس کے ساتھ قیامت تک یہی معاملہ کیا جاتا رہے گا۔"

(۴) رسول اکرم ﷺ نے مذاق میں بھی جھوٹ بولنے سے ممانعت فرمائی بلکہ ایسے شخص کے لیے تین مرتبہ بددعاء فرمائی ہے۔

"وَيلٌ لِّمَن يُّحدِّث فيكْذِب ليُضحك بِهِ القَوْمَ، وَيْلٌ لَه، وَيْلٌ لَهٗ"

(رواه احمد و الترمذي، مشكاة شريف ٢/٤١٣)

"جو شخص لوگوں کو ہنسانے کیلئے جھوٹ بولے اس کے لیے بربادی ہو، بربادی ہو۔"

آج کل عام لوگ ہنسانے کے لیے نت نئے چٹکلے تیار کرتے ہیں اور محض اس لیے جھوٹ بولتے ہیں تاکہ لوگ ہنسیں، آنحضرت ﷺ کا مذکورہ بالا ارشاد اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے اور اس برے فعل سے باز آنا چاہیے۔

(۵) رسول اکرم ﷺ نے جھوٹ بولنے کو بڑی خیانت قرار دیا ہے ایک حدیث میں ہے:

"كَبُرَت خِيَانَةً اَنْ تُحدث اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِق وَاَنتَ بِهِ كَاذِبٌ"

(رواه ابو داؤد، مشكاة ٢/٤٢٣)

"یہ بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے ایسی گفتگو کرے جس میں وہ تجھے سچا سمجھتا ہو حالانکہ تو اس سے جھوٹ بول رہا ہو۔"

(۶) جھوٹ بولنے کو منافق کی خاص علامتوں میں شمار کیا گیا ہے ایک حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

مِنْ عَلَامَاتِ الْمُنَافِقِ ثَلَاثَةٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔

(بخاری شريف ٢/٩٠٠ و مسلم شريف ١/٥٦)

"منافق کی تین (خاص) نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اسے امین بنایا جائے تو اس میں خیانت کرے۔"

(۷) ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے سچ کو جنت کی ضمانت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اِضْمَنُولي سِتًّا مِن اَنفُسِكُم اَضْمَن لَكُم الجَنَّة اُصْدُقُوا اِذَا حَدَّثْتُم، و اَوْفُوا اِذَا وَعَدتُّم، وَاَدُّوا اِذَا اؤتُمِنتُم، وَاحفَظُوا فُرُوجَكُم، وغُضوا اَبْصَارَكُم، وكُفُّوا اَيدِيَكُم"

(بيهقى فى شعب الايمان ٤/٢٠٤-٣٢٠ حديث ٤٨٠٢-٥٢٥٦ عن عبادة بن الصامتؓ)

”تم مجھ سے اپنی طرف سے چھ باتوں کی گارنٹی لے لو میں تمہارے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں: ① جب بات کرو تو سچ بولو ② جو وعدہ کرو اسے پورا کرو ③ اپنی امانت کو ادا کرو ④ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو ⑤ اپنی نگاہیں نیچی رکھو ⑥ اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم سے) روکے رکھو۔“

(۸) آنحضرت ﷺ نے سچ بولنے کو ان اعمال میں شمار فرمایا جو محبت خدا اور رسول کی نشانی ہیں، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”مَن سَرَّہ ان یُحب اللّٰہ و رَسُوْلَہ اَو یُحِبہ اللّٰہ و رَسُولہ فَلْیَصدُق حَدِیْثہ إذَا حَدَّث ولیُوَدِ امَانَتَہ إذَا او تُمِنَ ولیُحسن جِوَاز مِن جَاوَرَہ“۔

(بیھقی فی شعب الایمان ۲/۲۰۱ حدیث ۱۵۳۳)

”جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرے تو وہ جب بولے سچ بولے اور جب اسے کوئی امانت سپرد کی جائے تو اسے ادا کرے، اور اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔“

(۹) اسی طرح جھوٹ سے بچنے پر آنحضرت ﷺ نے جنت کی ضمانت لی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”اَنَا زَعیمٌ ببیتٍ فِیْ وَسَطِ الجَنَّة لِمَن تَرَكَ الکِذْبَ وَإنْ کَانَ مَازِحًا“

(الترغیب والترھیب ۳/۳٦٤، بیھقی فی شعب الایمان ٤/۳۱۷ حدیث ۵۲۴۳ عن ابی امامہ)

”میں اس شخص کے لئے بیچ جنت میں گھر کی کفالت لیتا ہوں جو جھوٹ کو چھوڑ دے اگرچہ مذاق ہی میں کیوں نہ ہو۔“

سچ میں ہی نجات ہے

واقعہ یہ ہے کہ جھوٹ سے بچنا اور ہر معاملہ میں سچ کو اختیار کرنا تقربِ خداوندی کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اس صفت کی بدولت انسان میں واقعتاً اللہ ربّ العالمین سے شرم وحیا کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور خیرات کی توفیق عطا ہوتی ہے اس کے برخلاف جھوٹ کے معاملہ میں لاپروائی برتنا سخت نقصان اور محرومی کا سبب ہے، جھوٹ سے وقتی طور پر کوئی دُنیاوی فائدہ تو اٹھایا جاسکتا

ہے لیکن انجام کے اعتبار سے وہ نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا اور سچ بول کر ہو سکتا ہے وقتی کچھ نقصان محسوس ہو لیکن اس کا نتیجہ آخر میں ہمیشہ اچھا اور مفید ہی برآمد ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تَحَرَّوا الصِّدق وإن رأيتم انَّ الهَلَكة فيه فَانَّ فِيه النَّجاةَ"۔

(الترغيب و الترهيب ۳/۳٦٥ عن منصور بن المعتمر)

"سچ کو تلاش کرو، اگر چہ تمہیں اس میں ہلاکت معلوم ہو، اس لیے کہ نجات اسی (سچ بولنے) میں ہے۔"

اسلامی تاریخ میں غزوۂ تبوک میں بلا عذر شرکت نہ کرنے والے مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم (حضرت کعب بن مالک، حضرت مرارہ بن الربیع اور حضرت ہلال ابن امیہ) کا نام سنہرے حروف سے نقش ہے جنہوں نے سچ کو اختیار کر کے صحیح صحیح معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا تھا جس کی وجہ سے اگر چہ انہیں پچاس دن بائیکاٹ کی تکلیف جھیلنی پڑی، لیکن آخر کار ان کی توبہ کی قبولیت کے سلسلے میں قرآن کریم کی آیات: ﴿و على الثلاثة الذين خلفوا ......﴾ نازل ہوئیں اور انہیں ان کی سچائی کی بناء پر رب ایزدی کی جانب سے رحمت و مغفرت کا تمغہ عطا کیا گیا اور جن منافقین نے جھوٹے عذر پیش کر کے بظاہر اپنی جان بچالی تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے جہنمی ہونے کا اعلان فرمایا۔ (بخاری شریف ۲/۶۳۶)

تجربہ سے یہ بھی بات ثابت ہے کہ جھوٹے آدمی کا اعتماد لوگوں میں مجروح ہو جاتا ہے اور لوگ اسے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ سے زیادہ کوئی صفت ناپسند نہ تھی۔ (الترغیب ۳/۳۶۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ مؤمن میں ہر صفت ہو سکتی ہے لیکن وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا (یعنی اگر جھوٹا ہو تو اس کے ایمان میں نقص ہوگا)۔ (الترغیب ۳/۳۶۸)

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک کمالِ ایمان حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ مذاق (تک) میں جھوٹ بولنے اور جھگڑا کرنے سے باز نہ آجائے اگر چہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو۔ (الترغیب ۳/۳۶۷)

یہ بھی جھوٹ ہے

ان ہدایات اور ارشادات کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لینا چاہیے' جھوٹ کا معاملہ کتنا نازک ہے؟ اس کا اندازہ اِس واقعہ سے ہوتا ہے:

"عن عبداللّٰہ بنِ عَامِرٌ قَالَ: دعتْنِی اِمِی یَوْمًا و رَسُوْلِ اللّٰہ ﷺ قَاعِد فِیْ بِیْتِنا فَقَالَتِ ھَا تَعَالَ اعْطِیْکَ فقالَ لَھَا رَسُوْلِ اللّٰہ ﷺ مَا اَردتٌّ ان تُعْطِیَہ؟ قَالَت اردْت ان اعِطیہ تَمْرًا' فَقَال لَھَا رَسُوْل اللّٰہ ﷺ اَمَا اِنَّکَ لَوْلم تُعطِہ شَیْئًا کُتِبَتْ عَلَیْکِ کَذِبَۃٌ" (الترغیب والترھیب ۳ / ۳۷۰)

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مکان میں تشریف فرما تھے' میری والدہ نے (میری جانب بند مٹھی بڑھا کر) کہا: یہاں آؤ میں تمہیں دوں گی (جیسے مائیں بچے کو پاس بلانے کے لیے ایسا کرتی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ سے ارشاد فرمایا: تمہارا اِسے کیا دینے کا ارادہ تھا؟ والدہ نے جواب دیا میں اسے کھجور دینا چاہتی تھی' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اسے کھجور نہ دیتیں تو تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔"

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہت سی ایسی باتیں جنہیں معاشرہ میں جھوٹ نہیں سمجھا جاتا ہے ان پر بھی جھوٹ کا گناہ ہوسکتا ہے بچوں کو جھوٹی تسلیاں دینا اور جھوٹے وعدے کرنا عام طور پر ہر جگہ رائج ہے اور اسے جھوٹ سمجھا ہی نہیں جاتا حالانکہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق یہ بھی جھوٹ میں داخل ہے۔ اسی طرح ہنسانے کے لیے اور محض تفریحِ طبع کے لیے جھوٹ بولنے کو گویا کہ حلال سمجھا جاتا ہے اور اسے قطعاً عیب کی چیز نہیں شمار کیا جاتا جبکہ اس مقصد سے جھوٹ بولنا بھی سخت گناہ ہے۔

تجارت پیشہ حضرات متوجہ ہوں

خرید وفروخت کے معاملہ میں بھی دِل کھول کر جھوٹ بولا جاتا ہے' اور قطعاً اس کے گناہ ہونے کا احساس نہیں کیا جاتا۔ تاجر کے پیشِ نظر بس یہ رہتا ہے کہ اس کی دُکان کا مال بکنا چاہیے

بھلے ہی جھوٹ بولنا پڑے۔ گاہکوں کو لبھانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں اور محض چندروزہ نفع کے لیے آخرت کی محرومی مول لی جاتی ہے اسی بناء پر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اَلتُّجَّارُ يُحشَرُونَ يَومَ القِيَامَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَبَرَّ وَصَدَقَ''

(مشکاۃ/۲۴۴' ترمذی ۱/۲۳۰)

''اکثر تاجر قیامت کے فاجروں کی صف میں اٹھائے جائیں گے۔ مگر وہ تاجر جو اللہ سے ڈرے اور نیکی کرے اور سچ بولے۔''

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اِنَّ التُّجَّارَهُم الفُجَّارُ''

''بیشک تاجر ہی فاجر ہیں۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ نے بیع کو حلال نہیں فرمایا؟ (پھر بیع کرنے والے کیوں خطار کار ہیں؟) تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

''بَلٰى !لٰكِنَّهُم يَحلِفُونَ فَيَاثَمُونَ وَيُحَدِّثُونَ فَيَكذِبُونَ''۔ (الترغیب ۲/۳۶۶)

''ہاں (بیع حلال تو ہے) مگر یہ (تاجر) قسمیں کھا کر گنہگار ہوتے ہیں اور جب بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں' (اس لیے انہیں فاجر کہا گیا)''۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر نہ فرمائے گا اور نہ ان کا تزکیہ کرے گا' اور ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسے بدنصیب لوگ کون ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَ الْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ۔

(مسلم شریف/۷۱' الترغیب ۲/۳۶۷)

''(ایک) وہ جو اپنے کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکائے' (دوسرے) وہ جو صدقہ کرکے احسان جتائے (تیسرے) وہ جو اپنے سامان کو جھوٹی قسم کے ذریعہ فروخت کرے۔''

ہمارا عمل

آج حال یہ ہے کہ عام طور پر دُکاندار اپنے مال کو بیچنے کے لیے۔(۱) کم درجہ کے مال کو اعلیٰ درجہ کا بتاتے ہیں'(۲) قیمت کے بارے میں بے دھڑک جھوٹ بول دیتے ہیں کہ اتنے روپے کی تو ہمیں بھی نہیں پڑتی' تاکہ گاہک متاثر ہو جائے' اور اس سے زائد قیمت پر خرید لے' (۳) اگر گاہک کسی کمپنی کا سامان مانگے تو یہ نہیں کہتے کہ ہمارے پاس اس کمپنی کا مال نہیں ہے دوسری جگہ سے لے لو' بلکہ یہ کہہ کر گاہک کو دھوکہ دیتے ہیں کہ تم جس کمپنی کا مال مانگ رہے ہو اس کا مال تو بازار میں آ ہی نہیں رہا ہے' دوسری کمپنی کا خرید لو تاکہ اس کے یہاں رکھا ہوا مال بک جائے' (۴) پرانے مال پر نیا لیبل لگا دیتے ہیں' (۵) مال کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔

الغرض ہر وہ طریقہ اپناتے ہیں جس سے گاہک خریدنے پر مجبور ہو جائے اور اسی کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں' یہ دینی امور سے بے رغبتی اور لاپرواہی کی دلیل ہے' جھوٹ بہرحال جھوٹ ہے وہ جس وقت بھی بولا جائے اس کا گناہ ہوگا اس لیے خاص کر تجارت پیشہ حضرات کو اپنی زبانوں کو لگام دینے کی ضرورت ہے' اور اللہ پر بھروسہ کر کے سچائی اور دیانتداری کے ساتھ کمائی کریں گے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بے حساب برکت عطاء فرمائے گا اور آخرت میں بھی ان کا حشر حضرات انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔(ترمذی شریف ۱/۲۲۹)

جھوٹی تعریفیں

شیطان نے اس زمانہ میں جھوٹ کے پھیلاؤ کے لیے نت نئی رسمیں اور طریقے ایجاد کر رکھے ہیں۔انہی میں سے ایک رسم لوگوں کی جھوٹی تعریف کرنے اور بے سروپا القاب دینے کی بھی ہے اور تو اور خود علماء بھی اس بارے میں احتیاط نہیں کرتے۔جلسوں کے اشتہارات میں اس جھوٹ کی بھرمار ہوتی ہے حتیٰ کہ ایک معمولی شخص کے ساتھ ایک ایک لائن کے آداب والقاب لگا کر مکمل جھوٹ کا اظہار کیا جاتا ہے۔اسی طرح مقرروں کے تعارف' سپاس ناموں اور منقبتی نظموں میں وہ مبالغہ آرائی کی جاتی ہے کہ الامان الحفیظ۔پھر طرہ یہ کہ اس عمل کو جھوٹ سمجھا بھی نہیں جاتا۔

اللہ کی نظر میں یہ عمل نہایت ناپسندیدہ ہے خاص کر جب کسی نااہل اور فاسق وفافر کی تعریف کی جاتی ہے (جیسا کہ آج کل لیڈروں اور افسران کی خوشامد وغیرہ کا طریقہ ہے) تو اس گناہ کی وجہ سے عرش خداوندی تک کانپ اُٹھتا ہے۔ ایک حدیث کا الفاظ ہیں:

اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الربُّ تَعَالٰی وَاهْتَزَلَهٗ الْعَرْشُ۔

(مشکاۃ شریف ۲/۴۱۴ عن انسؓ)

''جب فاسق شخص کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ رب العزت کو غصہ آتا ہے اور اس کی بناء پر عرش خداوندی حرکت میں آجاتا ہے۔''

مالداروں، عہدے داروں اور فاسق وفاجر لوگوں کی تعریف کرنے والے لوگ اس حدیث سے عبرت حاصل کریں اور سوچیں کہ وہ اپنی زبان کو اس گناہ میں مبتلا کر کے کس قدر بے حیائی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

تعریف میں احتیاط

پھر چونکہ محض تعریف کرنا بھی اس معنی کر فتنہ سے خالی نہیں کہ جس شخص کی تعریف کی جا رہی ہے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی تعریف سن کر عجب اور تکبر میں مبتلا ہو جائے اور اپنے باطنی عیوب اس سے پوشیدہ ہو جائیں، اس لیے شریعت میں منہ پر تعریف کرنے والوں کی ہمت شکنی کے احکامات دیئے گئے ہیں، اور خوامخواہ تعریف کرنے میں احتیاط سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے، تاکہ زبان کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اپنے مسلمان بھائی کی خیر خواہی بھی پیش نظر رہے[۱]۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کی تعریف کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَهْلَكْتُمْ اَوْ قَالَ قَطَعْتُمْ ظَهْرَ الرَّجُلِ۔

(بخاری شریف ۲/۸۹۵ عن ابی موسٰی الاشعری، مسلم شریف ۲/۴۱۴)

---

[۱] تعریف تین طرح ہوتی ہے: ① منہ پر تعریف کرنا، ② غائبانہ میں تعریف کرنا۔ اس نیت سے تاکہ جس کی تعریف کی گئی ہے اس تک بات پہنچ جائے۔ یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں۔ ③ غائبانہ میں تعریف قطع نظر اس سے کہ کسی کو اس کا علم ہو یا نہ ہو یہ جائز ہے۔ (مظاہر حق ۴/۹۶)

''تم نے اسے ہلاک کرڈالا'' یا فرمایا کہ تم نے اس آدمی کی کمر توڑ دی۔''

دوسرے موقع پر فرمایا:

وَيْحَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ مِرَارًا اِذَا كَانَ اَحَدُ كُمْ مَادِحًا اَخَاهُ لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَّاللّٰهُ حَسِيْبُهٗ وَلَآ اُزَكِّيْ عَلَى اللّٰهِ اَحَدًا ۔

(بخاری شریف ۲/۸۹۵ عن ابی بکرہ مسلم شریف ۲/۴۱۴، مشکاۃ ۲/۴۱)

تیرے لیے ہلاکت ہو، تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی (یہ جملہ کئی بار ارشاد فرمایا) تم میں جسے کسی کی تعریف ہی کرنی ہو تو وہ یوں کہا کرے کہ میرا فلاں کے بارے میں یہ گمان ہے (مثلاً وہ نیک ہے) جبکہ وہ اسے واقعی ایسا ہی سمجھتا ہو اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کا جاننے والا ہے اور تعریف کرنے والا جزم ویقین کے ساتھ حتمی طور پر کسی کی تعریف نہ کرے (کہ اس کا حقیقی علم صرف اللہ کو ہے)۔

اِسی طرح ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشہ ور مادحین کو اس طرح ہمت شکن جواب دینے کی تلقین فرمائی:

قَالَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِيْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ ۔

(مسلم شریف ۲/۴۱۴ عن المقداد بن الاسود، مشکاۃ شریف ۲/۴۱۲)

''جب تم (مفاد پرست) تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی ڈال دو۔''

مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو منہ نہ لگاؤ اور وہ تم سے جن دنیاوی منافع کی امیدیں باندھے ہوئے ہیں انہیں پورا نہ کرو تاکہ وہ پھر آگے بھی اس بے جا مدح کی جرأت نہ کرسکیں، الغرض حیاءِ خداوندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی زبان کو ہر اس چیز سے محفوظ رکھیں جس میں جھوٹ اور خلافِ واقعہ ہونے کا شائبہ پایا جاتا ہو۔ ہمیں حتی الامکان اللہ سے شرم کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

پانچویں فصل:

غیبت بھی بے حیائی ہے

زبان کے ذریعہ سے جو گناہ صدور میں آتے ہیں، اور جن کے ذریعہ کھلم کھلا اللہ ربّ العزت

کے ساتھ بے شرمی اور بے حیائی کا ثبوت دیا جاتا ہے ان میں ایک گھناؤنا جرم غیبت کا ہے یہ وبا آج چائے کے ہوٹلوں سے لے کر "سفید پوش حاملین جبہ ودستار" کی مبارک مجلسوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ مجلس کی گرمی آج غیبتوں کے دَم سے ہوتی ہے اور سلسلہ گفتگو دارز کرنے کے لیے عموماً غیبت ہی کا سہارا لیا جارہا ہے اب یہ مرض اس قدر عام ہو چکا ہے کہ اس کی برائی اور گناہ ہونے کا احساس تک دَل سے نکلتا جارہا ہے۔ یہ صورت حال افسوسناک ہی نہیں بلکہ اندیشہ ناک بھی ہے' اس کا تدارک جبھی ہو سکتا ہے اور اس سے بچنے اور محفوظ رہنے کا جذبہ اسی وقت بیدار ہو سکتا ہے جبکہ حدیث کے الفاظ: ((فليحفظ الرأس وما وعى)) کے مضامین کے ہر وقت استحضار رکھا جائے اور اللہ ربّ العزت سے حیاء کا حق ادا کرنے کی برابر کوشش کی جاتی رہے اور ساتھ میں بارگاہِ ایزدی میں الحاح وزاری اور لجاجت کے ساتھ اسی بدترین روحانی بیماری سے نجات اور شفاء کی استدعاء اور درخواست بھی کی جاتی رہے۔ آج کے دَور میں اللہ کی خاص توفیق کے بغیر اس گناہ سے بچنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

غیبت کرنا مردار بھائی کے گوشت کھانے کے مترادف ہے

غیبت کی شناعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم نے غیبت سے بچنے کا حکم کرتے ہوئے غیبت کرنے کو اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانے کے مثل قرار دیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُم بَعْضًاط اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾

(الحجرات: ١٢)

"اور برا نہ کہو پیچھے ایک دوسرے کے' بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو سو گھن آتی ہے تم کو اس سے۔"

ظاہر ہے کہ کوئی شخص ہرگز ہرگز اس بات کا تصور نہیں کرسکتا کہ کسی بھی مردہ کا گوشت کھائے چہ جائیکہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا۔ قرآن کریم یہ یقین ہمارے دِل میں بٹھانا چاہتا ہے کہ جس طرح تمہاری طبیعت اپنے بھائی کا گوشت کھانے پر آمادہ نہیں ہوتی' اسی طرح تمہیں اس کی برائی کرنے سے بھی پوری طرح احتراز کرنا چاہیے۔ کیونکہ غیبت کرنا گویا کہ اس کی عزت نفس

کو بیچ کھانا ہے، جو اسی طرح مکروہ اور ناپسندیدہ ہے جیسے اس کا گوشت کھانا ناپسندیدہ اور کراہت کا باعث ہوتا ہے۔

غیبت کیا ہے؟

جب غیبت پر کسی کو ٹوکا جاتا ہے تو ہو فوراً یہ جواب دیتا ہے کہ کیا ہوا؟ میں تو حقیقت حال بیان کر رہا ہوں گویا کہ یہ حقیقت بیان کرنا جائز ہے حالانکہ یہ خام خیالی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَۃُ قَالُو اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ ذِکْرُکَ اَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ قِیْلَ اَفَرَاَیْتَ اِنْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَآ اَقُوْلُ قَالَ اِنْ کَانَ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَہٗ وَ اِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْہِ فَقَدْ بَھَتَّہٗ ۔(مسلم شریف ۲/ ۳۲۲ عن ابی ھریرہ)

’’کیا تمہیں معلوم ہے غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ جانتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے بھائی کے بارے میں ان باتوں کا ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہوں (غیبت ہے) ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر میرے بھائی کے اندر وہ صفات ہوں جو میں نے کہی ہیں (تو کیا پھر بھی غیبت ہوگی؟) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اگر وہ برائی تیرے ساتھی میں پائی جائے تجھی تو وہ غیبت ہوگی اور اگر وہ بات اس کے اندر نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان باندھا ہے۔ (جو غیبت سے بھی بڑا گناہ ہے)۔‘‘

اِس سے معلوم ہوا کہ اس برائی کا بیان کر دینا بھی غیبت ہے جو برائی مذکورہ شخص میں پائی جاتی ہو اور اس عموم میں ہر ایسی برائی کا بیان شامل ہے جس سے مذکورہ شخص کی عزت میں فرق آتا ہو خواہ وہ دُنیا کی برائی ہو یا دین کی۔ جسم کی برائی ہو یا اخلاق کی۔ اولاد کی برائی ہو یا بیوی کی۔ خادم کی برائی ہو یا غلام کی۔ الغرض جس چیز کے بیان سے کسی کی بے عزتی ہوتی ہو اس کا اظہار غیبت کے حکم میں داخل ہے۔ (روح المعانی ۲۶/ ۱۵۸)

سامنے برائی کرنا بھی گناہ ہے

اور بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح پیٹھ پیچھے برئی کرنا غیبت ہے اسی طرح سامنے

برائی کرنا بھی شناعت میں غیبت کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر ہے۔ الفاظ قرآن: ﴿وَلَا تَلْمِزُوا اَنْفُسَكُمْ﴾ میں صراحۃً اس سے ممانعت فرمائی گئی ہے اور حدیث کی تعریف: ((ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ)) کے عموم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے علامہ آلوسی روح المعانی میں نقل کرتے ہیں:

"وفی الزواجر: لا فرق فی الغیبة بین ان تکون فی غیبة المغتاب أ بحضرته هو المعتمد۔ (روح المعانی ۲۶/۱۵۸، کتاب الزواجر ۲/۲۶)

''اور زواجر میں لکھا ہے کہ غیبت خواہ مغتاب کی غیر موجودگی میں کی جائے یا اس کی موجودگی میں (دونوں صورتوں میں) کوئی فرق نہیں ہے۔ یہی قابل اعتماد بات ہے۔''

عام طور پر غیبت کی یہ تاویل بھی کی جاتی ہے کہ ''یہ بات تو میں اس کے منہ پر کہہ چکا ہوں'' یعنی یہ سمجھا جاتا ہے کہ غیبت صرف وہ ہے جو پیٹھ پیچھے کی جائے اور سامنے کسی کی توہین کرے تو وہ غیبت نہیں ہے حالانکہ حضرات مفسرین کی تشریح سے یہ بات واضح ہے کہ کسی کے سامنے ہر ایسی بات کہنا جو اسے بری لگے اور اس کی عزت میں اس کی وجہ سے فرق آئے' یہ سب صورتیں غیبت کی وعید میں شامل ہیں اور ان سے احتراز کی ضرورت ہے' الا یہ کہ غیبت سے مقصود تحقیر اور بے عزتی نہ ہو بلکہ اصلاح یا دوسروں کو شر سے بچانا وغیرہ ہو' تو اس کے مسائل ضرورت اور مجبوری کے تحت فقہ کی کتابوں میں الگ سے بیان کئے گئے ہیں۔ (عالمگیریہ ۳۶۲' معارف القرآن ۸/۱۲۳)[1]

[1] علامہ شامی نے وہ گیارہ مواقع بیان کئے ہیں جن میں کسی کی برائی بیان کرنا غیبت کے دائرے میں داخل نہیں ہے: (۱) بطور حسرت وافسوس کے کسی کی برائی بیان کرنا۔ (۲) غیر معین طور پر عام اہل بستی کے عیب بیان کرنا۔ (۳) بر سر عام بری حرکتیں کرنے والے کی حرکتیں بیان کرنا۔ (۴) لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے کسی بدعقیدہ شخص کی بدعقیدگی کا اظہار کرنا۔ (۵) حاکم کے سامنے ظلم کے مداوے کے لئے ظالم کا ظلم بیان کرنا۔ (۶) جو بھی شخص برائی روکنے پر قادر ہو اس کے سامنے متعلقہ شخص کے عیوب ظاہر کرنا (مثلاً باپ کے سامنے بیٹے یا مالک کے سامنے خادم کی برائی کرنا)۔ (۷) رشتہ داری قائم کرنے کے متعلق مشورہ دیتے وقت متعلقہ شخص کے عیوب کا اظہار کر دینا۔ (۸) فتویٰ لیتے وقت صحیح صورت حال مفتی کو بتا دینا۔ (۹) غلام وغیرہ خریدنے والے سے غلام کا عیب بیان کرنا۔ (۱۰) محض تعارف کرانے کے لئے کسی کو ''نابینا' لنگڑا'' وغیرہ کہنا۔ (۱۱) مجروح اور غیر معتبر رواۃ حدیث اور مصنفین کے حالات کا افشاء کرنا' یہ صورتیں غیبت میں داخل نہیں ہیں' لیکن سب میں یہ شرط ہے کہ ان میں بھی تحقیر مسلم کا عنصر ہرگز شامل نہ ہونا چاہیے۔
(شامی کراچی ۶/۴۰۹۔۴۰۸' شامی ۹/۵۰۱۔۵۰۰ فصل فی البیع)

آنکھیں کھولئے

احادیثِ مبارکہ میں نہایت شدت کے ساتھ معاشرۂ اسلامی سے اس گھناؤنے جرم کی بنیادیں اُکھاڑ پھینکنے کی تلقین فرمائی گئی ہے' نبی اکرم ﷺ نے غیب کے متعلق اتنی سخت وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں جنہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں' ملاحظہ فرمائیں:

(۱) آ حضرت ﷺ نے سفر معراج میں دوزخ کے معائنہ کے وقت کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جو مردار کھارہے تھے' تو آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا:

هو لاء الذين يا كلون لحوم الناس۔ (الترغيب و الترهيب ۳/۳۳۰)

''یہ وہ لوگ ہیں جو (دنیا میں) لوگوں کا گوشت (یعنی ان کی عزت) کھاتے تھے۔ (یعنی غیبت کیا کرتے تھے)''

(۲) اسی طرح آپ ﷺ نے دوزخ میں کچھ ایسے مدنصیبوں کو بھی دیکھا جو اپنے تانبے کے ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو کھرچ رہے تھے۔ ان کے بارے میں پوچھے جانے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا:

هو لاء الذين يا كلون لحوم الناس ويقعون فى اعراضهم۔

(ابو داؤد شریف ۲/۶۶۹' رواہ البیهقی ۵/۳۰۰' عن انس' الترغیب و الترهیب ۳/۳۳۰)

''یہ وہی لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتوں سے کھلواڑ کرتے تھے۔''

(۳) نیز ایک طویل حدیث میں آنحضرت ﷺ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے سفر معراج کے دوران کچھ ایسی عورتوں اور مردوں کو دیکھا جو سینوں کے بل لٹکے ہوئے تھے۔ تو میں (ﷺ) نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا:

هو لاء اللمازون والهمازون......

(رواہ البیهقی عن راشد بن سعد' الترغیب و الترهیب ۳/۳۳۰)

''یہ زبان اور آنکھ کے اشاروں کے ذریعہ غیبت کرنے والے ہیں۔''

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے غیبت اور کسی مسلمان کی آبروریزی کو بدترین سود سے تعبیر فرمایا' آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

إِنَّ الرِّبَا نَيِّفٌ وَسَبْعُونَ بَابًا اهْوَنُهُنَّ بَابًا مِنَ الرِّبَا مِثْلُ مَنْ اَتَى اُمَّهُ فِي الْإِسْلَامِ و دِرْهَمٌ مِنَ الرِّبَا اَشَدُّ مِنْ خَمْسٍ وَثَلٰثِيْنَ زِنْيَةً وَاشَدُّ الرِّبَا وَارْبَى الرِّبَا وَأَخْبَثُ الرِّبَا انْتِهَاكُ عِرْضِ الْمُسْلِمِ وانْتِهَاكُ حُرْمَتِهِ۔

(رواه البيهقى ٥/٢٩٩ عن ابن عباسؓ حديث ٦٧١٥' الترغيب ٣/٣٢٦)

''سود کے ستر سے زیادہ دروازے ہیں۔ ان میں سب سے کمتر سود کے دروازے کا گناہ ایسا ہے جیسے (نعوذ باللہ) کوئی شخص اپنی ماں سے بحالت اسلام بدکاری کرے اور سود کا ایک درہم ۳۵ مرتبہ زنا کرنے سے بھی سخت ہے اور سب سے سخت ترین سود' سب سے بڑا سود اور سب سے بدترین سود کسی مسلمان کی عزت وحرمت کو پامال کرنا ہے۔''

(۵) ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے خیالی میں ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق غیبت کے کلمات نکل گئے (یعنی آپؓ نے اشارہ سے انہیں قصیرۃ (پستہ قد) کہہ دیا تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح تنبیہ فرمائی:

لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْهُ۔

رواه أحمد والترمذى وأبوداؤد' مشكاة شريف ٢/٤١٤)

''تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر میں ڈال دیا جائے تو وہ بات سمندر کے پانی کو خراب کردے۔''

(٦) ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں فرمایا کہ غیبت زنا سے بڑھ کر ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حیرت سے سوال کیا کہ حضرت یہ کیسے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَزْنِيْ فَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَيَتُوْبُ فَيَغْفِرُ اللهُ لَهُ وَ إِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهُ حَتّٰى يَغْفِرَهَا لَهُ صَاحِبُهُ وَفِيْ رِوَايَةِ اَنَسٍ قَالَ: صَاحِبُ الْغِيْبَةِ لَيْسَ لَهُ تَوْبَةٌ۔ (رواه البيهقى فى شعب الايمان ٥/٣٠٦' عن ابى سعيدؓ و جابرؓ حديث:

۶۷۴۱۔ ۶۷۴۲، مشکاۃ شریف ۲/۴۱۵)

''انسان زنا کر کے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ (محض اس کے سچی توبہ کرنے پر اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جب وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتا ہے اور (اسکے برخلاف) غیبت کرنے والے کی اس وقت تک مغفرت نہیں ہوتی جب کہ اس کو مغتاب معاف نہ کر دے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ زنا کرنے والا (بڑے گناہ کے احساس نہ ہونے کی وجہ سے) توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ (یہی وجہ ہے کہ غیبت کی شناعت زنا سے بھی زیادہ ہے)۔''

(۷) مشہور صحابی حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کی وجہ سے انسان عذابِ قبر کا مستحق ہو جاتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

بَیْنَا اَنَا اُمَاشِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَھُوَ اٰخِذٌ بِیَدَیَّ وَرَجُلٌ عَنْ یَسَارِہٖ فَاِذَا نَحْنُ بِقَبْرَیْنِ اَمَامَنَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ وَبَلٰی، فَاَیُّکُمْ یَاْتِیْنِیْ بِجَرِیْدَۃٍ فَاسْتَبَقْنَا فَسَبَقْتُہٗ فَاَتَیْتُہٗ بِجَرِیْدَۃٍ فَکَسَرَھَا نِصْفَیْنِ فَاَلْقٰی عَلٰی ذَا الْقَبْرِ قِطْعَۃً وَعَلٰی ذَا الْقَبْرِ قِطْعَۃً وَقَالَ اِنَّہٗ یُھَوَّنُ عَلَیْھِمَا مَا کَانَتَا رَطْبَتَیْنِ وَمَا یُعَذَّبَانِ اِلَّا فِی الْبَوْلِ وَالْغِیْبَۃِ۔ (مسند أحمد بن حنبل ۵/۳۵ حدیث ۲۰۲۵۲)

''اِس دوران کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ ﷺ میرے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور ایک شخص آپ ﷺ کے بائیں جانب تھا کہ اچانک ہم دو قبروں پر پہنچے جو ہمارے سامنے تھیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں (قبر والوں) کو عذاب ہو رہا ہے اور (تمہاری دانست میں) کسی بڑے گناہ پر عذاب نہیں ہو رہا حالانکہ وہ گناہ بڑا ہے۔ لہٰذا کون ہے جو ایک ٹہنی میرے پاس لائے تو ہم حکم کی تعمیل میں جھپٹے۔ میں جلدی جا کر آپ ﷺ کے لیے ایک ٹہنی لے آیا آپ ﷺ نے اس ٹہنی کے دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑا اِس قبر پر اور دوسرا ٹکڑا دوسری قبر پر ڈال دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی ان (قبر والوں) پر عذاب میں تخفیف کی جاتی رہے گی اور ان دونوں کو صرف پیشاب (سے نہ بچنے) اور غیبت (کرنے) کی بناء پر عذاب دیا جا رہا ہے۔''

(۸) حضرت شفی بن ماتع الاصبحیؒ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:

اَرْبَعَةٌ يُؤْذُوْنَ اَهْلَ النَّارِ عَلٰى مَا بِهِمْ مِنَ الْاَذٰى يَسْعَوْنَ مَا بَيْنَ الْحَمِيْمِ وَالْجَحِيْمِ يَدْعُوْنَ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُوْرِ يَقُوْلُ بَعْضُ اَهْلِ النَّارِ لِبَعْضٍ، مَا بَالُ هٰٓؤُلَاءِ قَدْ اٰذَوْنَا عَلٰى مَا بِنَا مِنَ الْاَذٰى، قَالَ: فَرَجُلٌ مُغْلَقٌ عَلَيْهِ تَابُوْتٌ مِنْ جَمْرٍ، وَرَجُلٌ يَجُرُّ اَمْعَاءَهُ وَرَجُلٌ يَسِيْلُ فُوْهُ قَيْحًا وَدَمًا وَرَجُلٌ يَاكُلُ لَحْمَهٗ، فَيُقَالُ لِصَاحِبِ التَّابُوْتِ مَابَالُ الْاَبْعَدِ قَدْ اٰذَانَا عَلٰى مَا بِنَا مِنَ الْاَذٰى فَيَقُوْلُ: اِنَّ الْاَ بْعَدَ قَدْ مَاتَ وَفِىْ عُنُقِهٖ اَمْوَالُ النَّاسِ، ثُمَّ يُقَالُ لِلَّذِىْ يَجُرُّ اَمْعَائَهٗ مَابَالُ الْاَبْعَدِ قَدْ اٰذَانَا عَلٰى مَابِنَا مِنَ الْاَذٰى؟ فَيَقُوْلُ: اِنَّ الْاَبْعَدَ كَانَ لَايُبَالِىْ اَيْنَ اَصَابَ الْبَوْلُ مِنْهُ ثُمَّ يُقَالُ لِلَّذِىْ يَسِيْلُ فُوْهُ قَيْحًا وَدَمًا، مَا بَالُ الْاَبْعَدِ قَدْ اٰذَانَا عَلٰى مَابِنَا مِنَ الْاَذٰى؟ فَيَقُوْل: اِنَّ الْاَبْعَدَ كَانَ يَنْظُرُ اِلٰى كَلِمَةٍ فَيَسْتَلِذُّهَا كَمَا يُسْتَلَذُّ الرَّفَثُ ثُمَّ يُقَالُ لِلَّذِىْ يَاكُلُ لَحْمَهٗ مَا بَالُ الْاَبْعَدِ قَدْ اٰذَانَا عَلٰى مَا بِنَا مِنَ الْاَذٰى؟ فَيَقُوْلُ: اِنَّ الْاَبْعَدَ كَانَ يَاكُلُ لُحُوْمَ النَّاسِ بِالْغِيْبَةِ وَيَمْشِىْ بِالنَّمِيْمَةِ۔

(رواہ ابن ابی الدنیا، والطبرانی، الترغیب والترہیب ۳/ ۳۲۹)

''چار قسم کے جہنمی اہل جہنم کے لیے اذیت پر اذیت کا باعث ہوں گے جو حمیم (کھولتے ہوئے پانی) اور جحیم (دہکتی ہوئی آگ) کے درمیان دوڑتے ہونگے، اور موت اور ہلاکت کا پکارتے ہونگے (جنہیں دیکھ کر) اہل جہنم آپس میں کہیں گے کہ ان پر کیا مصیبت آئی کہ یہ (اپنے ساتھ) ہمیں بھی مصیبت در مصیبت میں مبتلا کر رہے ہیں تو (ان چاروں میں (ایک وہ شخص ہوگا جو بیڑیوں میں بندھا ہوگا اور اس پر انگاروں کا صندوق رکھا ہوگا۔ دوسرا وہ آدمی ہوگا جو اپنی آنتیں گھسیٹا ہوگا اور تیسرے شخص کے منہ سے پیپ اور خون بہہ رہا ہوگا اور چوتھا شخص خود اپنا گوشت کھاتا ہوگا۔ پس صندوق والے سے پوچھا جائے گا کہ ابعد (اللہ کی رحمت سے دُوری) کا کیا ماجرا ہے جس نے ہمیں مصیبت پر مصیبت میں ڈال رکھا ہے؟ وہ جواب دے گا کہ یہ بدنصیب اس حال میں مرا کہ اس کی گردن پر لوگوں کے مالی حقوق تھے پھر آنتیں کھینچنے والے سے اسی طرح کا سول کیا جائے گا۔ وہ جواب دے گا کہ محروم القسمت

اس کی بالکل پروانہیں کرتا تھا کہ پیشاب اس کے بدن پر کہاں لگ رہا ہے۔اس کے بعد منہ سے پیپ اور خون نکالنے والے سے اہل جہنم اسی طرح کا سوال کریں گے تو وہ جواب میں کہے گا کہ یہ ازلی بدبخت جب کسی غلط بات کو دیکھتا تو اس سے اس طرح لطف اندوز ہوتا تھا جیسے بدکاری سے لطف حاصل کیا جاتا ہے اور آخر میں خود اپنا گوشت کھانے والے سے صورت حال معلوم کی جائے گی تو وہ کہے گا کہ یہ کمترین محروم القسمت (دنیا میں) پیٹھ پیچھے (غیبت کر کے) لوگوں کا گوشت کھایا کرتا تھا اور چغلی کھانے میں دلچسپی لیتا تھا) اللہ ہمیں ان رذائل سے محفوظ رکھے۔'' (آمین)۔

(۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا:

مَنْ اَكَلَ لَحْمَ اَخِيْهِ فِي الدُّنْيَا قُرِّبَ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: فَيُقَالُ لَه: كُلْهُ مَيِّتًا كَمَا اَكَلْتَه حَيًا فِيَاكُلُهُ وَيَكْلَحُ وَيَضِجُّ۔ (رواہ ابو یعلی، الترغیب والترہیب ۳/۳۹۲)

''جو شخص دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھائے (غیبت کرے) تو وہ گوشت قیامت کے دن اس کے قریب کیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ جیسے دنیا میں زندگی کی حالت میں (اپنے بھائی کا) گوشت کھایا تھا اب مردہ ہونے کی حالت میں اس کا گوشت کھا۔ پس وہ (مجبوراً) اسے کھائے گا اور منہ بنائے گا اور چیختا جائے گا۔'' نعوذ باللہ منہ۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر چلا گیا، تو بعد میں ایک دوسرے شخص نے اس جانے والے شخص کے متعلق کچھ غیبت والے کلمات کہہ دیئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ دانتوں میں خلال کرے۔اس نے جواب دیا: حضور میں نے گوشت کھایا بھی نہیں، کس واسطے خلال کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انك اكلت لحم اخيك۔ (الترغیب والترہیب ۳/۳۲۸)

''تو نے اپنے بھائی کا (غیبت کر کے) گوشت کھایا ہے۔''

(۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود اپنا واقعہ نقل فرماتی ہیں:

قُلْتُ لِامْرَاةٍ مَرَّةً وَاَنَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ اِنَّ هٰذِهٖ لَطَوِيْلَةُ الذَّيْلِ فَقَالَ الْفِظِيْ، الْفِظِيْ، فَلَفَظْتُ بُضْعَةً مِنْ لَحْمٍ۔ (رواہ ابن ابی الدنیا، الترغیب والترہیب ۳/۳۲۷)

''ایک مرتبہ جبکہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس تھی میں نے ایک عورت کے متعلق کہہ دیا کہ یہ تو لمبے دامن والی ہے تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے دومرتبہ فرمایا تھوکو، تھوکو، چنانچہ میں نے گوشت کا لوتھڑا تھوکا (یہ غیبت کے کلمہ کا اثر تھا)''

(۱۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک بدبودار ہوا کا جھونکا آیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَتَدْرُوْنَ مَاهٰذِهِ الرِّيْحُ؟ هٰذِهِ رِيْحُ الَّذِيْنَ يَغْتَابُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(رواه أحمد الترغيب والترهيب ۳/۳۳۱)

''کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیسی ہوا ہے؟ یہ ان لوگوں کی (بدبودار) ہوا ہے جو اہل ایمان کی غیبت کرتے ہیں۔''

ان روایات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شریعت میں غیبت کس قدر ناگوار صفت ہے جس سے اجتناب کرنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔

علماء کی غیبت

علماء اور اکابر ملت کی تحقیر و تذلیل کی غرض سے غیبت کا ارتکاب عام لوگوں کی غیبتوں کے مقابلہ میں زیادہ شدت اور قباحت رکھتا ہے وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں علماء کرام کی جماعت کا درجہ نہایت بلند ہے۔ اس لیے ان کی بے عزتی اور بے توقیری بھی اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ ناپسند ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ۔

(بخاری شریف ۲/۹۶۳ عن ابی ہریرہؓ)

''جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں۔''

اسی طرح مثل معروف ہے: ''لحوم العلماء مسمومة'' یعنی علماء کا گوشت نہایت زہریلا ہوتا ہے جو ان کی غیبت کرنے والوں کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ علماء اور اولیاء اللہ کی تحقیر و تذلیل ایسا جرم ہے جس کی سزا اللہ تعالیٰ نہ صرف آخرت میں بلکہ دُنیا میں بھی دیتا ہے جو لوگ اس بارے میں بے احتیاطی کرتے ہیں وہ قدرتی طور پر دنیا ہی میں ذلت و خواری اور تنگیوں میں مبتلا

کر دیئے جاتے ہیں اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے اور دانائی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے کو عذابِ خداوندی سے بچائے اور ''خاصانِ خدا'' کی برائی کر کے اپنے لیے تباہی کا سامان مہیا نہ کرے اور کسی ایسی مجلس میں نہ شریک ہو جس میں لوگوں کی غیبتیں کی جاتی ہوں۔

چغل خوری

چغل خوری بھی دراصل غیبت ہی کا ایک اعلیٰ درجہ ہے، جس کے معنی' فساد کی غرض سے [1] کسی شخص کے راز کو دوسرے کے سامنے ظاہر کرنے کے آتے ہیں' قرآن کریم میں متعدد جگہ چغل خوروں پر لعنت کی گئی ہے اور نبی اکرم ﷺ نے چغل خور کے بارے میں نہایت سخت وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں' مشہور حدیث ہے:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ۔ (مسلم شریف ۱/۷۰)

''چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔''

اسی طرح ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ زیادہ تر قبر کا عذاب چغل خوری اور پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے' (الترغیب والترہیب ۳/۳۲۳) اس لیے زبان کی حفاظت میں یہ بھی داخل ہے کہ ہم اسے چغلی کی گندگی میں ملوث ہونے سے محفوظ رکھیں۔

چغلی اور غیبت سنے تو کیا کرے؟

عام طور پر لوگوں کا یہ معمول ہے کہ اگر ان کے سامنے کسی شخص کی برائی کی جاتی ہے تو یا تو کہنے والے کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں' یا خاموش رہتے ہیں حالانکہ یہ طریقہ شریعت کے مطابق نہیں' نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من اغتیب عنده اخوهُ المُسلِم فَلَم یَنصُرهُ وَهُوَ یَستَطِیعُ نَصرَهٗ اَدرَكَه اثمُهُ فِی الدُّنیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (الترغیب والترهیب ۳/۳۳۴ عن انسؓ)

''جس شخص کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور وہ طاقت کے باوجود

---

[1] یہ قید اس لئے لگائی گئی کہ اگر کسی کے راز کے افشاء میں کوئی شرعی مصلحت ہو تو اس راز کو ظاہر کرنے میں حرج نہیں ہے' بلکہ بسا اوقات ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ (النووی علی مسلم ۱/۷۱)

(اس کا دفاع کر کے) اس بھائی کی مدد نہ کرے تو اس شخص کو (اپنے مسلمان بھائی کی طرف سے دفاع نہ کرنے کا) وبال دُنیا اور آخرت میں ہوگا۔''

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیبت سن کر خاموش رہنا بھی گناہ ہے۔ حتی الامکان اپنے مسلمان بھائی سے خوش گمان رہ کر اس کی طرف سے صفائی دینے کا اہتمام رکھنا چاہیے یہ اہتمام رکھنا نہایت باعث اجر و ثواب ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی وسعت کے مطابق مغتاب شخص کی طرف سے صفائی پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی مدد فرماتا ہے۔ (الترغیب ۳/۳۳۵)

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی غیبت یا چغلی سنے تو اسے چھ باتوں کا التزام کرنا چاہیے: ① چغل خور کی شکایت پر ہرگز یقین نہ کرے اس لیے کہ وہ خبر دینے والا شرعاً فاسق ہے۔ ② چغل خور کو اس کے غلط فعل پر متنبہ کرے اور اسے عار دلائے۔ ③ چغل خور کے فعل کو دل سے برا سمجھے اور اس بناء پر ناپسندیدگی کا اظہار کرے۔ ④ جس کی چغلی کی گئی ہے اس کی طرف سے بدگمان نہ ہو۔ ⑤ چغل خور نے جو بات پہنچائی ہے اس کی کھود کرید اور تحقیق اور تفتیش میں نہ پڑے۔ ⑥ چغل خور کے فعل کو کسی دوسرے سے بیان نہ کرے ورنہ خود چغلی کرنے والے کے درجہ میں آجائے گا۔ (احیاء العلوم ۳/۹۴)

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا معمول تھا کہ ان کے یہاں نہ تو کسی کی شکایت سنی جاتی تھی اور نہ وہ کسی سے بدگمان ہوتے تھے' اگر کوئی شخص کسی کی بات نقل کرتا تو سن کر اس کی تغلیط فرمادیتے' کہ تم غلط کہتے ہو وہ ایسا نہیں ہے۔ (معارف امدادیہ: ۴۳)

ایک مرتبہ تھانہ بھون کے زمانۂ قیام میں ایک شخص نے آکر کہا کہ فلاں شخص نے آپ کے بارے میں یہ نازیبا باتیں کہی ہیں۔ حضرت حاجی صاحب نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس نے تو میری پیٹھ پیچھے برائی کی تھی اور تو نے میرے منہ پر میری برائی کر دی اس لیے تو اس سے زیادہ برا ہوا۔ حضرت کے اس جواب کا یہ اثر ہوا کہ اسے پھر کبھی کسی کی شکایت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ (معارف امدادیہ: ۱۱۶)

کاش! اگر آج ہم بھی اس طریقہ کو اپنالیں تو بآسانی ہم اس عظیم گناہ سے اپنے کو بچا سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کا واقعی حق ادا کر سکتے ہیں۔

بعض بزرگوں کے اقوال وواقعات

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ عذابِ قبر کے تین حصے ہیں: ایک حصہ غیبت سے ہوتا ہے۔ ایک حصہ چغلی سے اور ایک حصہ پیشاب سے نہ بچنے سے۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کے دین میں غیبت کا اثر آکلہ بیماری سے زیادہ خطرناک صورت میں رونما ہوتا ہے جس طرح مرض آکلہ پورے بدن انسان کو گلا دیتا ہے اسی طرح مرض غیبت دین کو چٹ کر جاتا ہے۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی زین العابدینؒ کے سامنے کسی شخص کی غیبت کی، تو آپ نے فرمایا: خبردار! غیبت مت کرنا۔ یہ عمل ان لوگوں کی غذا ہے جو انسانوں کی صورت میں کتے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ میری غیبت کیا کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میری نظر میں تمہاری اتنی قدر نہیں ہے کہ مفت میں اپنی نیکیاں تمہارے حوالہ کر دوں۔

اسی طرح منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ کو خبر ملی کہ فلاں شخص نے ان کی غیبت کی ہے، تو آپ نے غیبت کرنے والے کے پاس کچھ تازہ کھجوریں بھیجیں اور کہلایا کہ تم نے اپنی نیکیوں میں سے کچھ حصہ مجھے ہدیہ کیا ہے تو میں اس احسان کے بدلے میں کھجوریں بھیج رہا ہوں، اگرچہ یہ تمہارے احسان کا پورا بدلہ نہیں ہے اس لیے معذور خیال فرمائیں۔

(از مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین ملخصاً)

مشہور صاحب معرفت بزرگ حضرت میمون بن سیارؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک حبشی کا مردہ جسم ہے، اور کوئی کہنے والا ان کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ اس کو کھاؤ! میں نے کہا کہ اے خدا کے بندے میں اس کو کیوں کھاؤں؟ تو اس شخص نے کہا کہ اس لیے کہ تو نے فلاں شخص کے حبشی زنگی غلام کی غیبت کی ہے۔ میں نے کہا، خدا کی قسم میں نے اس

کے متعلق کوئی اچھی بری بات کی ہی نہیں۔ تو اس شخص نے کہا کہ ہاں! لیکن تو نے اس کی غیبت سنی تو ہے اور تو اس پر راضی رہا۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد حضرت میمونؒ کا حال یہ ہو گیا تھا کہ نہ خود کبھی کسی کی غیبت کرتے اور نہ کسی کو اپنی مجلس میں غیبت کرنے دیتے۔

(تفسیر خازن، بیروت ۴/۱۷۱)

حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے فرمایا کہ: "الغیبة اشد من الزنا" (غیبت زنا سے بھی بڑھ کر ہے) میں غیبت کے شدید تر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زنا گناہ باہی (شہوت سے صادر ہونے والا) ہے اور غیبت گناہ جاہی (تکبر سے نکلنے والا) ہے۔ زنا کے صدور کے بعد نفس میں عاجزی پیدا ہوتی ہے کہ میں نے یہ خبیث اور گھناؤنا کام کیا (اور توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے) اور غیبت میں ابتلاء کے بعد آدمی کو ندامت تک نہیں ہوتی (اور وہ توبہ سے محروم رہتا ہے) اس بناء پر غیبت کو زنا سے بھی بدتر فرمایا گیا ہے۔ (معارف امدادیہ ۱۴۱)

ایک واقعہ

چغل خوری کے مفاسد بیان کرتے ہوئے امام غزالیؒ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص بازار میں غلام خریدنے گیا ایک غلام اسے پسند آ گیا۔ بائع نے کہا کہ اس غلام میں کوئی عیب نہیں ہے بس یہ ہے کہ اس میں چغلی کی عادت ہے، مشتری اس پر راضی ہو گیا اور غلام خرید کر گھر لے آیا۔ ابھی کچھ ہی دن گذرے تھے کہ غلام کی چغل خوری کی عادت نے یہ گل کھلایا کہ اس نے اس شخص کی بیوی سے جا کر تنہائی میں کہا کہ تمہارا شوہر تمہیں پسند نہیں کرتا اور اب اس کا ارادہ باندی رکھنے کے کا ہے۔ لہٰذا رات کو جب وہ سونے آئے تو استرے سے اس کے کچھ بال کاٹ کر مجھے دیدو تا کہ میں اس پر عمل سحر کرا کر تم دونوں میں دوبارہ محبت کا انتظام کر سکوں۔ بیوی اس پر تیار ہو گئی اور اس نے استرے کا انتظام کر لیا ادھر غلام نے اپنے آقا سے جا کر یوں بات بنائی کہ تمہاری بیوی نے کسی غیر مرد سے تعلقات قائم کر لئے ہیں اور اب وہ تمہیں راستہ سے ہٹا دینا چاہتی ہے اس لیے ہوشیار رہنا۔ رات کو جب بیوی کے پاس گیا تو دیکھا کہ بیوی استرہ لا رہی رہے وہ سمجھ گیا کہ غلام نے جو خبر دی تھی وہ سچی تھی۔ اس لیے قبل اس کے کہ بیوی کچھ کہے اس نے

اسی استرے سے بیوی کا کام تمام کر دیا جب بیوی کے گھر والوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے آ کر شوہر کو قتل کر دیا اس طرح اچھے خاصے خاندانوں میں خونریزی کی نوبت آ گئی۔

(احیاء العلوم ۳/ ۹۵)

الغرض غیبت اور چغلی ایسی بدترین بیماریاں ہیں، جن سے معاشرہ فساد کی آماجگاہ بن جاتا ہے، گھر گھر لڑائیاں ہوتی ہیں، دلوں میں کشیدگی اور نفرت جاگزیں ہوتی ہے، رشتہ داریاں ٹوٹ جاتی ہیں، خاندانوں میں آگ لگ جاتی ہے اور بنے بنائے گھر اجڑ جاتے ہیں، اور یہ سب فسادِ زبان کی بے احتیاطی اور اللہ تعالیٰ سے بے شرمی اور بے حیائی کی وجہ سے رونما ہوتا ہے۔ اسی لیے حدیث مذکور میں فرمایا گیا ہے کہ حیاء خداوندی کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اولاً سر اور اس کے متعلقہ اعضاء کی حفاظت کا اہتمام نہ کیا جائے اور ان اعضاء میں زبان کو ممتاز اور نازک حیثیت حاصل ہے، اس لیے ہمیں زبان کی حفاظت کا ہر ممکن خیال رکھنا چاہیے۔

چھٹی فصل:

گالم گلوچ اور فحش کلامی

زبان سے صادر ہونے والے بدترین گناہوں میں لعن طعن اور فحش کلامی کرنا داخل ہے۔ یہ بدزبانی کسی بھی صاحب ایمان کو ہرگز زیب نہیں دیتی۔ زبان کے ذریعہ ایذا رسانی کرنے والوں کو قرآنِ کریم میں سخت گناہ کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۔ (الاحزاب: ۵۸)

''اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کئے، تو اُٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا۔''

نبی اکرم ﷺ نے بہت سی احادیث مبارکہ میں گالم گلوچ، بدزبانی اور فحش کلامی کی سخت مذمت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کے بعض ارشاداتِ مبارکہ درج ذیل ہیں:

(۱) لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهٖ۔ (مسلم شریف ۱/۷۲)
مؤمن پر لعنت کرنا ایسا (ہی برا) ہے جیسے اس کو قتل کرنا۔

(۲) لا ينبغي لصديقٍ انْ يَكُوْنَ لَعَّانًا۔ (رياض الصالحين:۵۵۳)
کسی صدیق کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بہت لعنت کرنے والا ہو۔

(۳) لا يَكُوْن اللعَّانُوْن شُفَعَاء وَلا شُهَدَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رياض الصاحين ۵۵۳)
لعنت کرنے والے لوگ قیامت کے روز نہ تو سفاشی ہوں گے اور نہ گواہی دینے والے ہوں گے۔

(۴) لَا تَلاعَنُوا بِلَعنَةِ اللّٰهِ وَلَا بِغَضَبِهٖ وَلَا بِالنَّارِ۔ (مشكاة شريف ۲/۴۱۳)
''اللہ کی لعنت' اس کے غضب اور جہنم کے ذریعہ آپس میں لعن طعن مت کیا کرو۔''

(۵) سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ۔ (مسلم شريف ۱/۵۸)
''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔''

(۶) لَا يَكُوْنُ الْمُؤمِنُ لَعَّانًا۔ (مشكاة شريف ۲/۴۱۳)
''سچا مؤمن لعنت باز نہیں ہوتا۔''

(۷) لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ۔

(مشكاة شريف ۲/۴۱۳).
''مؤمن کامل لعن طعن کرنے والا اور فحش اور بے حیائی کرنے والا نہیں ہوتا۔''

(۸) إنَّ الْعَبْدَ إِذَا لَعَنَ شَيْئًا صَعِدَتِ اللَّعْنَةُ إِلَى السَّمَاءِ فَتُغْلَقُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ دُوْنَهَا ثُمَّ تَهْبِطُ إِلَى الْأَرْضِ فَتُغْلَقُ أَبْوَابُهَا دُوْنَهَا، ثُمَّ تَاخُذُ يَمِيْنًا وَشِمَالًا، فَإِذَا لَمْ تَجِدْ مَسَاغًا رَجَعَتْ إِلَى الَّذِیْ لُعِنَ فَإِنْ أَهْلًا رَجَعَتْ إِلَى الَّذِیْ لُعِنَ فَإِنْ كَانَ أَهْلًا لِذٰلِكَ وَإِلَّا رَجَعَتْ إِلٰى قَائِلِهَا۔

(راوہ أبو داود حديث ۴۹۰۵، رياض الصالحين ۵۵۳)
''جب کوئی شخص کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو اس کی لعنت آسمان کی طرف جاتی ہے وہاں اس کے لیے دروازے بند ہوتے ہیں پھر زمین کی طرف اترتی ہے تو اس کے دروازوں کو بھی بند

پاتی ہے پھر دائیں بائیں جانے کا راستہ ڈھونڈتی ہے اور جب کوئی راستہ نہیں پاتی تو جس پر لعنت کی گئی ہے' اس شخص کی طرف آتی ہے' اگر وہ لعنت کا مستحق ہے تو فبہا' ورنہ لعنت کرنے والے پر لوٹ جاتی ہے (یعنی لعنت کرنے والے کی لعنت خود اسی کے گلے پڑ جاتی ہے)۔''

(۹) اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔

(مسلم شریف ۴۸/۱' مشکاۃ شریف ۱۵/۱ عن ابی ھریرۃؓ)

''کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے عام مسلمان محفوظ رہیں (وہ کسی کو ہاتھ اور زبان سے تکلیف نہ دے)۔''

(۱۰) یہودی اپنی خباثت باطنی کی بناء پر جب جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو بجائے ''السلام علیکم'' کہنے کے ''السام علیکم'' کہا کرتے تھے جس کے معنی موت کے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں ''وعلیکم'' کہہ کر خاموش ہو جاتے جس کا مطلب یہ ہوتا کہ ان کی بددعاء اُنہی کے منہ پر ماردی جاتی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہودیوں کی حرکت پر سخت غصہ آتا اور وہ جواب کے ساتھ ساتھ ان پر لعنت بھیجتیں اور اللہ کے غضب کی بددعاء دیتی اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ نصیحت فرمائی:

مَهْلًا يَا عَائِشَةُ! عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ' وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفِ وَالْفُحْشِ۔ (بخاری شریف ۸۹۱/۲)

''عائشہ ٹھہرو! نرمی اختیار کرو' اور سختی اور بدکلامی سے بچتی رہو۔''

اس لیے کہ مقصود اس کے بغیر بھی حاصل ہے کیونکہ ان کی بددعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں قبول نہ ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا ان کے بارے میں قبول ہو جائے گی۔

(۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ سَبَّابًا وَّلَا فَاحِشًا وِّلَا لَعَّانًا كَانَ يَقُوْلُ لِاَحَدِنَا عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ: مَالَهٗ تَرِبَ جَبِيْنُهٗ۔ (بخاری شریف ۸۹۱/۲)

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گالیاں دینے والے' فحش کلامی کرنے والے اور لعنت کرنے والے نہ تھے (زبادہ سے زیادہ) ہم میں سے کسی پر عتاب ہوتا تو یہ فرماتے' اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔ اسے کیا ہوا۔''

(۱۲) ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے والدین کو گالی دینا گناہ کبیرہ

ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص خود اپنے والدین کو گالیاں دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نَعَمْ يَسُبُّ الرَّجُلُ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهٗ فَيَسُبُّ اُمَّهٗ۔

(مسلم شریف ۱/۶٤، بخاری : ۵۹۷۳، ابوداود : ۵۱٤۱، ترمذی : ۱۹۰۲)

''ہاں (یہ اس طرح ممکن ہے کہ) وہ شخص کسی کے باپ کو گالی دے پھر وہ شخص اس کے باپ کو گالی دے اسی طرح یہ کسی کی ماں کو گالی دے پھر اس کی ماں کو گالی دی جائے (اس طرح یہ گالی دینے والا خود اپنے والدین کو گالیاں دلوانے کا سبب بن گیا)۔''

(۱۳) حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ آنحضرت کی خدمت میں پہلی مرتبہ حاضر ہوئے۔ سلام کیا، تعارف ہوا۔ دولت اسلام سے مشرف ہوئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نصیحتوں پر عہد لینے کی درخواست کی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی نصیحتیں فرمائیں جن میں ایک اہم نصیحت یہ تھی:

''لَا تَسُبَّنَّ أَحَدًا'' (الترغیب والترہیب ۳/۳۱٤)

''تم ہرگز کسی کو گالی مت دینا۔''

حضرت جابر ابن سلیم رضی اللہ عنہ نے اس نصیحت کو اس قدر مضبوطی سے تھاما کہ پھر مرتے دم تک کسی انسان کو تو کیا کسی جاندار کو بھی گالی نہیں دی۔

(۱٤) ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کچھ لوگوں کو مچھروں نے کاٹ لیا، انہوں نے مچھروں کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا کہ:

لَا تَسُبُّوْهَا فَنِعْمَتِ الدَّابَّةُ فَإِنَّهَا أَيْقَظَتْكُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ۔

(الترغیب والترہیب ۳ / ۳۱۵)

''مچھر کو برا بھلا نہ کہو۔ وہ اچھا جانور ہے اس لیے کہ وہ تمہیں اللہ کی یاد کے لیے بیدار اور متنبہ کرتا ہے۔ (اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ کو لعنت کرنے سے بھی منع فرمایا ہے)۔''

ذرا اندازہ لگائیں جب جانوروں کو برا بھلا کہنے سے روکا گیا ہے تو انسانوں کو ایک دوسرے پر لعن طعن کی کیسے اجازت دی جا سکتی ہے؟

اپنی عزت اپنے ہاتھ

اس بدزبانی اور فحش کلامی سے انسان کا وقار خاک میں مل جاتا ہے خواہ آدمی کتنا ہی باصلاحیت اور اونچے عہدہ پر ہو لیکن بدزبانی کی وجہ سے وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ اس لیے اپنی عزت اور وقار کی حفاظت کے لیے بھی زبان پر کنٹرول کرنا اور اسے بدکلامی سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ آج جب ہم اپنے مسلم معاشرہ کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو یہ دیکھ کر سر شرم سے جھک جاتا ہے کہ ہمارے یہاں گالیاں لوگوں کے تکیہ کلام کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ نہایت فحش اور غلیظ کلمات زبانوں پر اس طرح چڑھے رہتے ہیں کہ ان کے نکلتے وقت ذرہ برابر ان کی قباحت کا احساس تک نہیں ہوتا اور یہ صرف بڑوں کا حال نہیں بلکہ سڑکوں پر کھیلتے کودتے بچے بھی گالیوں کے معاملہ میں اپنے مربیوں کے کان کاٹتے نظر آتے ہیں۔ یہ نہایت تکلیف دہ صورت حال ہے۔ ہمارا یہ فریضہ ہونا چاہیے کہ ہم خود اپنے کو اسلامی رنگ میں رنگیں اور زبان کی حفاظت کر کے اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کا ثبوت دیں تا کہ ہمیں معاشرہ میں باوقار مقام حاصل ہو سکے اور ہماری آنے والی نسلیں بھی باعزت طور پر زندگیاں گذار سکیں۔

خلاصہ یہ کہ ہماری زبان جھوٹ، غیبت، چغلی، فحش کلامی، لعن طعن اور ہر اس گناہ سے محفوظ رہنی چاہیے جن کا صدور زبان سے ممکن ہے۔ اسی صورت میں ہم ارشاد نبوی: ''فليحفظ الرأس وما وعى'' پر صحیح معنی میں عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

ساتویں فصل:

آنکھ کی حفاظت

شرعی طور پر سر کی حفاظت کا تیسرا اہم عنصر اپنی آنکھوں کو گناہوں سے محفوظ رکھنا ہے، آنکھوں کی ذرا سی بے احتیاطی انسان کو بڑے بڑے سنگین گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے آج جو دنیا میں فحاشی اور بے حیائی کا دور دورہ ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی بدنظری اور نظر کی بے احتیاطی ہے۔ شیطان انسان کے ہاتھ میں بدنظری کا ہتھیار دے کر پوری طرح مطمئن ہو چکا ہے۔ اب

اسے کسی بھی طاغوتی منصوبہ کو بروئے کار لانے میں زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔ یہ بدنظری خود بخود اس کی آرزوؤں کی خاطر خواہ تکمیل کر دیتی ہے نظر کی حفاظت میں کوتاہی بے شرمی کی بنیاد، فتنۂ وفساد کا مؤثر ذریعہ اور منکرات ومعاصی کا سب سے بڑا محرک ہے۔ تجربہ اور تحقیق سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آج کم از کم ۷۰ فیصد جرائم اور فحاشیاں محض اس بنیاد پر دنیا میں وقوع پذیر ہوتی ہیں کہ ان کی باقاعدہ تربیت سینما ہالوں، ٹی وی پروگراموں اور ویڈیو کیسٹوں کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ ان شیطانی آلات کے فروغ نے مکرم ومحترم رشتوں کی آنکھوں سے حیاء اور شرم کا پانی نیست ونابود کر دیا۔ باعزت گھرانوں کا معاشرتی وقار خاک میں مل گیا۔ اچھے اچھے دینداروں کی شرافت داغدار ہو گئی۔ اسی بدنظری کی پاداش میں بلند وبالا ورع وتقویٰ کے میناروں میں دراڑیں پڑ گئیں اور ذرا سی بداحتیاطی نے زندگی بھر کی نیک نامیوں پر بٹہ لگا دیا۔

اس بدترین گناہ کی سنگینی اور خطرناکی محسوس کرتے ہوئے اسلامی شریعت نے بدنظری کے ہر دروازہ کو بند کرنے پر نہایت زور دیا ہے۔ قرآن کریم کے احکامات اور احادیث طیبہ کی روشن ہدایات اس سلسلہ میں ہماری بھرپور رہنمائی کرتی ہیں۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ

(النور: ۳۰)

"آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے۔"

اسی طرح کی ہدایت مسلمان عورتوں کو بھی خصوصیت کے ساتھ دی گئی ہے اور انہیں پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اعضاء زینت کو فتنہ کے مواقع پر ظاہر نہ کریں۔ (سورۂ النور: ۳۱) نیز سورۂ احزاب کی آیات میں جو پردہ کے احکامات دیئے گئے ہیں وہ بھی بدنظری کے سدباب کے لیے احتیاطی تدابیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلامی شریعت نے ان تدابیر کو وجوب کا درجہ دے کر اپنی جامعیت اور صحیح معنی میں عملی مذہب ہونے کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسلام برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم رکھتا ہے اور اس کے لیے اسی انداز میں تدبیریں بھی کرتا ہے۔ آج کل کے نام نہاد مہذب سماج

کی طرح نہیں، کہ جو انسداد فحاشی کے لیے صرف کانفرنسوں، ریلیوں اور تجویزوں کا سہارا لیتا ہے اور خود سر سے پیر تک فحاشی کی غلاظتوں میں ملوث ہے۔ دنیا میں اسلام سے بڑھ کر کوئی مذہب بے حیائیوں پر روک لگانے والا نہیں ہے۔ قرآن وسنت میں فحاشی کی بنیاد (جہاں سے یہ بیماری کی جڑ پکڑتی ہے) یعنی آنکھ کی بے احتیاطی کو سختی سے قابو میں کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ ایسی بنیاد ہے کہ اگر صرف اس پر ہی قابو پالیا جائے تو ساری بے حیائیاں دنیا سے رخصت ہو سکتی ہیں۔

بعض احادیثِ شریفہ

یہی وجہ ہے کہ نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ ﷺ نے نظر کو شیطان کا زہریلا تیر قرار دیا ہے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيْسَ مَنْ تَرَكَهَا مِنْ مَخَافَتِي أَبْدَلْتُهُ إِيْمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِي قَلْبِهِ۔ (الترغیب والترهیب ۳/۲۳ عن عبداللہ بن مسعودؓ)

"نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے۔ جو اسے میرے خوف سے چھوڑ دے تو میں اس کے عوض اسے ایسا ایمان عطا کروں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔"

ایک دوسری حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے امت کو سختی سے متنبہ فرمایا:

لَتَغُضُّنَّ اَبْصَارَكُمْ وَلَتَحْفَظُنَّ فُرُوْجَكُمْ أَوْ لَيَكْسِفَنَّ اللّٰهُ وُجُوْهَكُمْ۔

(الترغیب والترهیب ۳/۲۵ عن أبی امامة)

"اپنی نظریں نیچی رکھو اور شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو بے نور بنا دے گا۔"

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اگر اچانک کسی (اجنبی) عورت پر نظر پڑ جائے تو کیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ فوراً وہاں سے نظریں ہٹالو۔

(مشکوٰۃ شریف ۲/۲۶۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی تھی کہ علی! ایک مرتبہ بلا ارادہ دیکھنے کے بعد دوسری مرتبہ (اجنبی عورت کو) دیکھنے کا ارادہ مت کرنا۔ اس لیے کہ پہلی (بلا ارادہ) نظر تو

معاف ہے مگر دوسری مرتبہ دیکھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۲۶۹)

حضرت حسن بصریؒ آنحضرت ﷺ سے مرسلاً روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس شخص پر جو قصداً (بلا عذر کسی کے ستر کو یا اجنبی عورت کو) دیکھنے والا ہوں اور وہ بھی ملعون ہے جسے (بلا عذر و اضطرار) دیکھا جائے۔ (مثلاً مرد ستر کھول کر گھومے یا عورت بے پردہ پھرے)۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۲۷۰)

ان پاک ارشادات سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شریعت کی نظر میں نگاہ کی حفاظت پر کس قدر زور دیا گیا ہے۔

پردہ کے احکامات

اسی بناء پر اسلامی فقہ میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ پردہ اور حجاب کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ تاکہ ان کو پیش نظر رکھ کر انسان ہر اعتبار سے اپنی نظر کو جہنم کا ایندھن بنانے سے محفوظ رکھ سکے۔ حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ''اصلاح الرسوم'' میں پردہ کے احکامات کا خلاصہ بیان فرمایا جس کی تلخیص درج ذیل ہے۔

- مرد کے لیے ناف سے گھٹنے کے نیچے تک مردوں اور عورتوں سے بدن چھپانا فرض ہے۔ سوائے اپنی بیوی کے کہ اس سے کوئی عضو چھپانا ضروری نہیں۔ گویا بلاضرورت اسے بھی بدن دکھانا خلافِ اولیٰ ہے۔
- عورت کو دوسری (مسلمان) عورت کے سامنے ناف سے گھٹنے تک بدن کھولنا جائز نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض عورتیں (خصوصاً دیہاتوں میں) دوسری عورتوں کے سامنے ننگی بیٹھ جاتی ہیں۔ یہ بالکل گناہ ہے۔
- عورت کو اپنے شرعی محرم کے سامنے ناف سے گھٹنے تک اور کمر اور پیٹ کھولنا حرام ہے۔ البتہ سر، چہرہ، بازو اور پنڈلی کھولنا گناہ نہیں ہے۔ گو بعض اعضاء کا بلاضرورت کھولنا مناسب بھی نہیں اور شرعی محرم وہ ہے جس سے عمر بھر کسی طرح نکاح صحیح ہونے کا احتمال نہ ہو۔ جیسے باپ، بیٹا، حقیقی بھائی، علاتی (باپ شریک) بھائی، اخیافی (ماں شریک) بھائی، ان بھائیوں کی اولادیں۔ اسی طرح انہی تینوں طرح کی بہنوں کی اولاد اور انہی جیسے رشتہ دار جن سے

ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے اور جس سے عمر میں کبھی بھی نکاح صحیح ہونے کا احتمال ہو وہ شرعاً محرم نہیں بلکہ نامحرم ہے۔ اور شریعت میں جو حکم محض اجنبی اور غیر آدمی کا ہے وہی حکم ان کا بھی ہے اگر چہ ان کے ساتھ قرابت کا رشتہ بھی ہو جیسے چچازاد پھوپھی زاد خالہ زاد اور ماموں زاد بھائی یا دیور یا بہنوئی یا نندوئی وغیرہ یہ سب نامحرم ہیں اور ان سے وہی پرہیز ہے جو نامحرموں سے ہوتا ہے بلکہ چونکہ ایسے موقعوں پر فتنہ کا واقع ہونا سہل ہے اس لیے اور زیادہ احتیاط کا حکم ہے۔

- جو شرعاً نامحرم ہو اس کے سامنے سر اور بازو اور پنڈلی وغیرہ بھی کھولنا حرام ہے اور اگر سخت مجبوری ہو مثلاً عورت کو ضروری کاروبار کے لیے گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہو یا کوئی رشتہ دار کثرت سے گھر میں آتا جاتا ہو اور گھر میں تنگی کی بناء پر ہر وقت پردہ نہیں رکھا جا سکتا صرف ایسی حالت میں جائز ہے کہ اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ کلائی کے جوڑ تک اور پیر ٹخنے کے نیچے تک کھولے رکھے۔ اس کے علاوہ اور کسی حصہ بدن کو کھولنا جائز نہ ہوگا۔ لہٰذا ایسی عورتوں پر لازم ہے کہ سر کو خوب ڈھانکیں۔ کرتہ بڑی آستین کا پہنیں۔ پاجامہ غرارہ دار نہ پہنیں۔ اور کلائی اور ٹخنے نہ کھلنے دیں۔
- جس عضو کو ظاہر کرنا جائز نہیں (جس کی تفصیل ابھی گذری) اس کو مطلقاً دیکھنا حرام ہے کہ شہوت بالکل نہ ہو۔ اور جس عضو کو دیکھنا اور اس پر نظر کرنا جائز ہے اس میں قید ہے کہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو اگر ذرا سا شک بھی ہو تو اس وقت دیکھنا حرام ہے۔ اب یہاں سمجھئے کہ بوڑھی عورت جس کی طرف اصلاً رغبت کا احتمال نہ ہو اس کا چہرہ تو دیکھنا جائز ہوگا مگر سر اور بازو وغیرہ دیکھنا جائز نہ ہوگا ایسی عورتیں گھروں میں اس کی احتیاط نہیں کرتیں اور اپنے نامحرم رشتہ داروں کے سامنے ننگے سر اور بے آستین کا کرتہ پہنے بیٹھی رہتی ہیں اور خود بھی گنہگار ہوتی ہیں اور مردوں کو بھی گنہگار کرتی ہیں۔
- جس عضو کا دیکھنا حرام ہے اگر علاج کی ضرورت سے اس کی طرف دیکھا جائے تو یہ جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ نظر اس جگہ سے آگے نہ بڑھائے۔
- نامحرم مرد کے ساتھ عورت کا تنہا مکان میں رہنا حرام ہے۔ اسی طرح اگر تنہائی نہ ہو بلکہ دوسری عورت موجود ہو مگر وہ بھی نامحرم ہو تب بھی مرد کا اس مکان میں ہونا جائز نہیں ہے۔

البتہ اگر اس عورت کا محرم یا شوہر یا اس مرد کی کوئی محرم یا بیوی بھی اس مکان میں ہو تو مضائقہ نہیں۔ (مگر فتنہ سے محفوظ ہونا یہاں بھی شرط ہے۔ از مرتب)

- نامحرم مرد و عورت میں باہم ہم کلامی بھی بلاضرورت ممنوع ہے اور ضرورت کے وقت بھی فضول باتیں نہ کرے، نہ ہنسے نہ مذاق کی کوئی بات کرے حتیٰ کہ لہجہ کو نرم بھی نہ کرے۔
- مرد کے گانے کی آواز عورت کو اور عورت کے گانے کی آواز مرد کو سننا ممنوع ہے۔
- حضرات فقہاء نے نوجوان نامحرم عورت کو سلام کرنے یا اس کا سلام لینے سے منع کیا ہے۔
- نامحرم عورت کا جوٹھا مرد کے لیے اور نامحرم مرد کا جوٹھا عورت کے لیے استعمال کرنا مکروہ ہے۔ جبکہ دل میں لذت پیدا ہونے کا احتمال ہو۔
- اگر نامحرم کا لباس وغیرہ دیکھ کر طبیعت میں میلان پیدا ہوتا ہو تو اس کا بھی دیکھنا حرام ہے۔
- ایسی نابالغ لڑکی جس کی طرف رغبت ہوتی ہو اس کا حکم بالغہ عورتوں کے مانند ہے۔
- جس طرح بری نیت سے نامحرم کی طرف نظر کرنا، اس کی آواز سننا، اس سے بولنا اور چھونا حرام ہے اسی طرح اس کا خیال دل میں جمانا اور اس سے لذت لینا بھی حرام ہے اور یہ قلب کا زنا ہے۔
- اسی نامحرم کا ذکر کرنا یا ذکر سننا یا فوٹو دیکھنا اس سے خط و کتابت کرنا غرض جس ذریعہ سے بھی خیالاتِ فاسدہ پیدا ہوتے ہوں وہ سب حرام ہیں۔
- جس طرح مرد کو اجازت نہیں کہ نامحرم عورت کو بلاضرورت دیکھے بھالے اسی طرح عورت کو بھی جائز نہیں کہ بلاضرورت نامحرم کو جھانکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی یہ عادت کہ تقریبات میں دولہا کو یا بارات کو جھانک جھانک کر دیکھتی ہیں، بری بات ہے۔
- ایسا باریک کپڑا پہننا جس میں بدن جھلکتا ہو وہ مثل ننگے ہونے کے ہے۔ احادیث میں اس کی مذمت آئی ہے۔
- مرد کو غیر عورت سے بدن دبوانا جائز نہیں ہے۔
- بجنے والا ایسا زیور جس کی آواز نامحرم تک جائے یا ایسی خوشبو جس کی مہک غیر محرم کے دماغ تک پہنچے استعمال کرنا عورتوں کو جائز نہیں۔ یہ بھی بے پردگی میں داخل ہے اور جو زیور خود نہ بجتا ہو مگر دوسری چیز سے لگ کر آواز دیتا ہو اس میں یہ احتیاط واجب ہے کہ

پاؤں زمین پر آہستہ رکھے تا کہ افشاء نہ ہو۔

- چھوٹی بچی کو بھی بجنے والا زیور نہ پہنایا جائے۔
- نامحرم پیر کے سامنے بھی بے پردہ ہونا حرام ہے۔
- امرد یعنی بے داڑھی والا (خوبصورت اور پرکشش) لڑکا بھی بعض احکام میں اجنبی عورت کے مانند ہے۔ یعنی اندیشہ شہوت کے وقت اس کی طرف نظر کرنا' اس سے مصافحہ یا معانقہ کرنا' اس کے پاس تنہائی میں بیٹھنا' اس سے گانا سننا' یا اس کے سامنے گانا سننا' اس سے بدن دبوانا' یا اس سے بہت پیار اور اخلاص سے باتیں کرنا یہ سب حرام ہے۔
- سفر میں اگر کوئی مرد محرم (یا شوہر) ساتھ نہ ہو تو عورت کو سفر کرنا حرام ہے۔
- بعضے لوگ جوان لڑکیوں (یا قریب البلوغ بچیوں) کو نابینا یا بینا مردوں سے بے پردہ پڑھواتے ہیں' یہ بالکل خلافِ شریعت ہے۔ (ملخص از اصلاح الرسوم/ ۵۵ تا ۵۷ بتغیر الفاظ)

سب مسائل قرآن وحدیث کی واضح نصوص سے مستنبط ہیں' اور اصلاح الرسوم میں حاشیہ پر ان کے فقہی حوالے بھی درج ہیں' ان میں سے ہر ہر مسئلہ کو پڑھ کر ہمیں سوچنا چاہیے کہ آج ہمارے گھرانے میں ان پر کتنا عمل ہوتا ہے اور کتنا خلاف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت پر کامل طور پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

باریک اور چست لباس بھی ممنوع ہے

پردہ کے احکامات میں یہ بھی ہے کہ مرد و عورت ایسا لباس نہ پہنا کریں جس سے اعضاء مستورہ کی ہیئت بجائے چھپنے کے اور ابھر کر آجائے۔ آنحضرت ﷺ نے جہنم میں جانے والی بعض عورتوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔

(مسلم شریف ۲/ ۲۰۵)

اور اس جملہ کی تفسیر میں شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ اس سے یا تو ایسا لباس مراد ہے جو پوری طرح ساتر نہ ہو اور یا ایسا باریک لباس مراد ہے جو بدن کی رنگت (اور ہیئت) کو نہ چھپا سکے۔ (نووی علی مسلم ۲/ ۲۰۵) طبرانی میں مشہور صحابی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

"إن الرجل ليلبس وهو عار يعني الثياب الرقاق۔"

(اللباس و الزينة من السنة المطهرة: ۵۸۰)

''آدمی ایسا لباس پہنتا ہے جسے پہننے کے باوجود وہ بے لباس رہتا ہے (یعنی باریک کپڑے جو ساتر نہ ہوں)۔''

آج کل نئے فیشن میں یہ دونوں باتیں کثرت سے رائج ہوگئی ہیں۔ یا تو ایسے باریک لباس پہنے جاتے ہیں جن سے بدن پوری طرح جھلکتا ہے' یا پھر ایسے چست لباس استعمال کئے جاتے ہیں جو بدن کی ہیئت ابھار دیتے ہیں۔ یہ طرزِ لباس مرد وعورت دونوں کے لیے باعث شرم اور طبعی غیرت کے خلاف ہے۔ جب سے جینز (کسی ہوئی پینٹ) اور ٹی شرٹ کا بیہودہ فیشن چلا ہے یہ بے غیرتی بالکل عام ہوگئی ہے۔ نوجوان لڑکیاں اور لڑکے بر سرِ عام اس بے حیا لباس کو پہن کر بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مگر ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا۔ جبکہ اللہ سے شرم کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم خود ان بے حیائیوں سے بچیں اور اپنے گھر والوں کو بھی ان سے بچانے کی کوشش کریں۔

تنہائی میں بھی بلا ضرورت ستر نہ کھولیں

اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا تقاضا یہ ہے کہ ہم تنہائی کی حالت میں بھی حتی الامکان اپنے ستر کو چھپانے کا اہتمام کریں۔

(۱) حضرت بہز بن حکیم اپنے دادا کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! ہم اپنا ستر کس سے چھپائیں؟ اور کس سے نہ چھپائیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیوی اور باندی کے علاوہ سب سے چھپاؤ''۔ پھر ان صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر ہمارے ساتھ دوسرے لوگ بھی رہتے ہوں تو کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جہاں تک ممکن ہو کوشش کرو کہ تمہارے ستر پر کسی کی نظر نہ پڑ سکے''۔ پھر انہوں نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! اگر ہم تنہا ہوں تو کیا کریں؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ یُّسْتَحْیٰ مِنْہُ مِنَ النَّاسِ۔ (شعب الایمان ۶/۱۵۱)

''تو لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ اس کا مستحق ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔''

امام بیہقی اس جملہ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ''اس بات سے شرم کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ستر پر نظر کرتے ہوئے نہ دیکھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی شئے' کسی جگہ بھی مخفی نہیں ہے۔ اس اعتبار سے گویا کہ ستر پوشی کو چھوڑ دینا اللہ کے سامنے بے حیائی ہے اور ستر کا اہتمام رکھنا ہی حیا ہے۔ (شعب الایمان ۱۵۱/۶)

(۲) سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ تقریر کے دوران یہ نصیحت فرمائی:

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنِّيْ لَاَظَلُّ حِيْنَ اَذْهَبُ اِلَى الْغَائِطِ فِي الْفَضَاءِ مُتَقَنِّعًا بِثَوْبِيْ اِسْتِحْيَاءً مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔

(شعب الایمان ٦/١٤٢)

''اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے شرم کیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے' میں جب قضاء حاجت کے لیے صحراء میں جاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ سے شرم کی وجہ سے اپنے کپڑے لپیٹ کر جاتا ہوں (یعنی حتی الامکان ستر پوشی کا اہتمام کرتا ہوں)۔''

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سوتے وقت (لنگی کے نیچے) نیکر پہن کر لیٹتے تھے کہ کہیں سونے کی حالت میں ان کا ستر نہ کھل جائے۔

(شعب الایمان ۱۵۴/۶)

(۴) اسی طرح ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ ہدایت فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سَتِيْرٌ، فَاِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يَغْتَسِلَ فَلْيَتَوَارَ بِشَيْءٍ۔

(شعب الایمان ٦/١٦١)

''اللہ تعالیٰ حیا کرنے والا اور ستر پوشی کو پسند کرنے والا ہے اس لیے جب تم میں سے کوئی غسل کا ارادہ کرے تو کسی چیز سے آڑ کرلے۔''

یہ ہدایات ہم سب کے لیے لائق توجہ ہیں۔ آج کل عموماً تنہائیوں میں ستر کا اہتمام نہیں رہتا' حتیٰ کہ گھروں کے باہر سڑکوں پر لگے ہوتے نلوں اور پانی کی ٹینکیوں پر بڑی بڑی عمر کے لوگ ستر کا اہتمام کئے بغیر غسل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نیز نہروں اور دریا کے ساحلوں پر تو اس

طرح بے حیائیوں کے مناظر بکثرت دیکھنے کو ملتے ہیں، تو غور فرمایا جائے کہ جب ہماری شریعت تنہائی میں بھی ضرورت سے زائد ستر کھولنے سے منع کرتی ہے تو بھلا عوامی جگہوں پر اس بے حیائی اور بے غیرتی کے مظاہرہ کی کہاں اجازت ہو سکتی؟

میاں بیوی بھی ستر کا خیال رکھیں

اسلامی تعلیم یہ ہے کہ زوجین بھی آپس میں بالکل بے شرم نہ ہو جایا کریں بلکہ حتی الامکان ستر کا خیال رکھا کریں چنانچہ ایک مرسل روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اکرم کا یہ مبارک ارشاد نقل فرماتے ہیں:

إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ فَلْيَسْتَتِرْ وَلَا يَتَجَرَّدَانِ تَجَرُّدَ الْعِيْرَيْنِ۔

(شعب الایمان ۶/۱۶۳)

''جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے تو حتی الامکان ستر پوشی کرے اور جانوروں کی طرح بالکل ننگے نہ ہو جایا کریں۔''

معلوم ہوا کہ حیا کا تقاضا یہ ہے کہ میاں بیوی بھی ایک دوسرے کے ستر کو نہ دیکھیں۔ سیدنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پوری زندگی نہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر دیکھا، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا دیکھا۔ اس لیے کہ ہمیں اس بات کا خاص لحاظ رکھ کر شرم و حیا کا ثبوت دینا چاہیے والدین کے اعمال و اخلاق کا اولاد پر بہت اثر پڑتا ہے۔ اگر ہم شرم و حیا کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوں گے تو ہماری اولاد بھی انہیں صفات و خصائل کی حامل ہوگی۔ اور اگر ہم شرم و حیا کا خیال نہ رکھیں گے تو اولاد میں بھی اسی طرح کے خراب جراثیم سرایت کر جائیں گے۔ آج ٹیلی ویژن کے پردے پر ننگے اور انسانیت سے گرے ہوئے مناظر دیکھ کر ہمارے معاشرے میں ان کی نقل اُتارنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کا بالکل لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے کہ ہمارا رب اور ہمارا خالق و مالک تنہائیوں میں بھی ہمارے اعمال سے پوری طرح واقف ہے وہ اس بدترین حالت میں ہمیں دیکھے گا تو اسے کس قدر ناگوار گزرے گا۔ اس لیے اللہ سے شرم کرنی ضروری ہے۔ یہ شرم کا جذبہ ہی ہمیں ایسی بری باتوں سے بچا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں ستر پوشی میں لاپرواہی کا ایک اور نقصان حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ

سے آدمی پر بھول اور نسیان کا غلبہ ہو جاتا ہے اور ضروری باتیں بھی اسے یاد نہیں رہتیں علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بھول کا مرض پیدا کرنے والی چیزوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنی شرم گاہ سے کھیل کرے اور اس کی طرف دیکھے۔ (شامی ۱/۲۲۵' کتاب الطہارۃ مطلب ست توث النسیان)

بہر حال نظر سے صادر ہونے والی نامناسب باتوں میں سے اپنے ستر پر بلا ضرورت نظر کرنا بھی ہے جس سے نظر کو محفوظ رکھنا چاہیے۔

میاں بیوی اپنا راز بیان نہ کریں

اسی طرح یہ بھی بڑی بے شرمی اور بے غیرتی کی بات ہے کہ میاں بیوی اپنے راز کو اپنے دوستوں اور سہیلیوں سے بیان کریں۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الرَّجُلُ يُفْضِيْ اِلَى امْرَاَتِهٖ وَتُفْضِيْ اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا۔

(رواه مسلم ١/٤٦٤ عن ابی سعيد الخدری و أبو داؤد وغيرهما' الترغيب والترهيب ٣/٦١)

"قیامت کے روز اللہ کی نظر میں لوگوں میں سب سے بدترین مرتبہ پر وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی کے پاس جائے اور اس کی بیوی اس کے پاس آئے پھر ان میں سے ایک ساتھی کا راز (کسی دوسرے کے سامنے) فاش کر دے۔"

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں دوسرے مردوں اور عورتوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ممکن ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کے ساتھ کئے جانے والے فعل کو بیان کرتا ہو اور کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ کئے جانے والے کام کی دوسروں کو خبر دیتی ہو۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر اور لوگ تو خاموش رہے، مگر میں نے عرض کیا کہ جی ہاں اے اللہ کے رسول! مرد بھی ایسا کرتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَلَا تَفْعَلُوْا، فَاِنَّمَا مَثَلُ ذٰلِكَ مَثَلُ شَيْطَانٍ لَقِيَ شَيْطَانَةً فَغَشِيَهَا وَالنَّاسُ يَنْظُرُوْنَ۔

(رواه أحمد الترغيب والترهيب ٣/٦١)

"تو ایسا نہ کیا کرو، اس لیے کہ یہ کام ایسا ہی ہے جیسے کوئی شیطان (برسر عام) کسی چڑیل سے

جماع کرے اور لوگ اسے دیکھ رہے ہوں۔"

اسلام بے حیائیوں کی باتیں پھیلانے سے روکتا ہے۔ زوجین کا اپنا راز عام لوگوں میں بیان کرنا بدترین قسم کی بے حیائی ہے اور اللہ ربّ العزت سے شرم وحیا کے قطعاً خلاف ہے۔ اس لیے ہمیں اس بدترین فعل سے بھی احتراز کرنا چاہیے' بالخصوص نو بیاہتے جوڑے اس ہدایت کا خیال رکھیں۔ اس لیے بگڑے ہوئے معاشرہ میں زیادہ تر انہیں ہی اپنے راز بیان کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہو گیا کہ یہ بیان کرنا اور بیان پر مجبور کرنا سب بدترین گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین۔

دوسرے کے گھر میں تانک جھانک

آنکھ کے ذریعہ کئے جانے والے گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کسی دوسرے شخص کے گھر جائے اور اندر جانے کی اجازت لینے سے پہلے دروازے یا کھڑکی کے سوراخوں سے اندر جھانکنے لگے۔ یا دروازہ اگر کھلا ہوا ہو تو سیدھا دروازے کے سامنے جا کر کھڑا ہو جائے۔ اس لیے کہ داخلے کی اجازت سے پہلے دیکھ لینے سے اجازت و استیذان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

① ایک مرتبہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لائے اور دروازے کے بالکل سامنے آ کر اجازت مانگنے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک کنارے کھڑے ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اے سعد (آڑ میں) کھڑے ہو کر اجازت لیا کرو۔ اس لیے کہ اصل میں اجازت کا حکم تو نظر ہی کی وجہ سے ہے۔

(شعب الایمان ۶/۴۴۳ حدیث ۸۸۲۵)

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح تانک جھانک کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک شخص ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ کے سوراخ میں جھانکنے لگا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں سینگ تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر کو کھجا رہے تھے' آپ نے (اس شخص کی حرکت کو دیکھ کر) فرمایا:

لَوْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْتَظِرُوْنِیْ لَطَعَنْتُ بِهٖ فِیْ عَیْنِكَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِذْنُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ۔

[بخاری: ۵۹۲۴، ۶۲۴۱، ۶۹۰۱، ترمذی: ۲۷۰۹، نسائی: ۴۸۷۴]

''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو دیکھ رہا ہے تو میں یہی (باریک سینگ) تیری آنکھ میں چبھو دیتا۔ کیونکہ اجازت لینے کا حکم تو اسی وجہ سے ہے کہ (دوسرے کی) نظر۔ بے حفاظت رہے۔''

اور ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کے گھر میں بلا اجازت نظر ڈالے تو گھر والوں کے لیے اس کی آنکھ پھوڑ دینا جائز ہے۔ (مسلم شریف ۲/۲۱۲)

۳ سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

مَنْ مَلَا عَيْنَيْهِ مِنْ قَاعَةِ بَيْتٍ قَبْلَ اَنْ يُّؤْذَنَ لَهٗ فَقَدْ فَسَقَ۔ (شعب الایمان ۶/۴۴۴)

''جس شخص نے داخلے کی اجازت سے پہلے گھر کا صحن آنکھ بھر کر دیکھا اس نے گناہ اور فسق کا کام کیا۔''

اس لیے اللہ سے شرم وحیا کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی نگاہوں کو اس بدعملی سے محفوظ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیے۔ آمین۔

آٹھویں فصل:

کان کی حفاظت

اللہ تبارک وتعالیٰ سے شرم وحیا کا ایک اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان اپنے کانوں کو غلط آواز سے سننے سے محفوظ رکھے۔ ان غلط آوازوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بدترین آواز گانے بجانے کی آواز ہے۔ قرآن کریم میں اسے ''شیطان کی آواز' بیکار بات' لہو ولعب کی چیز'' قرار دیا گیا ہے قرآن کریم کی درج ذیل تین آیات سے گانے کا ممنوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

۱ اللہ تعالیٰ شیطان کو جواب دیتے ہوئے بطور تنبیہ فرماتا ہے:

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ...... (بنی اسرائیل: ۶۴)

''اور گھبرا لے تو ان میں جس کو تو گھبرا سکے اپنی آواز سے۔''

یہاں بعض مفسرین نے آواز سے باجا گانا مراد لیا ہے:

(نقله القرطبی عن مجاهد والضحاك (٥/١٦٩)

(۲) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ (لقمان:٦)

''اور ایک وہ لوگ ہیں جو خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے تاکہ بچلائیں (گمراہ کریں) اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں اس کو ہنسی، وہ جو ہیں ان کو ذلت کا عذاب ہے''۔

اس آیت میں کھیل کی باتوں سے وہ سب چیزیں مراد ہیں جو اللہ کی یاد سے ہٹانے والی ہوں مثلاً فضول قصہ گوئی، ہنسی مذاق کی باتیں، واہیات مشغلے اور گانے بجانے وغیرہ۔ روایات میں آتا ہے کہ نضر بن حارث جو مکہ کا ایک سردار تھا وہ گانے بجانے والی باندیوں کو خرید لاتا اور اس سے گانے سنوا کر لوگوں کو قرآن سے روکتا تھا۔ (قرطبی ۷/۴۹)

(۳) وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ ۔ (النجم: ٦٠-٦١)

''اور ہنستے ہو، روتے نہیں اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو۔''

اس آیت میں کھلاڑیاں کرنے سے مراد بعض مفسرین نے گانا بجانا لیا ہے۔

(حاشیۃ الجمل ۴/ ۲۴۰، تفسیر ابو المسعودؒ، ۸/۱۶۶)

احادیثِ شریفہ میں گانے کی حرمت

اس طرح احادیث طیبہ میں بھی گانے بجانے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

(۱) ایک حدیث میں ارشاد ہے:

صوتان ملعونان فی الدنیا والآخرة مزمار عند نعمة ورنة عند مصيبة۔

(الترغيب والترهيب ٤/ ١٨٤)

''دو آوازیں دنیا اور آخرت میں قابل لعنت ہیں، ایک خوشی کے وقت میوزک کی آواز، دوسرے مصیبت کے وقت بین کرنے کی آواز''۔

(۲) من جلس إلی قینة یسمع منها صب فی اذنه الآنك یوم القیامة۔

(قرطبی ۷/۵۰ پ ۲۱، ومثله فی حاشیه ابی داؤد ۲/۶۷۴)

"جو شخص اپنی باندی سے بیٹھ کر گانا سنے اس کے کانوں میں قیامت کے دن سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا"۔

(۳) آنحضرت ﷺ نے ایک طویل حدیث میں وہ علامات بیان فرمائی ہیں جن کے پائے جانے کے وقت امت مسلمہ عذاب سے دوچار ہوگی انہی میں سے ایک علامت یہ ہے:

وظهرت القینات و المعازف۔ (ترمذی ۲/۴۵ عن علی قرطبی ۷/۵۰)

"اور گانے والی باندیاں اور گانے بجانے کے آلات عام ہو جائیں گے"۔

(۴) ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور پاک ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتی ہیں:

من مات وعنده جاریة مغنیة فلا تصلوا علیه۔ (قرطبی ۷/۵۱)

"جس کا انتقال ہو جائے اور اس کے پاس کوئی گانے بجانے والی باندی ہو تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھو"

اس روایت سے آنحضرت ﷺ کی نظر میں گانے کی ناپسندیدگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۵) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الغناء ینبت النفاق کما ینبت الماء الزرع وفی روایة ینبت النفاق فی القلب۔

(مشکاۃ شریف ۲/۴۱۱، شعب الایمان ۴/۲۷۹ حدیث ۵۱۰۰ عن جابرؓ)

"گانا بجانا دِل میں نفاق کو ایسے اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اُگاتا ہے۔"

(۶) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیشر بن اناس من امتی الخمر یسمونها بغیر اسمها ویضرب علیٰ رؤوسهم المعازف یخسف الله بهم الارض ویجعل منهم قردة وخنازیر۔

(شعب الایمان ۴/۲۸۲ حدیث: ۵۱۱۴)

"میری امت کے کچھ لوگ شراب ضرور پئیں گے مگر اس کو دوسری چیز کا نام دیں گے اور ان کے سروں پر گانے بجانے کے آلات بجائے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور انہی میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دے گا"۔

گانا بجانا علماء وفقہاء کی نظر میں

یہ احادیث گانے بجانے کی حرمت پر صراحۃً دال ہیں۔ اسی بناء پر امت کے اکابر علماء گنانے بجانے کی حرمت پر متفق رہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گانے والا اور جس کے لیے گایا جائے دونوں ملعون ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں ہیں کہ گانا بجانا' زنا کا جنتر منتر ہے۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر میں جارہے تھے تو انہوں نے مزمار (گانے بجانے کے آلہ) کی آواز سنی تو اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور اس جگہ سے دور ہٹ گئے تاکہ آواز نہ سن سکیں اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب ایسی آواز سنتے تھے تو یہی عمل فرمایا کرتے تھے۔ (شعب الایمان ۴/۲۸۳)

صاحب درمختار علامہ حصکفی' فتاویٰ بزازیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"استماع صوت الملاهی کضرب قصب ونحوه حرام لقوله علیه الصلوة والسلام: استماع الملاهی معصیة' والجلوس علیها فسق' والتلذذ بها کفر أی بالنعمة' فضرف الجوارح إلی غیر ماخلق لاجله کفر بالنعمة لاشکر' قالواجب کل الواجب ان یجتنب کی لا یسمع لما روی انه علیه الصلوة والسلام ادخل اصبعه فی اذنه عند سماعه۔" (درمختار مع الشامی کراچی ۳۴۹/۶ قبیل فصل فی اللبس)

"لہو ولعب والی چیزوں کی آواز سننا مثلاً بین اور ہارمونیم وغیرہ حرام ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لہو ولعب کی چیزیں سننا گناہ ہے اور ایسی مجلس میں بیٹھنا فسق ہے اور ان سے لذت حاصل کرنا کفران نعمت ہے۔ اس لیے کہ اعضاء و جوارح کو ان کاموں میں لگانا جن کے لیے ان کی پیدائش نہیں ہوئی ہے۔ (یعنی معصیت کے کاموں میں لگانا) شکر نہیں بلکہ نعمت خداوندی کی ناشکری ہے' لہٰذا واجب سے بڑھ کر واجب ہے کہ ایسی آوازیں سننے سے اجتناب کیا جائے جیسا کہ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سننے کے وقت اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں"۔

شریعت اسلامی نے جس شدت سے مسلمانوں کو گانے بجانے میں انہماک سے روکا ہے۔ افسوس ہے کہ آج اسی کثرت کے ساتھ اس عظیم معصیت میں ابتلاء عام ہو گیا ہے۔ اب دَر و دیوار

سے گانے بجانے کی آوازیں آتی ہیں۔کام کرنے والے کاریگر گانوں کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ بغیر اس آواز کے ان کا دِل ہی کام میں نہیں لگتا۔گھروں سے قرآن کریم کی آوازوں کے بجائے دن رات میوزک اور ڈیک کی آوازیں سنائی دیتی ہیں اور پھر اس پر بس نہیں کہ آدمی خود ہی سن کر گنہگار ہو بلکہ تیز ترین آواز میں اسے بجا کر سارے محلّہ والوں کو گنہگار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔آج ہمارے نوجوانوں کے لیے سب سے زیادہ پسندیدہ چیز ٹیپ ریکارڈ اور گانے بجانے اور فلم کی اسٹوریوں کے کیسٹ ہیں جنہیں دن رات بجا کر اوقات ضائع اور اخلاق وعادات کو تباہ کیا جاتا ہے۔"فحاشیوں کا پٹارا" ٹیلی ویژن، وی، سی، آر اور کیبل، ٹی وی کے وسائل عام ہو گئے ہیں اور ان کے ذریعہ ہمارے کان گناہوں میں پوری طرح ملوث ہو چکے ہیں۔

مروّجہ قوالی بھی حرام ہے

اس سے آگے بڑھ کر شیطان نے قوالی کی شکل میں اس حرام کام کو جائز کرنے کا بہانہ بھی گھڑ لیا ہے۔آج قوالیاں، میوزک کی تھاپوں پر گائی جاتیں ہیں اور طبلوں اور ہارمونیم کے ساز پر قوال اشعار پڑھتے ہیں۔یہ اشعار خواہ کتنے ہی صحیح اور حقیقت پر مبنی ہی کیوں نہ ہوں، میوزک اور آلات موسیقی کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے ان کی حرمت اور ممانعت میں کوئی تخفیف نہیں ہو سکتی۔ میوزک بہر حال حرام ہے۔فقہ حنفی کے مشہور عالم علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ:

وما يفعله متصوفة زماننا حرام لايجوز القصد والجلوس إليه۔

(شامی ٦/٤٩ قبيل فصل في اللبس

"اور جو ہمارے زمانہ کے صوفی لوگ (قوالیاں گاتے اور وجد) کرتے ہیں وہ حرام ہے ایسی مجلسوں میں جانا اور شریک ہونا بھی جائز نہیں ہے"

مگر افسوس ہے کہ آج قوالیوں کو عین عبادت سمجھ کر اسے جعلی اور بناوٹی روحانیت کے حصول کا ذریعہ بنایا جانے لگا اور پہلے تو یہ قوالیاں عموماً عرس اور مزارات تک محدود تھیں۔مگر جب سے نئے الیکٹرانک آلات، ٹیپ ریکارڈ اور گراموفون وغیرہ ایجاد ہوئے ہیں ان چیزوں کا بہت عموم ہو گیا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ عام گانوں کے مقابلہ میں مذہبی اشعار کی قوالیاں اور زیادہ خطرناک ہیں۔ اسلئے کہ ان میں اللہ اور رسول کا نام میوزک کے ساتھ لیا جاتا ہے جو اللہ اور اسکے رسول کے احکامات

کے ساتھ بھونڈے مذاق کا مظاہرہ کرنے کے مرادف ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص نعوذ باللہ قرآن کریم اور احادیث طیبہ کو میوزک پڑھنے لگے۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی مسلمان اسے ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کا تقاضا اور غیرت اسلامی کا مقتضی یہ ہے کہ ہم ناجائز آوازوں کے ساتھ اللہ اور اس کے مقدس رسول کا نام لینا بھی ہرگز پسند نہ کریں۔

رمضان کی بے حرمتی

ان قوالیوں کا سب سے زیادہ بیدردی کا استعمال ماہ رمضان المبارک میں ہوتا ہے۔ رمضان کی وہ مبارک اور روحانی ساعتیں جن میں ایک فریضہ کا ثواب ستر گنا تک زیادہ ہوجاتا ہے۔ ان میں قوالیوں اور گانوں کا سننا اور سنانا سخت گناہ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بڑے شہروں میں رمضان المبارک راتوں میں ہوٹلوں اور دکانوں پر پوری پوری رات قوالیوں کی ریکارڈنگ ہوتی رہتی ہے اور آواز اتنی بلند ہوتی ہے کہ محلّہ والوں کا عبادت کرنا بھی دوبھر ہوجاتا ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کی توہین کے ساتھ ساتھ رمضان المبارک کی بھی توہین اور ناقدری ہے۔

بہرحال ہماری یہ کوتاہی قابل اصلاح ہے۔ مگر ہمیں اللہ سے ڈر ہے اور آخرت میں دربارِ خداوندی میں جوابدہی کا خوف ہے تو ہمیں ان برائیوں سے بچنا چاہیے اور اپنے کانوں کو ہر بری بات سننے سے بچانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دوسروں کی راز کی باتیں سننا

کان سے کیے جانے والے گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی دوسروں کی راز کی باتوں کو سننے کی کوشش میں لگا رہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

مَنِ اسْتَمَعَ اِلٰی حَدِیْثِ قَوْمٍ وَھُم لَهٗ کَارِھُوْنَ صُبَّ فِیْ اُذُنِهِ الْآنُكُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔

(بخاری شریف ۲/۱۰۴۲ عن ابن عباسؓ)

"جو شخص لوگوں کی ایسی باتیں غور سے سنے جن باتوں کو وہ دوسروں کو سنانا ناپسند سمجھتے ہیں تو اس کے کانوں میں قیامت کے روز پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔"

نیز قرآن کریم میں بھی تجسس (جاسوسی) سے منع فرمایا گیا ہے اور ایک حدیث میں ارشاد

نبوی ہے:

إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ أَوْ كِدْتَ أَنْ تُفْسِدَهُمْ۔

(ابو داؤد شریف ۲/۶۷۰)

"اگر تم لوگوں کے پوشیدہ عیوب وغیرہ کے درپے ہو گے تو تم انہیں فساد میں مبتلا کر دو گے یا فساد کے قریب تک پہنچا دو گے"۔

ایک عبرتناک واقعہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد القرطبی نے "الجامع لاحکام القرآن" میں عمرو بن دینار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں رہنے والے ایک شخص کی بہن کا انتقال ہو گیا۔ اتفاق سے تدفین کے وقت اس شخص کی ایک تھیلی جس میں دینار بھرے ہوئے تھے، قبر میں رہ گئی۔ چنانچہ اس نے قبر کھودی تو کیا دیکھتا ہے کہ پوری قبر آگ کے شعلوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس نے جا کر اپنی والدہ سے پوچھا کہ میری بہن کی عملی زندگی کیسی تھی؟ والدہ نے بتایا کہ ایک تو نماز کو اپنے وقت سے ٹال دیتی تھی یعنی قضا کر دیتی تھی، دوسرے یہ کہ جب رات کو پڑوسی اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے تو یہ اٹھ کر ان کے دروازوں پر کان لگا لیتی اور ان کے رازوں کو حاصل کر لیتی تھی تو اس شخص نے اپنا چشم دید واقعہ ذکر کیا اور کہا کہ اس کی انہی بدعملیوں کا وبال ہے۔ اَللّٰھم احفظنا منہ۔

(قرطبی ۸/۳۰۲)

ان حقائق کی روشنی میں ہمیں اپنے کردار کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ آج ہر آدمی دوسرے کی ٹوہ میں لگا ہوا ہے کہ کیا چیز لائق تنقید ملے اور ہم بات کو بتنگڑ بنائیں۔ اپنے عیوب سے لاپرواہی اور دوسرے کے معائب کی کھود کرید ہی فساد اور بدگمانیوں کی بنیاد ہے۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ تجسس میں رہنے والا آدمی کبھی بھی چین سے نہیں رہ سکتا۔ ہمیشہ ذہنی کوفت اور اُلجھن میں مبتلا رہے گا۔ اِس کے برخلاف جو شخص اپنے کام سے کام رکھے اور دوسروں کے معاملات میں زیادہ نہ پڑے اس کی زندگی نہایت سکون سے گذرے گی۔ شریعت کی یہ ہدایتیں ہمارے لیے دنیوی اور اُخروی فلاح کی ضامن ہیں۔ اس لیے زندگی کے ہر موڑ پر ہمیں ان کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کو واقعی شرم وحیا کا ثبوت دینا چاہیے۔

نویں فصل:

ڈاڑھی منڈانا بھی بے شرمی ہے

سر کی حفاظت کا ایک عنصر یہ بھی ہے کہ سر اور چہرے کی تراش اور خراش شریعت کی بتائی ہوئی ہدایات کے عین مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت دو الگ الگ صنفیں بنائیں ہیں اور ان میں جہاں اعضاء کی ساخت میں فرق رکھا ہے وہیں ان کے درمیان امتیاز کی ایک واضح علامت داڑھی کو قرار دیا ہے۔ قدرتی طور پر مردوں کے چہرے پر داڑھی نکلتی ہے اور عورتوں کے نہیں نکلتی۔ یہ ایسا واضح فرق ہے جس سے پہلی ہی نظر میں مرد و عورت میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ اب جو شخص داڑھی منڈاتا ہے وہ مرد ہونے کے باوجود عورتوں سے مشابہت اختیار کرتا ہے اور اس طرح کی مشابہت پر احادیث میں سخت لعنت وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَلِ۔

(البخاری ۲/۸۷۴ حدیث: ۵۸۸۵ عن ابی عباسؓ، اللباس والزینة ۴۳۹)

''آنحضرت ﷺ نے عورتوں سے مشابہت کرنے والے مردوں اور مردوں سے تشبیہ کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے''۔

لہٰذا جو شخص بھی شرم و حیاء رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ اپنے کو عورتوں کے تشبہ سے بچا کر واقعی اللہ تعالیٰ سے شرم و حیاء کا ثبوت دے اور اپنے سر اور اس سے متعلق اعضاء کو جہنم کی آگ سے بچانے کا انتظام کرے۔

داڑھی نہ رکھنے میں ایک تو عورتوں کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ ایک مسلمان مرد کے لیے یہی خرابی کیا کم تھی کہ مزید اس پر آنحضرتؐ نے داڑھی نہ رکھنے کو مشرکین اور مجوسیوں کی علامت قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو تاکید کے ساتھ داڑھی رکھ کر انکی مخالفت کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ، وَفِّرُوا اللُّحٰى وَاَحْفُوا الشَّوَارِبَ۔

(بخاری شریف ۲/۸۷۵ عن ابن عمرؓ)

''مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھوں کو خوب کترواؤ''۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَاَرْخُوا اللِّحٰی خَالِفُوا الْمَجُوْسَ۔

(رواہ مسلم ۱ / ۱۲۹، زاد المعاد ۱/۱۷۹)

''مونچھیں کترواؤ اور داڑھیاں چھوڑو، مجوسیوں کی مخالفت کرو''۔

نیز ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ دربارِ نبوت میں بادشاہ کسریٰ کے دو قاصد حاضر ہوئے۔ دونوں کی داڑھیاں منڈھی ہوئی تھیں اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، انہیں اس صورت میں دیکھ کر آنحضرتؐ کو سخت ناگواری ہوئی، فرمایا: تمہارا برا ہو، آخر تمہیں کس نے ایسی صورت بنانے کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے آقا یعنی کسریٰ نے۔ اس پر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

لٰكِنَّ رَبِّی اَمَرَنِی بِاِعْفَاءِ لِحْيَتِیْ وَقَصِّ شَوَارِبِیْ۔ (البدایہ والنہایہ ۳/۲۶۹)

''لیکن میرے ربّ نے مجھ کو داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کترنے کا حکم دیا ہے''

تو معلوم ہوا کہ داڑھیاں منڈانا دراصل مشرکین اور آتش پرستوں کا شیوہ ہے اور داڑھیاں رکھنا اہل ایمان کا شعار ہے اور اس کا شمار ان سنتوں میں ہوتا ہے جو پہلے انبیاء علیہم السلام سے بھی ثابت ہیں اور جنہیں فطرت کہا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتی ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ قَالَ زَكَرِيَّا قَالَ مُصْعَبٌ وَّنَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةَ زَادَ قُتَيْبَةُ قَالَ وَكِيْعٌ اِنْتِقَاصُ الْمَاءِ يَعْنِی الْاِسْتِنْجَاءَ۔

[ابو داود: ۵۳، ۲۷۵۷، نسائی: ۵۰۵۵، ۵۰۵۶، ۵۰۵۷، ابن ماجہ: ۲۹۳ مسلم شریف ۱/۱۲۹]

''دس باتیں فطرت میں سے ہیں...... جن میں مونچھیں کترنا اور داڑھی بڑھانا شامل ہے...... ''

ان وجوہات کی وجہ سے داڑھی رکھنے کو واجب اور داڑھی منڈانے کو حرام کہا جاتا ہے اس میں یہ کہہ کر تخفیف نہیں کی جاسکتی کہ یہ تو ''محض ایک سنت ہے کریں تو اچھا ہے نہ کریں تو گناہ نہیں'' جیسا کہ عام لوگ کہہ دیتے ہیں اس لیے کہ اولاً کسی سنت کی اس طرح تحقیر خود تقاضائے محبت نبویؐ کے برخلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ اسے سنت زائدہ کے درجہ میں رکھنا غلط ہے۔ اگر یہ محض سنت

زائد ہوتی تو آنحضرت ؐ اسکے خلاف کرنے پر ناگواری کا اظہار نہ فرماتے اور نہ اسکی اس قدر تاکید کی جاتی اسی وجہ سے تمام ہی فقہاء کے نزدیک داڑھی منڈانا اور ایک مشت سے کم ہونے کی صورت میں اسے کتروانا حرام قرار دیا گیا ہے جس کی تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں۔

لمحہ فکریہ

ایک طرف تو داڑھی کی یہ شرعی حیثیت ہے دوسری جانب امت کی اکثریت کا عمل آج اس کے بالکل برخلاف ہے۔ داڑھی منڈانے کی وبا ایسی عام ہوگئی کہ اب ذہن سے اس کے ناجائز ہونے کا تصور ہی محو ہو گیا بلکہ اگر کسی کو بتایا جائے اور سمجھانے کی کوشش کی جائے تو غلطی تسلیم کرنے کے بجائے لچر اور رکیک قسم کے اعذار پیش کرنے لگتا ہے اور ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کا مصداق بن جاتا ہے۔

افسوس ہے کہ دیگر قومیں جن کا دامن تصور آخرت سے خالی ہے وہ تو اپنے شعار کا حد درجہ اہتمام کریں اور ہر سطح پر اپنی الگ شناخت بنانے کی کوشش کریں اور مسلمان جو دنیا میں تمام انسانیت کی فلاح و بہبود کا ضامن اور آخرت میں کامیابی کا پروانہ لے کر آیا ہے وہ اپنی شناخت بنانے کے بجائے دوسری قوموں کی علامتوں میں ضم ہو کر اپنا وجود ہی کالعدم کرنے پر تیار ہو۔ یہ صورتحال افسوسناک ہی نہیں بلکہ مستقبل کے لیے تشویشناک بھی ہے۔ آج ہندوستان میں نظر ڈال کر دیکھئے۔ پورے ملک میں سکھ قوم کے افراد کی تعداد صرف دو کروڑ ہے۔ لیکن یہ لوگ اپنے شعائر اور شناخت کے مضبوطی سے پابند ہیں کہ سینکڑوں افراد میں اگر ایک بھی سکھ ہوگا تو اپنی پگڑی، داڑھی اور کرپان کے ذریعہ دور ہی سے پہچانا جائے گا۔ اس قوم کا فرد خواہ اسمبلی یا پارلیمینٹ میں جائے حتیٰ کہ صدر جمہوریہ کیوں نہ ہو جائے۔ اسی طرح فوجی ملازمت میں رہے یا شہری کمپنیوں میں رہے، ہر حال میں اپنی قومی شناخت کو سینے سے لگائے رکھتا ہے۔ جبکہ مسلمان جو ملک میں کم و بیش بیس کروڑ کی تعداد میں آباد ہیں۔ ان کے لباس تراش وخراش کسی چیز میں بھی عام طور پر ایسی شناخت باقی نہیں رہ گئی جو انہیں دوسروں سے ممتاز کردے۔ سفر کے دوران مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز دشوار ہے۔ اسی غفلت اور لاپروائی بلکہ مرعوبیت کی وجہ سے آج مسلمانوں کی آواز کمزور ہے اور وہ متحد ہو کر اپنی بات منوانے کی حیثیت میں نہیں ہیں۔ یہ ہدایت نبویؐ سے دوری کا ہی نتیجہ ہے

اور اس کا علاج صرف یہی ہے کہ ہم اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیں اور ماحول سے متاثر ہوئے بغیر پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ ہماری زندگی کی ڈگر اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کے تقاضوں کے مطابق ہے یا ان کے برخلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق سے نوازے۔ آمین۔

سر پر انگریزی بال

سر کے بالوں کے بارے میں بھی شرعی ہدایات واضح طور پر موجود ہیں۔ جن کا لحاظ رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ آنحضرتؐ عام طور پر سر مبارک پر پٹھے بال رکھتے تھے جو اکثر کان کی لو تک رہتے اور کبھی اس سے نیچے تک بھی ہو جاتے تھے اور حج وعمرہ کے موقع پر آپؐ کا سارے بالوں کو منڈانا بھی ثابت ہے۔ آپؐ کے طرزِ عمل سے اتنی بات ثابت ہوئی کہ بال رکھے جائیں تو سب رکھے جائیں اور کاٹے جائیں تو سب برابر کاٹے جائیں' یہ نہ ہو کہ کہیں سے تو منڈا لیا اور کہیں سے چھوڑ دیا۔ چنانچہ آپؐ نے "قزع" (یعنی بال کہیں سے مونڈ دینا اور کہیں سے چھوڑ دینا) سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری شریف باب القزع ۲/ ۸۷۷)

علماء نے اسی حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ بیک وقت بال چھوٹے بڑے رکھنا جائز نہیں ہے' جیسا کہ آج کل انگریزی بال رکھے جاتے ہیں کہ پیچھے سے چھوٹے کر کے آگے کے حصہ میں بڑے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ تو اس طریقہ میں ایک تو "قزع" جیسی خرابی پائی جاتی ہے اور دوسرے اس میں غیر قوموں سے مشابہت بھی ہے جس پر آنحضرتؐ نے ان الفاظ میں وعید فرمائی ہے کہ:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ۔ (مشکاۃ شریف ۲/ ۳۷۵)

"جو شخص کسی قسم سے مشابہت کرے وہ انہی میں شمار ہے۔"

مگر افسوس کہ یہی غیر قوموں کا طریقہ آج ہمیں سب سے زیادہ پسند ہے۔ شاید گنتی کے دو چار فیصد لوگ ہوں گے جو بالوں کے بارے میں شرعی ہدایات پر کاربند ہیں۔ ورنہ اب تو بس انگریزی بالوں کا چلن ہے' ٹوپیاں غائب ہیں اور سروں پر انگریزیت چھائی ہوئی ہے۔ بچوں سے لے کر نوجوانوں حتیٰ کہ بڑے بوڑھے لوگ بھی چھوٹے بڑے بے ہنگم بال رکھنے کے شوقین

نظر آتے ہیں اور اتباعِ سنت کا خیال تک دِل میں نہیں آتا۔

عورتوں کے بال

شریعت میں سر کے بالوں کو عورت کی زینت قرار دیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ وہ سر کے بالوں کو نہ منڈائے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ تَحْلِقَ الْمَرْأَةُ رَأْسَهَا۔ (نسائی شریف ۲/۲۷۵)

''آنحضرت ﷺ نے عورت کو اپنا سر منڈانے سے منع فرمایا ہے''۔

اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں لکھا ہے کہ:

قطعت شعر رأسها اثمت والعنت، وان بإذن الزوج، لانه لاطاعة لمَخلُوق فِي معصِية الخَالق۔ (درمختار ۶/۴۰۷)

''عورت نے اپنے سر کے بال کاٹ لیے تو گنہگار اور ملعون ہوئی، اگرچہ شوہر کی اجازت سے ایسا کرے۔ اس لیے کہ خالق (اللہ تعالیٰ) کی نافرمانی والے کام میں کسی مخلوق کی اطاعت روا نہیں ہے۔

عورتوں کے لیے بال کاٹنے کی ممانعت کی بنیاد یہ ہے کہ اس عمل کی وجہ سے عورت مردوں سے تشبہ کرنے والی بن جاتی ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ آج کے دور میں عورتوں میں جو بال کاٹنے کا رواج ہو گیا ہے یہ شریعت اسلامی کی رو سے قطعاً ناجائز ہے، جس طرح مرد کے لیے داڑھی کاٹنا حرام ہے اسی طرح عورتوں کے لیے سر کے بال مردوں کی طرح کاٹنا حرام ہے اور اسے چاہے دنیا بے شرمی نہ کہے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظر میں یہ حرکت بہرحال بے شرمی اور بے حیائی میں داخل ہے اس سے بہرحال بچنا ضروری ہے اور گھر والوں کو بھی بچانا چاہیے۔

باب دوم:

پیٹ کی حفاظت

- آمدنی کے حرام ذرائع
- سود، جوا، سٹہ
- غصب، رشوت خوری
- مدارس کی رقوم میں احتیاط
- شرم گاہ کی حفاظت
- ہم جنسی کی لعنت

پہلی فصل:

مالِ حرام سے اجتناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کی دوسری جامع علامت یہ بیان فرمائی کہ:
"ولیحفظ البطن وما حوی" یعنی "آدمی اپنے پیٹ اور اس میں جمع کردہ چیزوں کی حفاظت کرے" اس ہدایت کا اولین منشا حرام کمائی سے اجتناب واحتیاط ہے۔ ساتھ میں ان اعضاء و جوارح کی غلط کاریوں سے حفاظت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے جو پیٹ سے متعلق ہیں۔ مثلاً شرم گاہ، ہاتھ پیر اور دِل کو برائیوں سے بچانا۔ یہ سب باتیں قابل لحاظ ہیں اور ان کی رعایت رکھے بغیر اللہ تبارک وتعالیٰ سے شرم وحیا کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔

قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں جا بجا حلال مال اختیار کرنے کی تاکید اور حرام سے اجتناب نہ کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی اور قرآن وسنت میں واضح ہدایات دی گئی ہیں کہ آدمی حرام ذرائع سے مال جمع نہ کرے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ (البقرہ: ۱۸۸)

"اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک، کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کرکے (ناحق) اور تم کو معلوم ہے"۔

ایک جگہ یتیموں کا مال ناحق کھانے پر اس طرح نکیر فرمائی گئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۔ (النساء: ۱۰)

"جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب داخل ہوں گے آگ میں"۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

مِنۡکُمۡ۔ (النساء: ۲۹)

''اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق' مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے''۔

''یہی حکم ہر حرام مال کا ہے۔ جو مال بھی شریعت کی رعایت رکھے بغیر حاصل کیا جائے گا وہ موجب عذاب ہوگا اور اس کا استعمال کرنے والا اللہ کی رحمت سے دُور ہو جائے گا''۔

ارشاداتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن الله طيب لايقبل إلّا طيّباً و إن الله امَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ﴾

(المؤمنون: ۵۱)

''اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے اور وہ پاکیزہ مال کے علاوہ کوئی اور مال (اپنے دربار میں) قبول نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے (پاکیزہ چیزیں استعمال کرنے کے بارے میں) مؤمنین کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے رسولو! کھاؤ عمدہ پاکیزہ چیزوں میں سے اور کام کرو نیک' بیشک میں تمہارے کام سے واقف ہوں''۔

وَقَالَ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ (البقرة ۱۷۲) **ثُمَّ ذكر: الرَّجُل يطِيْل السَّفَر أشعث اغبرَّ يَمُد يَدَيْه إلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ و مَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وغُذِیَ بالْحَرَام فَانِی يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ۔**

(رواه مسلم ۱/۳۲۶' الترغيب و الترهيب ۲/۳۳۳' مشكوة شريف ۱/۲٤۱)

''اور (ایمان والوں سے فرمایا) اے ایمان والو! ہماری عطا کردہ پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا ذکر فرمایا جو (مثلاً لمبے سفر کے دوران غبار آلود اور پراگندہ بال ہونے کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دُعا مانگے کہ اے میرے ربّ! اے میرے ربّ! لیکن اس کا کھانا پینا اور لباس حرام ہو اور اس کی حرام سے پرورش ہوئی ہو تو کہاں اس کی دعا قبول ہو سکتی ہے؟

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگرچہ انسان کی ظاہری حالت قابل رحم کیوں نہ ہو لیکن حرام مال میں ملوث ہونے کی وجہ سے وہ شخص اللہ کے رحم وکرم اور نظر کرم سے محروم کردیا جاتا ہے اور اس کی دُعا قابل قبول نہیں ہوتی۔

② حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

مَنِ اشتَرٰی ثَوْبًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيْهِ دِرْهَم من حَرَامٍ لَمْ يقبَلِ اللّٰه عَزَّوَجَلَّ له صَلٰوة مَا دَامَ عَلَيْهِ۔ (رواه أحمد الترغيب والترهيب ٢/٣٤٦)

''جس شخص نے ایک کپڑا دس درہم کا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کی ملاوٹ ہو تو جب تک وہ کپڑا اُس کے بدن پر رہے گا اللہ رب العزت اس کی کوئی نماز قبول نہ فرمائے گا''۔

③ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِه اِنَّ الْعَبدَ ليقْذِفُ الْحَرَامَ فِی جَوْفِه مَا يُتَقبَّلُ مِنْهُ عَمَلُ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا، وَأَيُّمَا عَبْدٌ نَبَتَ لَحْمُهٗ مِن سُحْت فَالنَّار أَوْلٰی بِه۔

(رواه الطبرانی فی الصغير، الترغيب والترهيب ٦/٢٤٥)

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ آدمی اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے جس کی وجہ سے چالیس روز تک اس کا کوئی عمل اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوتا اور جس شخص کا گوشت پوست حرام سے پروان چڑھا ہو تو اس کیلئے تو جہنم ہی مناسب ہے''۔

④ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَاتدخُل الجَنَّة جَسَد غُذِی بِحَرَام۔

(رواه ابو يعلی والبزار...... ، الترغيب والترهيب ٢/٣٤٩)

''ایسا بدن جنت میں نہیں جائے گا جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہو''۔

⑤ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا:

لَاتَغْبِطَنَّ جَامع المَال مِنْ غَيْرِ حِلِّه فَإِنَّهٗ إِنْ تَصَدَّق بِه لَمْ يُقْبَلُ مِنْهُ وَمَا بَقِیَ كَانَ زَادُه إِلَی النَّار۔ (رواه الحاكم، الترغيب والترهيب ٢/٣٤٨)

''تم حرام مال جمع کرنے والے پر رشک نہ کرو اس لیے کہ اگر وہ اس مال سے صدقہ کرے گا

تو وہ قبول نہ ہوگا بقیہ مال بھی اسے جہنم تک لے جانے کا توشہ بن جائے گا''۔

⑥ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَأَنْ يَجْعَلَ أَحَدُكُم فِي فِيهِ تُرَابًا خَيْرٌ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ فِي فِيهِ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔

(شعب الایمان ۵/۵۷)

''تم میں سے کوئی آدمی اپنے منہ میں مٹی بھرلے یہ اپنے منہ میں حرام داخل کرنے سے بہتر ہے۔''

⑦ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جنت میں داخل کرنے والے اعمال زیادہ تر کون سے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ اور حسن اخلاق۔ پھر پوچھا گیا کہ جہنم تک لے جانے والے اعمال کون سے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الاجُوفَان: الْفرجُ والفَم۔(شعب الایمان ۵/۵۵)

''دو درمیانی اعضاء منہ (جس سے حرام چیز پیٹ تک پہنچتی ہے) اور شرمگاہ''۔

یعنی زیادہ تر لوگ حرام کمائی اور ناجائز شہوت رانی کے ذریعہ جہنم کے مستحق ہوں گے۔ **اعاذنا اللہ منہ۔**

ان روایات سے یہ معلوم ہوگیا کہ حرام مال کا استعمال شریعت کی نظر میں سخت ناپسندہ ہے اور آخرت میں بدترین عذاب کا موجب ہے۔

مالِ طیب کے ثمرات

اِس کے برخلاف ورع وتقویٰ اور مشتبہ اور حرام مال سے اجتناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی روشنی میں کامیابی اور مادی وروحانی کامیابی کا ذریعہ ہے۔

چنانچہ احادیث طیبہ میں حلال مال کے اہتمام پر دنیا اور آخرت میں شاندار نتائج سامنے آنے کے وعدے مذکور ہیں۔ مثلاً:

① ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! میرے لیے دعا فرما دیجیے کہ میں مستجاب الدعوات ہو جاؤں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یاسَعد: اطبُ مطعَمَكَ تکُن مُستَجابَ الدَّعوَة۔ (الترغیب ۲/۳۴۵)

''اے سعد! اپنا کھانا طیب کرلو تم مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے۔''

② ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ خوشخبری سنائی!

مَن اکلَ طَیِّباً وعَمِلَ فِی سُنَّۃ وَ اَمِنَ النَّاسُ بوَائِقَه دَخل الجَنَّة۔

(شعب الایمان ۵/۵۴، الترغیب ۲/۳۴۵ عن أبی سعید الخدری)

''جو شخص مال طیب کھائے اور سنت پر عمل کرے اور لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں تو وہ جنت میں جائے گا''۔

③ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَربَعٌ إِذَا كُنَّ فِيكَ فَلَا عَلَيكَ مَا فَاتَكَ الدُّنيَا، حِفظُ أَمَانَةٍ، وَصِدقُ حَدِيثٍ وَحُسنُ خَلِيقَةٍ وَعِفَّةٌ فِي طُعمَةٍ۔ (الترغیب ۲/۳۴۵)

''اگر تیرے اندر چار باتیں موجود ہوں تو تجھے دنیا کے (مال و دولت وغیرہ) کے فوت ہونے کا کوئی افسوس نہ ہونا چاہیے: ① امانت کی حفاظت، ② سچائی، ③ اخلاقِ حسنہ، ④ اور کھانے میں حرام سے پرہیز''۔

یعنی یہ چار خصلتیں جس کو نصیب ہو جائیں اسے اتنی بڑی عظیم دولت ہاتھ آ گئی کہ اس کے مقابلہ میں ساری کائنات کی دولت و ثروت بیکار ہے۔

④ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو الدہناء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارا گذر ایک دیہاتی شخص پر ہوا، اس نے بتایا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ ان میں سے ایک نصیحت خاص طور پر مجھے یاد رہ گئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا:

إِنَّكَ لَا تَدَعُ شَيئاً اِتقَاءَ اللهِ إِلَّا اَعطَاكَ اللهُ خَيراً مِنهُ۔ (شعب الایمان ۵/۵۳)

''تم جو چیز اللہ کے شر سے چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر عطا فرمائے گا''۔

یعنی آج بظاہر تقویٰ پر عمل کرنے میں دنیوی نقصان نظر آتا ہے۔ لیکن اگر ہمارا یقین پختہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھنی چاہیے کہ وہ ہمیں اس تقویٰ کے عوض ہمارا مقصود اس طرح پورا کرائے گا کہ جہاں سے ہمیں مقصد کے حصول کا وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔

تاجروں کو خوشخبری

دُنیا میں مال کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ تجارت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ذریعہ تحصیل مال کو سب سے زیادہ صاف ستھرا بنانے کی ترغیب دی ہے' اللہ کے نزدیک اس تاجر کا مرتبہ بہت بلند ہے جو امانت اور سچائی کا خیال رکھ کر حلال روزی کمانے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ۔

(ترمذی ۱/۲۲۹ عن ابی سعید الخدری)

"سچے امانتدار تاجر کا حشر (قیامت میں) حضرات انبیاء علیہم السلام' صدیقین' شہداء اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا"۔

معلوم ہوا کہ تاجر کا سب سے بڑا اعزاز اس کا سچا اور امانت دار ہونا ہے۔ یہ سچائی اور امانت اسے دنیا میں بھی نیک نام بناتی ہے اور آخرت میں بھی سرخروئی سے سرفراز کرے گی۔ تاجر حضرات کو چاہیے کہ وہ اپنی کمائی خالص حلال بنانے کے لیے ہر قسم کے جھوٹ' فریب اور بددیانتی سے بچتے رہیں۔ اسی میں نجات ہے۔

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں' نجات تین باتوں میں ہے: (۱) پاک غذا' (۲) کامل پرہیزگاری' (۳) سیدھا راستہ۔ (شعب الایمان ۵/۶۰)

حضرت جندبؓ نے وصیت فرمائی کہ: قبر میں سب سے پہلے انسان کا پیٹ سڑے گا۔ اس لیے جو شخص بھی قدرت رکھے وہ سوائے پاکیزہ غذا کے اور کوئی استعمال نہ کرے"۔

(شعب الایمان ۵/۵۴)

مشہور بزرگ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں: جو شخص اپنی روزی پر نظر رکھے یعنی حرام سے اجتناب کرتا رہے تو بغیر کسی دعویٰ کے وہ "زهد فی الدین" کی صفت سے نوازا جاتا ہے"۔ (شعب الایمان ۵/۶۳)

اس کے برخلاف کاروبار میں حرام کی آمیزش اور سچائی اور دیانت میں کوتاہی کاروبار میں بے برکتی کا بڑا سبب ہے۔ معاملات میں شرعی حدود کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے بڑی بڑی

عبادتوں کا ثواب غارت ہو جاتا ہے اور انسان کی ساری محنت رائیگاں چلی جاتی ہے۔

یوسف بن اسباطؒ فرماتے ہیں: ''جب کوئی جوان عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے کہ دیکھو اس جوان کی غذا کیا ہے۔ اگر اس کی غذا حرام ہوتی ہے تو کہتا ہے بس اسے اپنے ہی حال پر چھوڑ دو۔ یہ محنت کرتا رہے گا اور تھکتا رہے گا اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکے گا''۔ (شعب الایمان ۵/۶۰)

حرام سے بچنے کا جذبہ کیسے پیدا ہو؟

مال و دولت کی ہوس ایسی چیز ہے جو انسان کو بہر صورت مال بٹورنے پر آمادہ کرتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مال کی بھوک مرنے تک نہیں مٹتی اور مالدار کا جیسے جیسے مال بڑھتا ہے ویسے ویسے مزید مال کی خواہش بھی بڑھتی جاتی ہے اور اس خواہش کی تکمیل میں پھر وہ حرام اور حلال کی تمیز نہیں کرتا۔ بلکہ صرف روپیہ کے دور وپیہ بنانے کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْأُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔

(رواه البخاری ۱/۲۷۶_۲۷۹)

''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ وہ جو مال لے رہا ہے وہ حلال ہے یا حرام''۔

آج بلاشبہ وہ زمانہ آچکا ہے اور ہر طرف اسی لاپرواہی کا دور دورہ ہے اور جو جتنا بڑا مالدار ہے وہ اتنا ہی اس کوتاہی میں مبتلا ہے۔ ہمیں اس کوتاہی کا احساس کرنا چاہیے اور اسے دُور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہ کوشش اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہم آخرت کی جوابدہی پر غور نہ کریں۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا يَزَالُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهٖ فِيْمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا أَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا أَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ۔

(رواه الترمذی ۲/۲۷ باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص)

''قیامت کے دن آدمی کے قدم اپنی جگہ سے ہل نہیں پائیں گے جب تک کہ اس سے پانچ

سوال نہ کر لیے جائیں: ① عمر کہاں لگائی؟ ② جوانی کہاں گنوائی؟ ③ مال کہاں سے کمایا؟ ④ مال کہاں لگایا؟ ⑤ دین کے علم پر کہاں تک عمل کیا؟''۔

مالدار روک لیے جائیں گے

دنیا میں مال و دولت کو عزت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور عموماً مال کے حاصل کرنے اور اسے خرچ کرنے میں لوگ شریعت کی حدود کی رعایت نہیں کرتے۔ لیکن بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے وقت یہی مال جنت میں تاخیر کا ذریعہ بن جائے گا اور دنیا میں فقر و مسکنت میں زندگی گذارنے والے حضرات مالداروں سے بہت پہلے جنت میں اپنی جگہ بنالیں گے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

قُمْتُ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنُ وَإِذَا أَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوْسُوْنَ إِلَّا أَصْحَابَ النَّارِ فَقَدْ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ وَقُمْتُ عَلَى بَابِ النَّارِ فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ۔

[بخاری: ۵۱۹۶، ٦٥٤٧ ۔ مسلم شریف ۲/ ۳۵۲ عن اسامۃ بن زید]

''میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس میں داخل ہونے والے اکثر مساکین ہیں اور مال و وجاہت والے لوگ (حساب کے لیے) روک لیے گئے ہیں......''۔

اب اگر حساب کتاب صاف ہوگا تو جلدی چھٹکارا مل جائے گا اور اگر جمع اور خرچ اور آمد وصرف میں اللہ کی رضا کا خیال نہ رکھا گیا ہوگا تو پھر تاخیر در تاخیر ہوتی چلی جائے گی۔ اس لیے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ دنیا کی زندگی ہی میں اپنا حساب صاف کر کے تیار رکھے۔ آمد بھی شریعت کے مطابق ہو اور خرچ بھی اللہ کے حکم کے موافق ہو۔

دوسری فصل:

آمدنی کے حرام ذرائع

اسلامی شریعت میں مال کمانے کے بعض ذرائع کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اور تجربہ اور مشاہدہ

سے یہ بات ثابت ہے کہ عالم کا امن وامان اور معاشرہ کی صلاح وفلاح اسی ممانعت پر عمل کرنے میں مضمر ہے اور جس معاشرہ میں شرعی ممانعت کی پرواہ نہیں رکھی جاتی وہ معاشرہ خودغرضی اور مفاد پرستی کا نمونہ بن جاتا ہے' جیسا کہ آج پوری دنیا کا حال ہے کہ آدمی مال ودولت کے حصول میں بالکل آزاد ہو چکا ہے اور ہر شخص اپنے مفاد کی تکمیل کے لیے کچھ بھی کر گذرنے کے لیے تیار ہے اور دوسرے کی خیر خواہی کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے۔ ذیل میں کچھ حرام ذرائع آمدنی کے بارے میں شرعی ہدایات لکھی جارہی ہیں تاکہ ہمارے دل میں خوف خدا پیدا ہو اور ہم حرام سے مکمل پرہیز کرسکیں۔

سود

آمدنی کے حرام ذرائع میں سب سے بدترین ذریعہ ''سود'' ہے۔ قرآن کریم میں نہ صرف یہ کہ سودی لین دین سے منع کیا گیا ہے بلکہ سودی کاروبار میں لگے رہنے والوں سے اعلانِ جنگ کیا گیا ہے۔ (البقرۃ) قرآن کریم میں اس طرح کی سخت وعید کسی اور عمل پر وارد نہیں ہے۔ اس سے سودی آمدنی کے منحوس ہونے کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ نیز احادیث شریعہ میں بھی کثرت کے ساتھ سود کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱) دِرْهَمٌ رِبوًا يَاكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلٰثِيْنَ زِنْيَةً۔

(رواہ أحمد' الترغیب ۳/۵' مظاہر حق ۳/۲۵)

''سود کا ایک درہم جسے آدمی جون بوجھ کر کھائے اس کا وبال اور گناہ ۳۶ مرتبہ منہ کالا کرنے سے بدترین جرم ہے''

(۲) سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَآءٌ۔ (رواہ مسلم ۲/۲۷' مظاہر حق ۳/۲۳)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے' کھلانے والے' سودی معاملہ کو لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں''۔

(۳) سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

اَلرِّبٰوا سَبْعُوْنَ جُزْءًا اَیْسَرُھَا اَنْ یَنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ۔ (مظاھر حق ۳/۲٦)

''سود کے ستر اجزاء ہیں جن میں سب سے ہلکا درجہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے (نعوذ باللہ) منہ کالا کرے''

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

فَاَتَیْتُ عَلٰی قَوْمٍ بُطُوْنُھُم کَالْبُیُوْتِ فِیْھَا الْحَیَّاتُ تُرٰی مِن خَارِجِ بُطُوْنِھِم فَقُلْتُ ھٰؤُلَاءِ یَا جِبْرِیْل؟ قَالَ ھٰؤُلَا اَکَلَۃُ الرِّبٰوا۔ (رواہ أحمد' الترغیب والترھیب ۳/۷)

''معراج کی رات میں میرا گذر ایسی جماعت پر ہوا جن کے پیٹ کمروں کے مانند تھے جن میں سانپ (لوٹ رہے) تھے جو باہر سے نظر آرہے تھے، میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ سود کھانے والے لوگ ہیں''۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا ظَھَرَ الزِّنَا وَالرِّبَا فِی قَرْیَۃٍ فَقَد اَحَلُّوا بِاَنْفُسِھِم عَذَابَ اللّٰہِ۔

(رواہ ابو یعلیٰ' الترغیب والترھیب ۳/٦)

''جب کسی بستی میں بدکاری اور سود خواری عام ہو جائے تو وہاں کے باشندے اپنے کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنالیتے ہیں''۔

اسی طرح کی روایات بھی ذخیرۂ احادیث میں موجود ہیں جن کو پڑھ کر کسی صاحب ایمان کو ہرگز ہرگز یہ جرأت نہ ہونی چاہیے کہ وہ اپنی آمدنی میں سود کا ایک لقمہ بھی شامل کرے۔ لیکن برا ہو مال کی ہوس اور دولت کی حرص کا کہ آج ہم اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود سودی کاروبار سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے اور مال کی کثرت کے شدید شوق میں حلال وحرام کی تمیز ختم کر دیتے ہیں حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَلرِّبَا وَاِنْ کَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَہٗ اِلٰی قُلٍّ۔

(رواہ الحاکم عن عبداللہ بن مسعود' الترغیب والترھیب ۳/۸)

''سود کا مال اگرچہ بہت ہو جائے مگر اس کا انجام کمی ہی کمی ہے''۔

تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ حرام مال جیسے آتا ہے ویسے ہی بے فائدہ جگہوں پر خرچ ہو کر چلا

جاتا ہے اور بسا اوقات اپنے ساتھ دوسرے حلال مال کی برکت بھی ختم کر دیتا ہے۔ اس لیے اللہ سے شرم وحیا کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب کہ ہم اپنی معیشت اور کاروبار کو سود کی نجاستوں سے حتی الامکان پاک کرلیں اور حرام ذرائع سے بچ کر اپنا ٹھکانا جنت میں بنالیں۔

بینک کا انٹرسٹ بھی یقیناً سود ہے

کچھ آزاد خیال دانشوروں نے کافی عرصہ سے یہ غلط فہمی پیدا کر رکھی ہے کہ بینک میں رقم رکھنے پر جو زائد روپیہ ملتا ہے وہ تو شرکت ہے کہ بینک اسی رقم سے کاروبار کرتا ہے۔ پھر اپنے نفع میں سے کچھ حصہ روپیہ رکھنے والوں کو بھی دے دیتا ہے۔ لہٰذا اسے سود نہیں کہا جائے گا' بلکہ زائد رقم ملتی ہے وہ بلا شک وشبہ ''ربا النسیۂ'' میں داخل ہے۔ جس کی حرمت پر تمام علماء وفقہاء اسلام متفق ہیں کیونکہ بنک جو بھی اضافہ ملتا ہے وہ محض مدت گذرنے پر ملتا ہے کاروبار میں شرکت کا وہاں وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ نہایت سطحی اور واقعی انتہائی فاسد تاویل ہے کہ بنکوں میں جاری سود کو ''ربا النسیۂ'' سے خارج کر کے خواہ مخواہ شرکت میں ڈال دیا جائے۔ یہ سود خوروں کے شیطانی وساوس ہیں جنہیں اُمت بار بار رَد کر چکی ہے۔

سود اور دار الحرب

عام طور پر ہندوستان میں سودی کاروبار کرنے والے حضرات یہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہندوستان دار الحرب ہے اس لیے وہاں ہر طرح کا سودی کاروبار جائز ہے۔ اس لیے اس معاملہ کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔

(ا) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام علماء فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دار الحرب میں سودی قرض لینا جس میں غیر مسلم یا حربی کو سود دینا پڑتا ہو بالکل حلال نہیں ہے۔ اختلاف صرف سود لینے میں ہے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وقد الزم الاصحاب فی الدرس ان مرادهم من حل اربا واقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم نظرًا إلى العلة ۔ (شامی کراچی ۵/ ۱۸۶)

''مشائخ نے درس میں یہ بات بتائی ہے کہ دار الحرب میں سود اور جوئے کے جائز ہونے سے

فقہاء کا مقصود وہ صورت ہے جب زیادتی مسلمان کو حاصل ہو علت سے یہی پتہ چلتا ہے''۔

اِس سے یہ معلوم ہو گیا کہ آج کل جو بڑے بڑے کاروبار کے لیے سرکاری بنکوں سے سودی قرضے لیے جاتے ہیں کہ اور اس کے لیے دارالحرب ہونے کا سہارا پکڑا جاتا ہے یہ ناواقفیت یا غلط فہمی پر مبنی ہے۔ کسی دارالحرب میں مسلمان کے لیے سودی قرض لینا جائز نہیں ہے۔

(ب) البتہ دارالحرب میں حربی سے سود لینے کے سلسلہ میں فقہاء کی دو رائے ہیں:

① امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہؒ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ) کے نزدیک کسی بھی مسلمان کے لیے دارالحرب یا دارالاسلام کہیں بھی سودی لین دین یا عقود باطلہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے دلیل کی قوت کے اعتبار سے ان حضرات کا موقف انتہائی مضبوط ہے۔

(مستفاد بدائع الصنائع ۵/۱۹۲)

② اس کے برخلاف حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دارالحرب میں اہل حرب کے اموال مسلمانوں کے لیے مطلق مباح ہونے کی بناء پر وہاں سود وغیرہ کا تحقق ہی نہیں ہوتا بلکہ محض رضامندی مال کو لینے کے لیے کافی سمجھی جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع ۵/۱۹۲)

مگر واضح رہے کہ ان حضرات کے نزدیک یہ اجازت مطلق نہیں ہے بلکہ اس میں درج ذیل شرائط کا لحاظ ضروری ہے:

(۱) معاملہ حقیقی دارالحرب میں ہو (۲) حربی سے ہو (۳) مسلم اصلی (دارالحرب کے مسلمان شہری) سے نہ ہو (۴) معاملہ کرنے والا باہر سے ویزا لے کر آنے والا مستامن ہو۔ مسلم اصلی نہ ہو۔ (مستفاد امداد الفتاوی ۳/ ۱۵۷)

ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہو جائے تو سود لینے کی اجازت نہ ہو گی۔ اب غور کیا جائے کہ ہندوستان میں یہ سب شرطیں پائی جا رہی ہیں یا نہیں۔

اولاً تو اس کے دارالحرب ہونے میں شدید اختلاف رہا ہے کیونکہ یہاں قانونی اعتبار سے مسلمانوں کو جمہوری حقوق دیے گئے ہیں دوسرے یہ کہ تمام سرکاری بنک قانونی طور پر ملک کے ہر فرد کی ملکیت ہیں جن میں ہندو مسلمان سب شامل ہیں، تو جو شخص بنکوں سے سود لیتا ہے وہ صرف حربیوں سے ہی سود نہیں لیتا بلکہ یہاں کے مسلم باشندوں کی ملکیت کا کچھ حصہ بھی اس کے پاس پہنچتا ہے۔ لہٰذا دوسری اور تیسری شرط کے تحقق میں بھی شبہ پایا گیا۔ نیز اکثر کتب فقہ میں یہ

اجازت صرف مسلم مستامن کو دی گئی ہے۔ لہٰذا یہاں کے اصلی مسلم باشندوں کے لیے اس میں کوئی سہولت نہیں دی جاسکتی۔ اسی بناء پر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں دارالحرب کے مسلمان باشندوں کے لیے یہاں رہتے ہوئے سود لینے کو ناجائز لکھا ہے۔ (مکتوب ہشتم)

اور موجودہ اکابر علماء دیوبند نے ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے پانچویں فقہی اجتماع (منعقدہ ۱۷ ۱۹ ار رجب ۱۴۱۶ھ) میں بھی حضرت نانوتویؒ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے باشندگانِ ہند کے لیے سود کی ممانعت کا فیصلہ کیا ہے۔

اور خاتم المحققین حضرت مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکہ آراء کتاب ''عطر ہدایہ'' میں لکھا ہے۔

''جو لوگ دارالکفر میں بہ امان رہتے ہوں' یا داخل ہوں' یا باہم صلح وعہد رکھتے ہوں انہیں کوئی ایسا معاملہ کرنا جو شرعاً ناجائز ہو جیسے بیع یا اجارہ' فاسد و باطل' یا شرط یا رشوت وغیرہ ہرگز جائز نہیں اور حدیث: ((لا ربوا بین المسلم والحربی)) کے یہ معنی ہیں کہ مسلمان دارالحرب میں کافر سے سود لے تو وہ سود خوار موجب وعید ربوا نہ ہوگا اگر چہ ملک حرام کا مواخذہ باقی ہے مگر سود دینا کسی طرح پر جائز نہ ہوگا مگر جب کہ اس سود لینے والے سے وہاں لوگوں سے عہد و صلح ہو یا یہ وہیں کی رعیت ہو تو لینا بھی جائز نہیں ہے۔ (عطر ہدایہ: ۱۸۱)

(ج) اگر حضرات طرفین کے موقف کو مطلق بھی مان لیا جائے تو اس کا مطلب علماء محققین نے یہ بیان کیا ہے کہ بالفرض اگر کوئی شخص دارالحرب سے یہ مال لے کر دارالاسلام آجائے اور معاملہ دارالاسلام میں مسلمان قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ مسلمان قاضی اس مال کی واپسی کا حکم نہیں کرے گا۔ البتہ لینے والے کے لیے ناجائز معاملہ کرنے کا گناہ بدستور برقرار رہے گا۔ گویا کہ مسلمان کے لیے جواز کا حکم صرف تھانوی قدس سرہٗ نے اپنے استاذ گرامی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے یہی مطلب نقل فرمایا ہے۔

(بحوالہ غیر اسلامی حکومت کے شرعی احکام: ۶۸)

صاحب عطر ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

"جو مال ایسے دارالکفر سے لایا جائے جہاں سے مصالحت و معاہدہ نہیں ہے یا قہر و غلبہ ملے، بخداع و حیلہ ملے حلال ہے، اور برضائے غیر معتبر ملے جیسے سود، قمار، بدلہ، زنا وغیرہ تو ملک آجائے گی اس لیے کہ وہ مال غیر معصوم سے اور حلت نہ آئے گی۔ اس لیے کہ طریقہ حصول شرعی نہیں ہے"۔ (عطر ہدایہ: ۱۸۰)

بہر حال سود خواروں کے لیے ہندوستان کو دارالحرب کہنے کا سہارا لینا کسی طرح مفید مطلب نہیں۔ مفتی بہ قول کے مطابق یہاں بھی سود لین دین اسی طرح حرام ہے جیسے دیگر ممالک ہیں احتیاط اور عافیت کا راستہ یہی ہے۔ اس لیے جو بھی مسلمان اللہ سے شرم و حیاء رکھتے ہیں انہیں اپنے معاملات سے سودی جراثیم کے نکالنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے اور محض وقتی نفع کے لیے سطحی تاویلات سہارا نہ لینا چاہیے۔ (اللّٰھم وفقنا لماتحبہ و ترضٰی)

جوا اور سٹہ

شریعت میں آمدنی کے جن ذرائع کی سختی سے ممانعت آئی ہے ان میں جوا اور سٹہ بھی شامل ہے۔ قرآن کریم نے سورۂ مائدہ میں جوئے اور شراب کو ایک ساتھ ذکر کر کے انہیں گندگی اور غلاظت قرار دیا ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے چوسر (جو سٹہ میں کھیلا جاتا ہے) کے بارے میں فرمایا:

قَالَ مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ شِیْرِ فَکَاَنَّمَا صَبَغَ یَدَهٗ فِیْ لَحْمِ خِنْزِیْرٍ وَ دَمِهٖ۔

[ابو داود: ۴۹۳۹، ابن ماجه: ۳۷۶۳، مسلم شریف ۲/ ۲۴۰]

"جس نے چوسر کھیلا گویا کہ اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اسکے خون میں سان لیا"۔

دیکھئے سٹہ کھیلنے کو آنحضرت ﷺ نے کس قدر گھناؤنے عمل سے مشابہ قرار دیا ہے جس کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ سٹہ بازی کے دینی و دنیوی مفاسد بالکل ظاہر اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

ومن مفاسد المیسر ان فیه اکل الاموال بالباطل وانه یدعو کثیرًا من المقامرین إلی السرقة وتلف النفس واضاعة العیال وارتکاب الامور القبیحة والرذائل الشنیعة والعداوة الکامنة والظاهرة، وهذا امر مشاهد لاینکره الا من اعماه الله

تعالیٰ واصمہ۔ (روح المعانی ۲/۱۱۵)

''اور جوئے کے مفاسد میں سے یہ ہیں: ① لوگوں کا مال ناجائز طریقہ پر کھانا' ② اکثر جواریوں کا چوری کرنا' ③ قتل کرنا' ④ بچوں اور گھر والوں کا خیال نہ کرنا' ⑤ گندے اور بدترین جرائم کا ارتکاب کرنا' ⑥ ظاہری اور پوشیدہ دشمنی کرنا اور یہ بالکل تجربہ کی باتیں ہیں۔ ان کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو سننے اور دیکھنے کی صلاحیت سے محروم کر دیا ہو۔''

تجربہ سے یہ بات واضح ہے کہ جس معاشرہ میں سٹہ بازوں کی کثرت ہوتی ہے وہ معاشرہ جرائم اور اعمال بد کی آماجگاہ بن جاتا ہے اس لیے کہ مفت میں حرام خوری کی جب عادت پڑ جاتی ہے تو محنت مزدوری کر کے کمانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لاکھوں خاندان اس نحوست میں گرفتار ہو کر تباہی اور بربادی کے غار میں جا چکے ہیں اور دونوں جہاں کی رسوائی مول لے چکے ہیں۔

لاٹری وغیرہ

اِس دور میں جوئے اور سٹے کی بہت سی شکلیں رائج ہیں اور وہ سب حرام ہیں۔ ان میں ایک ''لاٹری'' کی لعنت بھی ہے جس کے ذریعہ بڑے خوبصورت انداز میں پوری قوم کا خون چوسا جا رہا ہے۔ ذرا غور فرمائیں! لاٹری کی ایک کمپنی یومیہ مثلاً تین لاکھ کے ٹکٹ فروخت کرتی ہے اور ان میں سے ایک لاکھ روپے انعام میں دے دیتی ہے' تو یہ دو لاکھ روپے جو لاٹری کی کمپنی کو ملا۔ یہ کس کا سرمایہ ہے۔ بیچارے غریب رکشا پولروں اور مزدوروں کا۔ جن کے خون پسینے کی کمائی سرمایہ داروں اور حکومت کے خزانوں میں سمٹ کر چلی جاتی ہے اور محض ایک موہوم نفع کے لالچ میں یہ سادہ لوح عوام اپنی محنت کی کمائی خوشی خوشی خون چوسنے والوں کو حوالے کر دیتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایسی مثالیں ہیں کہ لاٹری کے نرغے میں آ کر کتنے لوگوں نے اپنے گھر کے برتن' بیوی کے زیورات' حتیٰ کہ کپڑے اور مکانات تک بیچ دیئے یا گروی رکھوا دیئے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے کنگال ہو گئے۔

اسی طرح آج محلہ محلہ اسکیموں کے نام پر سرمایہ کاری کی جا رہی ہے۔ ان میں بھی جوئے کی صورتیں پائی جاتی ہیں مثلاً جس کا نام پہلی قسط ادا کرتے ہی نکل آئے وہ بہت کم قیمت میں

کسی مشینری وغیرہ یا ایک بڑی رقم کا مالک بن جاتا ہے اور بقیہ لوگوں کو اپنے نمبر کا انتظار کرنا ہوتا ہے وغیرہ۔ نیز معمہ بازی، پتنگ بازی، کبوتر بازی، شطرنج، کیرم بورڈ، جن میں ہار جیت پر فریقین کی طرف سے لین دین کی شرط ہوتی ہے۔ یہ سب شکلیں حرام ہیں۔ حتیٰ کہ علماء نے لکھا ہے کہ بچے جو گولیاں اور گٹکے کھیلتے ہیں اور اس پر دوسرے سے تاوان لیتے ہیں یہ سب جوا اور سٹہ ہے۔ بچوں اور بڑوں کو اِن سے اجتناب کر کے اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کا تقاضا پورا کرنا چاہیے۔

انشورنس

سود اور جوئے کی ایک ترقی یافتہ صورت وہ ہے جسے بیمہ یا انشورنس کہا جاتا ہے، بیمہ خواہ مالی ہو یا جانی اس میں سٹہ کی شکل ضرور پائی جاتی ہے، یعنی یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر پالیسی کی مدت میں مال ضائع ہو گیا یا پالیسی لینے والا مر گیا تو مشروط رقم بیمہ کمپنی پر ادا کرنی لازم ہو جائے گی۔ اب مال کے بیمہ کی شکل میں شرط نہ پائے جانے کی صورت میں کوئی رقم واپس نہیں ہوتی اور زندگی کے بیمہ (لائف انشورنس) میں اگر پالیسی ہولڈر نہ مرے تو پالیسی پوری ہونے کے بعد ساری جمع شدہ رقم مع سود کے اسے واپس کی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے لائف انشورنس میں جوا بھی ہے اور سود بھی ہے جبکہ مال کے انشورنس میں صرف جوئے کی شکل پائی جا رہی ہے۔ اس لیے علماء محققین کے نزدیک لائف انشورنس کی حرمت مالی انشورنس کے مقابلے میں زیادہ شدید ہے۔ بریں بنا ہر ایک مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اختیاری طور پر بیمہ اور انشورنس کے معاملات سے دُور رہے اور جہاں کوئی قانونی یا اضطراری مجبوری ہو تو پوری صورت حال بتا کر علماء حق سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرے۔ نفع نقصان کا مالک صرف اللہ ہے جو نقصان اللہ کی طرف سے مقدر ہے وہ انشورنس کی وجہ سے ٹل نہیں سکتا۔ اس لیے اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اس کا خوف دل میں بٹھانا چاہیے اور محض چند روزہ نفع کے لالچ میں آخرت کے دائمی نفع پر بٹہ نہ لگانا چاہیے۔ نجات اور عافیت کا راستہ یہی ہے۔

دوسرے کے مال یا جائیداد پر ناحق قبضہ کرنا

حرام ذرائع آمدنی میں سے یہ بھی ہے کہ بلا کسی استحقاق کے کسی دوسرے شخص کے مال یا

جائیداد پر قبضہ جمالیا جائے۔ قرآن کریم میں متعدد جگہ آپسی رضامندی کے بغیر باطل طریقے پر ایک دوسرے کا مال کھانے سے سخت منع کیا گیا ہے اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قَالَ مَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ مِّنَ الْاَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ۔

(رواه البخاري ۱/۴۵۳ عن ابي سلمة' و مسلم ۲/۳۳ والترغيب و الترهيب ۳/۹)

''جو آدمی بالشت بھر زمین بھی ظلماً لے لے تو سات زمینوں سے اس پر طوق بنا کر ڈالا جائے گا''۔

اِس حدیث کے مفہوم کے بارے میں متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں۔ علامہ بغویؒ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بالشت بھر جگہ ساتوں زمینوں تک کھودنے کا اسے حکم دیا جائے گا تو اس طرح کھودنے کی وجہ سے وہ حصہ اس کے گلے میں طوق کے مانند معلوم ہوگا۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں بھی اس معنی کی تائید ہوتی ہے اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ مغصوبہ زمین کے ساتھ ساتوں زمین کی مٹی ملا کر اسے حکم دیا جائے گا کہ اس مٹی کے وزن کو اپنے سر پر اٹھا کر لے جائے مسند احمد اور طبرانی کی روایت سے اس مضمون کی تائید ہوئی ہے۔

ایک دوسری روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص ناجائز طریقے پر دوسرے کی زمین کا کچھ حصہ بھی دبا لے تو اس کی کوئی بھی نفلی یا واجبی عبادت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں قابل قبول نہ ہوگی۔ (الترغیب والترہیب ۳/۱۰)

اور ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّاخُذَ عَصًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ۔

(رواه ابن حبان عن ابي حميد الساعدي' الترغيب و الترهيب ۳/۱۱)

''کسی مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ دوسرے کی لاٹھی بھی بغیر اس کی دِلی رضامندی کے لے''۔

اس طرح کی احادیث سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ دوسرے کے مال کو بلا استحقاق دبا لینا اللہ کی نظر میں سخت ناپسندیدہ ہے اور آخرت میں بدترین رسوائی کا سبب ہے۔

افسوس ہے کہ جو چیز اللہ کی نظر میں مبغوض ہے آج اسے باعث کمال گردانا جاتا ہے ایک

ایک بالشت نالیوں اور پرنالوں کے اوپر سالوں سال مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں اور ناحق طریقہ پر مقدمہ جیت جانا ہی عزت اور قابل فخر سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کی حرکتوں کا اصل سبب آخرت سے غفلت اور اللہ کے عذاب سے بے توجہی ہے۔ اگر لوگوں کو غضب کے عذاب کا استحضار ہو جائے تو کوئی بھی عقلمند آدمی دو چار گز کے لیے لڑائی جھگڑا اور مقدمات کر کے اپنی دنیا اور آخرت برباد کرنے پر تیار نہ ہو۔

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی:

مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عِرْضٍ أَوْمِنْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ الْيَوْمَ، مِنْ قَبْلِ أَنْ لَايَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَةٍ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ۔ (رواہ البخاری ۲/۹٦۷ عن ابی ہریرہ الترغیب والترہیب ۳/۱۲۸، مسند أحمد ۲/۵۰٦-۴۳۵)

"جس کسی کے پاس دوسرے بھائی کا عزت یا مال سے متعلق کوئی حق ہو تو اس سے آج ہی معاف کرالے قبل اس کے کہ وہ دن آئے کہ جب دینار و درہم نہ چلیں گے بلکہ اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس سے دوسرے کے حق کے بقدر لے لیا جائے گا اور اس کے پس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس کے بھائی کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں گی"۔

اس لیے ہر مسلمان کو ظلم اور غصب سے بچ کر اللہ سے شرم وحیا کا ثبوت دینا چاہیے اور آخرت کی بدترین روسیاہی سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔

رشوت خوری

رشوت خوری یعنی دوسروں سے ناحق رقم وغیرہ لینے کا مرض ایسا خطرناک اور بدترین ہے جس سے نہ صرف قوم کی معیشت تباہ ہو جاتی ہے بلکہ جرائم پیشہ افراد کو بھی رشوت کے سہارے خوب پھلنے پھولنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔ جو شخص رشوت کی چاہت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کی نظر میں نہ اپنے مذہب اور قوم کا مفاد رہتا ہے اور نہ ملک کی سلامتی کی اہمیت اس کے سامنے رہتی ہے۔ اس کی نگاہ میں تو صرف اپنی جیب کا فائدہ اور منافع خوری ہی کا جذبہ ہوتا ہے اور دولت کے نشہ میں وہ کسی دوسرے کے نقصان کی ہرگز پرواہ نہیں کرتا۔ اس کا دل سخت ہو جاتا ہے

اور ذہن سے رحم و مروت کا جذبہ فنا ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر رشوت ستانی کی شریعت میں سخت مذمت وارد ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ۔ (رواہ ابن حبان الترغیب والترهیب ۲/۱۲۵)

"رشوت لینے والے اور (بلاضرورت) رشوت دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے"۔

اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

اَلرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ فِي النَّارِ۔ (رواہ الطبرانی، الترغیب ۳/۱۲۵)

"رشوت لینے والا اور (بخوشی بلاضرورت) رشوت دینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے"۔

نیز ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے اور دینے والے کے ساتھ رائش یعنی اس شخص پر بھی لعنت بھیجی ہے جو رشوت کے لیے درمیان میں دلالی کرتا ہے۔

(ادب الخصاف/۸۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص رشوت لے کر ناحق فیصلہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اتنی گہری جہنم میں ڈالے گا کہ پانچ سو برس تک برابر گرتے چلے جانے کے باوجود وہ اس کی تہہ تک نہ پہنچ پائے گا۔ اللھم احفظنا منه۔ (الترغیب والترهیب ۳/۱۲۶)

ان سخت ترین وعیدوں سے رشوت کے بھیانک انجام کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں رشوت ایسا ناسور ہے جس کے مفاسد صرف اُخروی ہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی اس کے بھیانک نتائج واقف کار لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ آج اپنے ہی ملک کے سرکاری محکموں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں کس طرح رشوت کا بازار گرم ہے؟ آخر کون سا ایسا غیر قانونی کام ہے جو رشوت دے کا بآسانی انجام نہ دیا جا سکتا ہو؟ بجلی کی چوری سے لے کر ٹرین اور بسوں میں بلا ٹکٹ سواری تک ہر جگہ رشوت کا چلن ہے اور عدالتوں، محکمہ پولیس اور کسٹم میں تو رشوتیں ایسی جسارت اور دباؤ سے لی جاتی ہیں گویا وہ ان کا قانونی حق ہو۔ یہاں کے سرکاری اہلکاروں سے لے کر وزراء تک رشوت کے معاملات میں ملوث ہیں۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ قدرتی وسائل سے مالا مال ملک آزادی کے چون سال گزر جانے کے باوجود آج بھی ترقی یافتہ ممالک سے بہت پیچھے ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس ملک کو سب سے زیادہ نقصان اسی رشوت خوری نے پہنچایا ہے اور

جب تک یہ لعنت یہاں باقی رہے گی ملک کے وسائل سے کبھی بھی کما حقہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ رشوت کا عادی معاشرہ کام چور ہوتا ہے۔ بے مروت اور مفاد پرست ہوتا ہے وہ اپنے مفاد کی خاطر ملک کی بڑی سے بڑی دولت کا بھی سودا کر سکتا ہے اور قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے اس لیے اس لعنت سے معاشرہ کو بچانے کی ضرورت ہے۔ ہر سطح پر رشوت خوری کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے تاکہ خود غرضی کا دروازہ بند ہو سکے۔

رشوت لینے والے کے لیے رشوت کا پیسہ کسی بھی صورت میں حلال نہیں ہے۔ البتہ بعض خاص صورتوں میں جب کہ اپنا حق ضائع ہو رہا ہو یا شدید نقصان کا اندیشہ ہو تو فقہاء نے ضرورۃً رشت دینے کی اجازت دی ہے۔ (شامی کراچی ۶/۴۲۳)

ناجائز ذخیرہ اندوزی

شریعت نے عوام الناس کو نقصان پہنچا کر اشیائے ضرورت کی ذخیرہ اندوزی کر کے زیادہ کمانے سے بھی منع کیا ہے اسے اصطلاح میں ''احتکار'' کہا جاتا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عمل سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

(۱) ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ ﷺ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ فَقِيْلَ لِسَعِيْدٍ فَإِنَّكَ تَحْتَكِرُ قَالَ سَعِيْدٌ إِنَّ مَعْمَرًا الَّذِىْ كَانَ يُحَدِّثُ هٰذَا الْحَدِيْثَ كَانَ يَحْتَكِرُ۔

[ابو داود: ٣٤٤٧، ترمذی: ١٢٦٧، مسلم ٢/٣١ عن عمر، كتاب المساقاة]

''جو شخص غلہ وغیرہ جمع کرے وہ غلط کار ہے......''۔

(۲) اور ایک ضعیف روایت میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ إِنْ اَرْخَصَهُ اللّٰهُ الْاَسْعَارَ حَزِنَ وَاِنْ اَغْلَاهَا فَرِحَ۔

(الترغيب والترهيب ٢/٣٦٤)

''جمع خور آدمی بہت برا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چیزوں کی قیمتیں سستی کرے تو اسے غم ہوتا ہے اور جب مہنگائی ہو تو اسے خوشی ہوتی ہے''۔

(۳) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے غلام فروخ کہتے ہیں کہ کچھ غلہ وغیرہ مسجد نبوی کے دروازہ

پر ڈھیر لگایا گیا۔ اس وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین تھے جب آپ باہر تشریف لائے غلہ کو دیکھ کر پوچھا کہ کہاں سے آیا؟ لوگوں نے کہا کہ یہ باہر سے لایا گیا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دُعا دی کہ اللہ تعالیٰ اس غلہ کو اور جو لوگ اسے لائے ہیں ان کو برکت سے نوازے۔ اسی وقت کچھ لوگوں نے یہ بھی خبر دی کہ اس کا احتکار بھی کیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کس نے یہ عمل کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ایک تو فروخ نے' دوسرے فلاں شخص نے جو آپ کا آزاد کردہ غلام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر دونوں کو بلایا اور باز پرس کی ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اپنا مال خرید وفروخت کر رہے ہیں (یعنی اس میں دوسرے کا کیا نقصان ہے؟) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

مَنِ احْتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ طَعَامَهُمْ ضَرَبَهُ اللّٰهُ بِالْجُذَامِ وَالْاِفْلَاسِ۔

''جو شخص مسلمانوں پر ان کا غلہ وغیرہ روک کر رکھے اللہ تعالیٰ اسے کوڑھ کے مرض اور تنگدستی میں مبتلا کرے گا''۔

یہ سن کر فروخ نے کہا کہ میں آپ سے اور اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی احتکار نہ کروں گا۔ پھر وہ مصر چلے گئے جبکہ اس فلاں شخص نے کہا کہ ہمارا مال ہے ہم جیسے چاہیں خرید وفروخت کریں اس روایت کے راوی ابو یحییٰ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس شخص کو کوڑھی اور تنگدستی کی حالت میں دیکھا ہے۔ (الترغیب والترہیب ۲/۳۶۳)

احتکار کی ممانعت اس وقت ہے جبکہ اس کی وجہ سے شہر والوں اور عوام کو نقصان ہو' اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن سے عوام الناس کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ مثلاً غلہ جات' کپڑے' روزمرہ کی ضروری اشیاء' ہاں اگر جمع کرنے سے کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو پھر خرید کر اسٹاک رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح جبکہ بازار میں اس چیز کی کوئی کمی نہ ہو' اگر کوئی شخص شروع فصل میں کوئی چیز زیادہ مقدار میں خرید کر رکھ لے کہ اخیر فصل میں قیمت بڑھ جانے پر اس کو فروخت کرے گا یہ بھی ممنوع نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کے کسی عمل کی وجہ سے قیمت نہیں بڑھے گی۔ (مستفاد شامی کراچی۔ ۶/۳۹۸)

تیسری فصل :

مدارس اور ملی اداروں کی رقومات میں احتیاط

پیٹ کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ جو لوگ کسی ایسے ادارے سے وابستہ ہوں جس میں قوم کا روپیہ خاص مصارف میں صرف کے لیے جمع ہوتا ہے۔ اس کی امانتوں میں وہ ناحق تصرف نہ کریں اور اس بارے میں انتہائی محتاط رویہ اپنائیں۔ قرآن کریم میں یتیم کے مال کھانے کو ''پیٹ میں آگ بھرنے'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور علماء لکھتے ہیں کہ سبھی اوقاف وغیرہ کے احکامات بھی یتیم کے مال کی طرح ہیں یعنی قومی اور ملی اداروں کے منتظم حتیٰ کہ امیر المؤمنین بھی اسلامی حکومت کے خزانوں کا بالکلیہ مالک نہیں ہے بلکہ اُس پر اسلامی ہدایات کے مطابق ہر مد کا روپیہ اُسی کے مصرف میں صرف کرنا ضروری ہے اور بلا ضرورت صرف کرنے پر یا غیر مستحق پر خرچ کرنے پر اس سے عند اللہ مواخذہ ہوگا۔

افسوس ہے کہ آج اس سلسلہ میں سخت لاپرواہی اور کوتاہی عام ہوتی جا رہی ہے۔ کچھ ادارے تو ایسے ہیں جنہوں نے زبردستی اپنے کو ''عامل حکومت'' کے درجے میں رکھ کر زکوٰۃ کی رقومات بلا دریغ من مانے مصارف پر خرچ کرنے کی راہ نکال لی ہے۔ حالانکہ یہ مؤقف دلائل کی روشنی میں بالکل غلط ہے اور بڑی تعداد ایسے اداروں کی ہے جن میں اگرچہ ''عامل حکومت'' کا عنوان تو نہیں ہے لیکن زکوٰۃ کی رقم میں ضرورت بلا ضرورت ''تملیک کا حیلہ'' اپنایا جا رہا ہے اور یہ رقم جو خالصتاً فقراء کا حق ہے، اسے تعمیر، ضیافت اور مدرسہ کے بلند و بالا تعارف کے قیمتی اور خوشنما لٹریچروں میں خرچ کیا جانے لگا ہے۔ مدرسہ میں تعلیمی معیار خواہ کہیں تک ہو لیکن اس کا تعارف اتنا زوردار چھپوایا جاتا ہے اور اس میں اس قدر مبالغہ کیا جاتا ہے کہ معلوم ہو کہ پورے علاقہ کا دار العلوم یہی ہے۔ اسی طرح بہت سے ایسے معمولی مکاتب جن میں تنخواہ کے علاوہ خرچ کا کوئی قابل ذکر محل نہیں ہے اور وہاں نادار طلبہ کی رہائش اور طعام کا بھی انتظام نہیں ہے۔ ان میں محض تعمیرات اور مشاہرات پر زکوٰۃ کی رقومات بلا دریغ خرچ کی جا رہی ہیں۔

حیلہ تملیک صرف مجبوری میں جائز ہے

اور "حیلہ تملیک" جو ایک انتہائی مجبوری کی چیز تھی اسے ہی اصل قانون کے درجہ میں رکھ دیا گیا ہے۔ اس لیے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ تملیک کے حیلہ کی اجازت صرف اسی وقت ہے جبکہ مدرسہ یا ادارہ میں فی الوقت مصرف موجود ہو اور ضرورت اتنی سخت ہو کہ اگر حیلہ نہ کیا جائے تو وہاں دینی ضرورت کسی بھی درجہ میں انجام نہ دی جا سکے۔ واضح رہے کہ ہر مکتب کو ایک دم دارالعلوم بنانا ہمارے ذمہ نہیں ہے۔ بلکہ جتنے خرچ کا بآسانی انتظام جائزہ اور شرعی طریقہ پر ہو سکے اتنے ہی درجہ پر ادارہ کو رکھا جائے اور رفتہ رفتہ ترقی دی جائے۔ آج بے احتیاطیوں کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہر ادارہ پہلی فرصت میں اونچے پلان اور منصوبے بناتا ہے اور جب اسے ان منصوبوں کی تکمیل کے لیے عطایا نہیں مل پاتے تو زکوٰۃ کے اموال کو حلال کرنے کے راستے اپناتا ہے اور بلاضرورت حیلہ اختیار کرتا ہے۔ حالانکہ یہ کتنی محرومی کی بات ہے کہ آدمی دوسروں کے فائدہ کے عنوان سے خود اپنی عاقبت خراب کر لے۔ اللھم احفظنا منہ۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل

انہی بے احتیاطیوں کی وجہ سے آج عوام وخواص مدارس اور دینی اداروں کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں جبکہ اگر ذمہ داران ورع وتقویٰ پر مکمل عمل کریں تو ان کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچ سکتی۔ اس سلسلہ میں رہنمائی کے لیے عالم ربانی امام الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا عمل ذیل میں پیش ہے۔ آپ کے ایک کفش بردار عبدالمجید فارقلیط صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے اپنے مدرسہ (جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان) کے لیے مشکل تر راستہ اختیار کیا اور چند ایسے اصول وضع فرمائے جو پہلے پڑھنے سننے اور دیکھنے میں نہ آئے تھے۔ آپ نے سب سے اہم اصول یہ اختیار فرمایا کہ مدرسہ کو حاصل ہونے والی آمدنی کو دو مدوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک مد زکوٰۃ وصدقات' اور دوسری عطیات کی' زکوٰۃ فنڈ کی رقم صرف طلباء کے اخراجات خورد ونوش اور وظائف کے لیے مختص کر دی گئی۔ اس فنڈ کو مدرسہ کی تعمیر' کتابوں کی خرید اور اساتذہ کرام کے مشاہرہ وغیرہ پر مطلق خرچ نہ کیا جاتا تھا۔ عطیات کے فنڈ

سے اساتذہ کو تنخواہیں اور دیگر واجبات کی ادائیگی کی جاتی تھی بالعموم اہل ثروت زکوٰۃ کی بیشتر رقم دینی مدارس کو دیتے ہیں اور عطیات کی طرف کم توجہ دیتے ہیں۔اس طرح دینی مدارس کے پاس زکوٰۃ کے فنڈ میں خاص رقم جمع ہو جاتی ہے جبکہ عطیات کا فنڈ اکثر قلت کا شکار رہتا ہے۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں کئی مواقع ایسے بھی آئے کہ زکوٰۃ فنڈ میں خطیر رقم موجود ہے جبکہ غیر زکوٰۃ کی مد خالی ہے۔ایک دفعہ حاجی محمد یعقوب صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مدرسین کی تنخواہوں کے لیے عطیات کی مد میں رقم نہیں ہے۔اگر آپ اجازت دیں تو زکوٰۃ فنڈ سے قرض لے کر اساتذہ کو تنخواہیں دے دی جائیں اور جب عطیات کے فنڈ میں رقم آئے گی تو زکوٰۃ فنڈ کا قرضہ واپس کر دیا جائے گا۔حضرت شیخ نے بڑی سختی کے ساتھ منع فرما دیا اور فرمایا کہ میں اساتذہ کی آسائش کی خاطر خود کو دوزخ کا ایندھن نہیں بنانا چاہتا۔انہیں صبر کے ساتھ عطیات فنڈ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی جانے والی رقم کا انتظار کرنا چاہیے اور اگر صبر نہ کر سکتے ہوں تو انہیں اس امر کا اختیار ہے کہ وہ مدرسہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ تشریف لے جائیں''۔

(بیس مردانِ حق' عبدالرشید ارشد ۲/۳۱۲)

مولانا بنوریؒ نے جس مدرسہ کے لیے یہ اصول وضع فرمائے تھے' وہ آج پاکستان کا نہایت معیاری اور بافیض مدرسہ ہے اور ساتھ میں ہر قسم کے مادی وسائل بھی مالا مال ہے۔اصحابِ خیر اس ادارے کا تعاون کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں۔

غور فرمائیں کیا ایسی دوسری مثالیں قائم نہیں کی جاسکتیں؟ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم اللہ سے شرم وحیا کا حق ادا کرنے والے بن جائیں تو ہماری ہر مشکل آسان ہو سکتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے اور ہماری مدد فرمائے۔آمین۔

کمیشن پر چندہ

مالی بے احتیاطیوں کا عالم یہ ہے کہ آج بہت سے دینی اداروں میں بے خوف وخطر کمیشن پر چندہ کا رواج پڑ گیا ہے۔حالانکہ دور حاضر کے سبھی معتبر علماء مفتیان اس طرح کمیشن لینے کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور کتب فتاویٰ میں اس سلسلہ کے مدلل ومفصل فتاویٰ شائع بھی ہو چکے ہیں۔مگر خوفِ خدا میں کمی اور طرفین میں مال کی طمع نے ان شرعی احکامات کو پس پشت

ڈال رکھا ہے اور چندہ کو ایک اچھا خاصا کاروبار بنالیا ہے۔ چندہ پر کمیشن کے حرام ہونے کی متعدد وجوہات ہیں:

① اول یہ کہ یہ ایسا اجارہ ہے جس میں ابتداءً اجرت معلوم نہیں ہے۔ اس لیے کہ نہ جانے کتنا چندہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ بالکل بھی نہ ہو اور محصل کو کچھ بھی ہاتھ نہ آئے۔

② یہ قفیز طحان کے مشابہ ہے یعنی چندہ کی آمدنی خود اجیر کے عمل کا نتیجہ ہے اور اسی نتیجہ میں سے اجرت متعین کی جارہی ہے۔ اس طرح اجرت کا تعین ناجائز ہے۔

③ اجارہ کی صحت کے لیے خود اجیر کا قادر ہونا شرط ہے اور یہاں چندہ کا عمل محصل کی قدرت سے باہر ہے یعنی جب تک چندہ دینے والا روپیہ نہیں دے گا یہ لینے پر قادر نہیں ہے اور آدمی جس چیز پر قادر نہیں اس کو اجرت کیسے بنا سکتا ہے۔

(دیکھئے احسن الفتاویٰ ۷/۲۷۶، فتاویٰ محمودیہ ۴/۲۷۴)

ہاں! اگر سفیر تنخواہ دار ہو اور اس کی ایک تنخواہ متعین ہو یعنی خواہ چندہ ہو یا نہ ہو اسے اپنی محنت کا صلہ بہر حال ملے گا تو اس کو تنخواہ لینا جائز ہے کیونکہ یہاں اس کی اجرت کا تعلق چندہ کی رقم سے نہیں بلکہ لوگوں سے ملاقات اور اس مقصد کے لیے سفر وغیرہ کرنے سے ہے۔ جس میں عمل اور اُجرت دونوں متعین ہیں اور ایسے تنخواہ دار سفیر کو اگر کوئی ادارہ حسن کارکردگی پر امدادی فنڈ سے (جس میں زکوٰۃ صدقات واجبہ کی رقوم شامل نہ ہوں) کوئی انعامی رقم دے تو اس کے لینے کی بھی گنجائش ہے۔ یہ کمیشن میں شامل نہیں ہے۔

بہر حال دینی اداروں کے ذمہ داروں کو سب سے زیادہ شریعت کے احکام کا خیال رکھنا چاہیے اور ہر قسم کی بے احتیاطیوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تاکہ ان کا وقار برقرار رہے اور دینی خدمات میں برکات کا ظہور ہو۔

اُجرت پر تراویح وغیرہ

اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا تقاضا یہ بھی ہے کہ آدمی کسی بھی دینی عبادت کو دنیا کے حصول کے لیے مقصود نہ بنائے اور معمولی دینوی نفع کی لالچ میں آخرت کا خطیر نفع قربان نہ کرے۔ آج کل رمضان المبارک میں تراویح سنانے کے عوض بڑی آمدنی کا رجحان بھی بڑھتا چلا جارہا ہے۔

بہت سے لوگ تو حفظ ہی اس مقصد سے کرتے ہیں کہ تراویح سنا کر روپیہ کمائیں گے اس کے لیے بڑے بڑے شہروں میں اچھی اچھی جگہیں تلاش کی جاتی ہیں۔ اسفار کیے جاتے ہیں اور اپنے مقام اور مرتبہ سے گھٹ کر حرکتیں کی جاتی ہیں۔ یہ سب بے غیرتی کی باتیں ہیں۔ قرآن کریم ایسی چیز نہیں ہے کہ اسے چند کوڑیوں کے عوض فروخت کر دیا جائے۔ محض قرآن کی تلاوت پر اُجرت مقرر کرنا قرآن کریم کی کھلی ہوئی توہین اور ناقدری ہے اور اس سلسلہ میں جو فرضی تاویلات اور حیلے اپنائے جاتے ہیں وہ بھی ناقابل توجہ ہیں اس لیے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سرہٗ نے لکھا ہے کہ دیانات (فیما بینہ بین اللہ معاملات) میں حیلوں کا اختیار کرنا واقعی حلت کے لیے مفید نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱/ ۴۸۵)

بہت سے لوگ حفاظ کی مالی پریشانی کا ذکر کرتے ہیں کہ ختم پر اس کی اعانت ہو جاتی ہے' تو سوال یہ ہے کہ وہ پہلے سے فقیر تھا یا تراویح میں قرآن ختم کرتے ہی غریب ہو گیا؟ اگر پہلے سے ہی پریشان تھا' جیسا کہ واقعہ بھی یہی ہے تو ختم سے پہلے اس کی مدد کیوں نہیں کی گئی؟ کسی غریب کی مدد کرنا کبھی بھی منع نہیں ہے منع تو یہ ہے کہ اس کو قرآن کی اُجرت کھلائی جائے۔

بعض لوگ یہ بہانہ ڈھونڈتے ہیں کہ اگر اُجرت نہ دی جائے تو مساجد میں ختم قرآن کا رواج ختم ہو جائے گا۔ حالانکہ ختم قرآن کوئی ایسا شرعی واجب یا لازم نہیں ہے کہ اس کے لیے ایک ناجائز معاملہ کا ارتکاب کیا جائے۔ پھر یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ اس سے ختم قرآن کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ اس لیے کہ امت میں الحمد للہ ایسے حفاظ کی کمی نہیں ہے جو خود اپنے قرآن کی حفاظت کے لیے مساجد تلاش کرنے کے فکر مند نہ رہتے ہوں۔ اگر دینے دلانے کا رواج بالکل ختم ہو جائے تو خود بخود حفاظ کے دِل سے طمع اور لالچ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسی لیے شامی میں نقل کیا گیا ہے کہ اُجرت پر تلاوت کے ذریعہ ایصال ثواب کرانے پر اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں۔ (شامی زکریا ۹/ ۷۷) کیونکہ دینے والے کے ارادے سے ہی لینے والے کو حوصلہ ملتا ہے اگر اس معاملہ میں دینے والے شریعت پر عمل کرتے ہوئے دینے سے منع کر دیں تو لینے والوں کو مطالبہ کا حوصلہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اگر مخلص حافظ نہ ملے؟

بالفرض اگر کسی جگہ بلاعوض پڑھانے والا مخلص حافظ نہ مل سکے تو فتویٰ یہ ہے کہ وہاں کے لوگوں کو کرایہ دار حافظ سے پورا قرآن سننے کا بجائے ﴿الم ترکیف﴾ سے تراویح پڑھ لینی چاہیے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''جہاں فقہاء نے ایک ختم کو سنت کہا ہے جس سے ظاہراً سنت مؤکدہ مراد ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں لوگوں پر ثقیل ہو وہاں ﴿الم ترکیف﴾ وغیرہ سے پڑھ دے۔ پس جب ثقیل جماعت کے محذور سے بچنے کے لیے اس سنت کے ترک کی اجازت دے دی، تو استیجار علی الطاعۃ (عبادت پر اجرت لینے) کا محذور اس سے بڑھ کر ہے۔ اس سے بچنے کے لیے کیوں نہ کہا جائے گا کہ ﴿الم ترکیف﴾ سے پڑھ لے۔ (امداد الفتاویٰ ۱/۴۸۴)

محض تلاوت اور دیگر دینی خدمات کی اُجرت میں فرق

بعض حضرات تراویح میں قرآن پڑھنے پر معاوضہ کے جواز پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس طرح امامت واذان اور تعلیم قرآن پر اجرت جائز ہے۔ اسی طرح تراویح میں قرآن ختم کرنے کا معاملہ بھی درست ہونا چاہیے، تو اس سلسلہ میں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ حنفیہ کے اصل مذہب میں طاعات وعبادات پر اجارہ مطلقاً ناجائز ہے۔ متاخرین احناف نے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل سے استدلال کرتے ہوئے اس ممانعت سے ان عبادات کو ضرورتاً مستثنیٰ کر دیا ہے جن کو شعائر دین ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ یعنی جن کا اہتمام ختم ہونے سے دین کی بقا واشاعت کو شدید خطرہ لاحق ہو جائے۔ مثلاً امامت واذان کہ اگر ان پر اجرت جائز نہ ہو تو مساجد میں جماعت واذان کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ اسی طرح تعلیم دین کہ اگر اس غرض سے وقت فارغ نہ کیا جائے تو دین کی اشاعت موقوف ہو جائے لیکن جو عبادات اس درجہ کی نہیں ہیں ان میں عدم جواز کا حکم بدستور باقی ہے۔ تراویح میں ختم قرآن اور ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کی عبادات اسی قبیل سے ہیں کہ اجرت پر ختم قرآن کی ممانعت سے دین کو کسی طرح کا نقصان نہیں ہے۔ یہی حال ایصالِ ثواب کے لیے تلاوت کرنے کا بھی ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قد أطبق المتون والشروح والفتاویٰ علی نقلهم بطلان الاستیجار علی الطاعات إلا فیما ذکر و عللوا ذلك باضرورة وهی خوف ضیاع الدین وصرحوا بذلك التعلیلل فکیف یصح أن یقال إن مذهب المُتأخرین صحة الاستیجار علی التلاوة المجردة مَع عدم الضرورة المَذکوره فإنه لو مضی الدهر ولم یستأجر احدًاحدًا علی ذلك لم یحصل به ضرر' بل الضرر صار فی الاستیجار علیه حیث صار القرآن مکسبًا و حرفة یتجر بها...... (شرح عقود رسم المفتی' رسائل ابن عابدین ۱/ ۱٤)

''تمام متون' شروحات اور فتاویٰ طاعات پر اجرت کے باطل ہونے کو نقل کرنے میں متفق ہیں سوائے ان طاعات کے جو مذکور ہوئیں۔ (یعنی امامت و اذان وغیرہ) اور مذکورہ طاعات کے جواز کی تعلیل انہوں نے ضرورت سے کی ہے جو دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اور اس تعلیل کی انہوں نے صراحت بھی کی ہے تو پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ متاخرین کا مذہب محض تلاوت پر اجرت صحیح ہونے کا ہے باوجودیکہ مذکورہ ضرورت نہ پائی جائے۔ اس لیے اگر زمانہ بیت جائے اور کوئی شخص کسی کو تلاوت کے لیے اجرت پر نہ لے تو اس سے کوئی نقصان نہیں آتا بلکہ نقصان تو اُجرت پر تلاوت کرنے میں ہے' بایں طور پر کہ قرآن کریم کو کمائی کا ذریعہ اور ایسی صنعت بنالیا گیا ہے جس کی تجارت کی جاتی ہے''

الغرض ان صراحتوں سے معلوم ہو گیا کہ محض تلاوتِ قرآن میں ختم قرآن پر اُجرت کی آمدنی کا جواز اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کے جذبہ کے بالکل برخلاف ہے۔ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود اپنے کو ایسی آمدنی سے بچائے اور دوسرے بھائیوں کو بھی اس سے بچنے کی تلقین کرے۔

معصیت پر تعاون کی اُجرت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (المائدہ: ۲)

''اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر''۔

بریں بنا کسی ایسے طریقے پر روپیہ کمانا ممنوع ہے جس میں کسی گناہ پر تعاون لازم آتا ہو۔ آج کل بکثرت ایسے ذرائع آمدنی رائج ہیں مثلاً فوٹو گرافی' ویڈیو گرافی' ٹیلی ویژن کی مرمت اور خرید و فروخت وغیرہ کا کاروبار' اسی طرح بال بنانے والوں کا انگریزی بال اور ڈاڑھیاں مونڈ کر روپیہ کمانا' یہ سب صورتیں آمدنی کو مشتبہ بنا دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ان ناجائز اعمال کو چھوڑ کر اپنے پیٹ کی حقیق حفاظت کا انتظام کرے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو خوفِ خدا کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

چوتھی فصل:

شرمگاہ کی حفاظت

اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کا اہم تقاضا اور اپنے بدن کو جہنم کو ہولناک آگ سے بچانے کا مقتضی یہ بھی ہے کہ انسان اپنی شرمگاہ کی ناجائز اور حرام جگہوں سے پوری طرح حفاظت کرے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۳۲)

''اور پاس نہ جاؤ زنا کے' وہ ہے بے حیائی اور بری راہ ہے''۔

اور کئی جگہ ایمان والے لوگوں کی یہ صفات بیان کی گئیں کہ ''وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں' زنا نہیں کرتے اور جائز محل کے علاوہ شہوت پوری نہیں کرتے۔

(سورہ مومنون' سورہ معارج وغیرہ)

نیز اسلام نے زنا کی ایسی سخت سزا مقرر کی ہے جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یعنی اگر ثبوت ہو جائے تو کنوارے مجرم کو سو کوڑے اور شادی شدہ کو سنگسار کرنے کا حکم ہے (جبکہ اسلامی حکومت ہو) اور احادیث مبارکہ میں زنا کے متعلق سخت ترو عیدیں وارد ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَایَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَّلَایَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَّلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ۔

(مسلم شریف ۱/۵۶ عن ابی هریره الترغیب والترهیب ۳/۱۸۵)

''زناکار زنا کرتے وقت (کامل) مؤمن نہیں رہتا......''۔

گویا کہ ایسے عمل کا ایمان کے ساتھ کوئی جوڑ ہی نہیں ہے' یہ سراسر شیطانی عمل ہے۔

سب سے زیادہ خطرہ کی چیز

(۲) اور ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یَا بغَایَا الْعَرَبِ، یا بغَایَا العَرَبِ! إنَّ أخْوفَ مَا أخَافُ عَلَیْکُم الزِّنَا والشَّھْوَۃ الخَفِیَّۃ۔

(رواه الطبرانی الترغیب والترهیب ۳/۱۸۶)

''اے عرب کے بدکارو! اے عرب کے بدکارو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ ڈر اور خطرہ زنا اور پوشیدہ شہوت سے ہے''۔

یعنی یہ ایسی نحوست ہے جس سے معاشرتی نظام تباہ اور برباد ہو جاتا ہے اور گھر گھر میں فتنہ فساد اور خون خرابہ کی نوبت آجاتی ہے حتیٰ کہ نسلیں تک مشتبہ ہو جاتی ہیں۔ اس لیے اس سے ہر ممکن احتراز لازم ہے اور اس کے تمام راستوں کو بند کرنا ضروری ہے۔

زناکار کی دعا قبول نہیں

(۳) عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تُفْتَحُ أبْوَابُ السَّمَاءِ نِصفَ اللَّیْلِ فَیُنَادِی مُنَادٍ' ھل مِنْ دَاعٍ فَیُستَجَابُ لَہٗ؟ ھَلْ مِنْ سَائِلٍ فَیُعْطٰی ؟ ھَلْ مِنْ مَکْرُوْبٍ فَیُفَرَّجُ عَنْہ؟ فَلَا یَبْقٰی مُسْلِم یَدعُو بِدَعْوۃ إلَّا اسْتَجَابَ اللّٰہ عَزَّوجَل إلَّا زَانِیَۃ تَسْعٰی بِفَرْجِھَا أوْ عَشَّارًا۔

(رواه الطبرانی وأحمد الترغیب والترهیب ۳/۱۸۶)

''آدھی رات کے وقت آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور منادی آواز لگاتا ہے کہ کیا کوئی پکارنے والا ہے جس کی دعا قبول کی جائے؟ کیا کوئی سائل ہے جسے نوازا

جائے؟ کیا کوئی پریشان حال غمزدہ ہے جس کی پریشانی دور کی جائے؟ پس کوئی دعا مانگنے والا مسلمان باقی نہیں بچتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے سوائے اپنی شرمگاہ کو بدکاری میں لگانے والی زانیہ اور ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے کے (کہ ان کی دعا ایسے مقبول وقت میں بھی قبول نہیں ہوتی)''

اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ تین آدمیوں سے قیامت میں اللہ تعالیٰ نہ گفتگو کرے گا اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا۔ (۱) بوڑھا زنا کار (۲) جھوٹا بادشاہ (۳) قلاش متکبر۔

(رواہ مسلم ۱/۱۷، شعب الایمان ۲/۳۶۰)

زنا کار آگ کے تنور میں

(۴) جناب رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرے۔ ایک مرتبہ خود آپ ﷺ نے اپنا طویل خواب صبح کے وقت حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیان فرمایا کہ رات سوتے ہوئے خواب میں دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے ساتھ لے کر چلے۔ پھر کئی ایسے لوگوں پر گذر ہوا جنہیں طرح طرح کے عذاب دیئے جا رہے تھے (پھر آپ ﷺ نے فرمایا):

فَأَتَيْنَا عَلٰى مِثْلِ التَّنُّور قَالَ وَأَحْسِبُ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ فَإِذَا فِيْهِ لَغَطٌ وَأَصْوَاتٌ قَالَ فَاطَّلَعْنَا فِيْهِ فَإِذَا فِيْهِ رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ فَإِذَاهُمْ يَاتِيْهِمْ لَهَبٌ مِنْ أَسْفَلَ مِنْهُمْ فَإِذَا أَتَاهُمْ ذٰلِكَ اللَّهَبُ ضَوْضَوْا۔

''پھر ہم تنور جیسی جگہ پر آئے۔ راوی کہتا ہے کہ غالباً آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اس تنور کے اندر سے چیخ و پکار کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب ہم نے اس جھانکا تو اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں تھیں اور ان کے نیچے سے آگ کی لپٹ آ رہی تھی، تو جب آگ کی لپٹ آتی تو وہ شور مچاتے تھے''۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے ان بدنصیبوں کے بارے میں جاننا چاہا تو انہوں نے کہہ دیا کہ ابھی اور آگے چلیں۔ پھر سب مناظر دکھانے کے بعد ہر ایک کے بارے میں تعارف کرایا اور ان تنور والوں کے بارے میں کہا:

أَمَّا الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ الْعُرَاةُ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ مِثْلِ بِنَاءِ التَّنُّوْرِ فَإِنَّهُمُ الزُّنَاةُ وَالزَّوَانِيْ……

(بخاری شریف ۲/۱۰۴٤)

''اور وہ ننگے مرد و عورت جو تنور جیسی جگہ میں تھے وہ زنا کار مرد اور عورتیں تھیں''۔

شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ زنا کاروں کی یہ فضیحت آمیز اور ذلت ناک سزا اُن کے جرم کے عین مطابق ہے۔ اس لیے کہ (۱) زنا کار لوگوں سے چھپ کر عموماً جرم کرتا ہے۔ اس کا تقاضا ہوا کہ اسے ننگا کر کے رسوا کیا جائے۔ (۲) زنا کار جسم کے نچلے حصہ سے گناہ کرتا ہے جس کا تقاضا ہوا کہ تنور میں ڈال کر نیچے سے آگ دھکائی جائے۔

(کرمانی، فتح الباری، بحوالہ حاشیہ بخاری شریف حضرت نانوتوی ۲/۱۰۴۴)

زنا کار بدبودار

(۵) ایک اور حدیث میں بھی آنحضرت ﷺ کے طویل خواب کا ذکر ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

ثُمَّ انْطَلِقَ بِيْ فَإِذَا أَنَا بِقَوْمٍ أَشَدَّ شَيْءٍ انْتِفَاخًا وَأَنْتَنَهُ رِيْحًا كَانَ رِيْحَهُمُ الْمَرَاحِيْضُ قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ هٰؤُلَاءِ الزَّانُوْنَ۔

(راوه ابی خزیمة و ابن حبان فی صحیحهما، الترغیب و الترهیب ۳/۱۸۷)

''پھر مجھے لے جایا گیا تو میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جو (سڑنے کی وجہ سے) بہت پھول چکے تھے اور ان سے نہایت سخت بدبو آرہی تھی گویا کہ پاخانوں کی بدبو ہو، میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ یہ زنا کار لوگ ہیں''۔

ایک روایت میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں بوڑھے زنا کار پر لعنت کرتی ہیں اور بدکار عورتوں کی شرمگاہوں کی بدبو سے خود جہنمی بھی اذیت میں ہوں گے۔ (الترغیب والترہیب ۳/۱۹۰)

نیز ایک حدیث میں شراب پینے والوں کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ انہیں ''نہر غوطہ'' سے پانی پلایا جائے گا اور اس نہر کی حقیقت یہ بیان کی گئی:

نَهْرٌ يَجْرِیْ مِنْ فُرُوْجِ الْمُوْمِسَاتِ يُؤْذِیْ أَهْلَ النَّارِ رِيْحُ فُرُوْجِهِمْ۔

(رواه أحمد وغيره، الترغيب والترهيب ۳/۱۷۶)

''یہ ایسی نہر ہے جو زنا کار عورتوں کی شرمگاہوں سے نکلی ہے جن کی شرمگاہوں کی بدبو خود اہل جہنم کے لیے بھی باعث اذیت ہوگی۔ (اعاذنا اللہ منہ)

زنا موجبِ عذاب

(۶) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَيْرٍ مَالَمْ يَفْشُ فِيْهِمْ وَلَدُ الزِّنَا، فَإِذَا فَشَا فِيْهِمْ وَلَدُ الزِّنَا فَاَوْشَكَ اَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ ۔(مسند احمد ۶/۳۳۳)

''میری امت اس وقت تک برابر خیر میں رہے گی، جب تک کہ ان میں حرام اولاد کی کثرت نہ اور جب ان میں حرام اولاد کی کثرت ہو جائے گی تو عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں عمومی عذاب میں مبتلا کر دے گا''۔

نیز ایک صحیح روایت میں یہ مضمون بھی وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی کسی قوم میں زنا کاری یا سود خوری کی کثرت ہوگی وہ اپنے آپ کو عذابِ خداوندی کا مستحق بنا لیں گے۔ (الترغیب والترہیب ۳/۱۹۱)

زنا موجبِ فقر وفاقہ

(۷) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں:

إِذَا ظَهَرَ الزِّنَا ظَهَرَ الْفَقْرُ وَالْمَسْكَنَةُ۔ (فيض القدير ۴/۱۸۲)

''جب زنا کاری کی کثرت ہو جائے تو فقر ومحتاجگی عام ہو جائے گی''۔

اور دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا ظَهَرَتِ الْفَاحِشَةُ فِیْ قَوْمٍ قَطُّ يُعْمَلُ بِهَا فِيْهِمْ عَلَانِيَةً اِلَّا ظَهَرَ فِيْهِمُ الطَّاعُوْنُ وَالْاَوْجَاعُ الَّتِیْ لَمْ تَكُنْ فِیْ اَسْلَافِهِمْ ۔ (الترغيب والترهيب ۳/۱۱۸)

''جب بھی کسی قوم میں برسرِعام بے حیائی اور بدکاری کی کثرت ہوگی تو ان میں طاعون اور

ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی' جو ان سے پہلے لوگوں میں نہ پائی نہ جاتی تھیں''۔

امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں ایک حدیث نقل کی ہے' جس میں فرمایا گیا: ((الزنا یورث الفقر)) (شعب الایمان ٤/٢٦٣) یعنی زنا فقر و فاقہ کا سبب ہے۔

ان احادیث کی صداقت آج بالکل عیاں ہے۔ بے حیائیوں اور بدکاریوں سے بھرپور مغربی اور مشرقی معاشرہ میں ایسے خطرناک اور لاعلاج بدترین امراض جنم لے چکے ہیں جن کا نام بھی آج تک کبھی نہیں سنا گیا تھا اور فقر و فاقہ بالکل عیاں ہے۔ اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ روزی روٹی کی پریشانی ہو' بلکہ فقر کا مطلب محتاجگی ہے۔ آج وہ بے حیا معاشرہ اپنے ہر کام میں پوری طرح دوسری چیزوں کا محتاج بن چکا ہے' کہیں بجلی کی احتیاج ہے' کہیں گیس کی احتیاج ہے' کہیں ملازم کی کی احتیاج ہے' کہیں وسائل کی احتیاج ہے۔ الغرض انسان اپنی لذتوں کے پیچھے خود اپنی ہی ضرورتوں میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ عمر' وقت اور مال و دولت میں برکت ختم ہے اور بہترین صلاحیتیں لغو اور فضول کاموں میں ضائع ہو رہی ہیں۔

پانچویں فصل:

ہم جنسی کی لعنت

آج کا بے حیا معاشرہ شرم و حیا سے عاری ہو کر انسان ہونے کے باوجود اپنے آپ کو رذیل جانوروں کی صف میں کھڑا کر چکا ہے۔ ہم جنسی یعنی مردوں کا مردوں سے اور عورتوں کا عورتوں سے خواہشات پوری کرنے کا عمل وہ منحوس اور بدترین جرم ہے جس کا دنیا میں سب سے پہلے قوم لوط نے ارتکاب کیا جس کی وجہ سے اس قوم کو دنیا ہی میں ایسا بھیانک عذاب دیا گیا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی' ان کی بستیوں کو الٹ کر انہیں پتھروں سے سنگسار کیا گی اور جس جگہ یہ بستیاں الٹی گئیں' وہاں ''بحر مردار'' کے نام سے ایسی جھیل بن گئی' جس میں اب تک بھی کوئی جاندار چیز زندہ نہیں رہتی۔ (معارف القرآن)

اس منحوس عمل کی شریعت میں نہایت سخت مذمت وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ اَخْوَفِ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِی اَوْ عَلٰی هٰذَا الْاُمَّةِ عَمَلُ قَوْمِ لُوْطٍ۔

(شعب الایمان ٤/ ٣٥٤)

''ان بدترین چیزوں میں جن کا مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خطرہ ہے قوم لوط کا عمل ہے''۔

ایک روایت میں ہے کہ جب دو مرد ایسا کام کریں تو دونوں کو قتل کر دیا جائے یعنی ان پر زنا کی حد جاری کی جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کی سزا کے بارے میں فرمایا کہ اسے شہر کی سب سے اونچی عمارت سے گرا کر پتھروں سے سنگسار کر دیا جائے۔

(شعب الایمان ج ۴/ ۳۵۷)

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انہوں نے عرب کے بعض قبائل میں ایک ایسا شخص دیکھا ہے جس کے ساتھ عورتوں کی طرح نکاح کیا جاتا ہے۔ (یعنی ہم جنسی کی جاتی ہے) جب یہ خط حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور مشورہ فرمایا کہ ایسے شخص کو کیا سزا دی جائے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایسا جرم ہے جس کا صرف ایک امت یعنی قوم لوط نے ارتکاب کیا تھا تو اللہ انہیں ایسی سزا دی جو آپ جانتے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو آگ میں جلا دیا جائے۔ چنانچہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے بھی اس سے متفق ہوگئی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ شخص کو جلا دینے کا حکم دے دیا۔ (شعب الایمان ۴/ ۳۵۷)

حماد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو دو مرتبہ سنگسار کرنا مناسب ہوتا تو لواطت کرنے والے کو دو مرتبہ سنگسار کیا جاتا۔ (حوالہ بالا ۴/ ۳۵۷)

مشہور محدث محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ جانوروں میں سے بھی سوائے گدھے اور خنزیر کے کوئی جانور قوم لوط والا عمل نہیں کرتا۔ (تفسیر در منثور ۳/ ۱۸۷)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر یہ منحوس عمل کرنے والا شخص آسمان و زمین کے ہر قطرے سے بھی نہا لے پھر بھی (باطنی طور پر) ناپاک ہی رہے گا۔ (شعب الایمان ۴/ ۳۵۹)

خوبصورت لڑکوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا موجب فتنہ ہے

ہم جنسی سے بچنے کے لیے وہ تمام دروازے بند کرنے ضروری ہیں جو اس منحوس عمل تک پہنچاتے ہیں، بے ریش نوعمر بچوں کے ساتھ اختلاط سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے، بعض تابعین کا قول ہے کہ دیندار عبادت گزار نوجوانوں کے لیے پھاڑ کھانے والے درندے سے بھی بڑا دشمن اور نقصان دہ، وہ امرد لڑکا ہے جو اس کے پاس آتا جاتا ہے۔

حسن بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مالداروں کے بچوں کے ساتھ زیادہ اٹھا بیٹھا نہ کرو، اس لیے کہ ان کی صورتیں عورتوں کی طرح ہوتی ہیں اور ان کا فتنہ کنواری عورتوں سے زیادہ سنگین ہے۔ (شعب الایمان ۴/ ۳۵۸) کیونکہ عورتیں تو کسی صورت میں حلال ہوسکتی ہیں لیکن لڑکوں میں حلت کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوریؒ حمام میں داخل ہوئے تو وہاں ایک خوبصورت لڑکا بھی آ گیا تو آپ نے فرمایا کہ اسے باہر نکالو کیونکہ عورت کے ساتھ تو ایک شیطان ہوتا ہے اور لڑکوں کے ساتھ دس شیطان ہوتے ہیں۔ (شعب الایمان ۴/ ۳۶۰)

اِسی بناء پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے کہ جب بچے سمجھ دار ہو جائیں تو ان سب کے بستر علیحدہ کر دینے چاہیں تاکہ ابتداء ہی سے وہ بری عادتوں سے محفوظ ہو جائیں۔ نیز بچوں پر نظر رکھنی چاہیے کہ زیادہ وقت بالخصوص تنہائی کے اوقات بڑے لڑکوں کے ساتھ نہ گذاریں۔ اگر کئی بچے ایک کمرے میں رہتے ہوں تو ہر ایک کا بستر اور لحاف الگ ہونا چاہیے۔

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہو گیا کہ صرف اپنی منکوحہ بیویوں اور مملوکہ باندیوں سے ہی شہوت پوری کرنے کی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ قضاء شہوت کا کوئی بھی طریقہ شریعت ہرگز جائز نہیں ہے اور پردے وغیرہ کے، یا اجنبی عورتوں مردوں سے اختلاط کی ممانعت کے جو بھی احکام ہیں ان کا مقصد صرف یہی ہے کہ معاشرہ سے غلط طریقہ پر قضاء شہوت کا رواج ختم ہو۔ جو شخص ان باتوں کو سامنے رکھ کر اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے گا اور اپنی جوانی کو ان فواحش سے بچا لے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے اس کا بدلہ جنت کی صورت میں عطا فرمائے گا۔ ان شاء اللہ۔

شرمگاہ کی حفاظت پر انعام

① ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ سے چھ باتوں کی ضمانت لے لے میں اس کے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ چھ باتیں کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ إِذَا حَدَّثَ صَدَقَ، وَإِذَا وَعَدَ انْجَزَ، وَإِذَا اُتُمِنَ اَدّٰى وَمَنْ غَضَّ بَصَرَهٗ، وَحَفِظَ فَرْجَهٗ وَكَفَّ يَدَهٗ اَوْ قَالَ نَفْسَهٗ۔ (شعب الایمان ٤/٣٦٥)

''(۱) جو جب باتیں کرے تو سچ کہے (۲) جب وعدہ کرے تو پورا کرے (۳) جب امانت لے تو ادا کرے (۴) جو اپنی نگاہ نیچی رکھے (۵) جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے (۶) اور جو اپنے ہاتھ یا اپنی ذات کو (دوسروں کو اذیت دینے سے) روکے رکھے''۔

② ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَا شَبَابَ قُرَيْشٍ! اِحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ وَلَا تَزْنُوْا اَلَا! مَنْ حَفِظَ فَرْجَهٗ فَلَهُ الْجَنَّةُ۔

(شعب الایمان ٤/٣٦٥)

''اے قریش کے جوانو! اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھو اور زنا نہ کرو اچھی طرح سمجھ لو کہ جو شخص اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھ لے اس کے لیے جنت ہے''۔

(۳) ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

يَا فِتْيَانَ قُرَيْشٍ! لَا تَزْنُوْا فَإِنَّهٗ مَنْ سَلِمَ اللّٰهُ لَهٗ شَبَابَهٗ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

(شعب الایمان ٤.٣٦٥)

''اے قریش کے جوانو! زنا نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کی جوانی کو محفوظ کر دے وہ جنت میں داخل ہو گیا''۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ حَفِظَ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَبَيْنَ رِجْلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (شعب الایمان ٤/٣٦٠)

''جو شخص اس چیز کو محفوظ کر لے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور اس چیز کو محفوظ کرے جو دو پیروں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) وہ جنت میں داخل ہو گیا''۔

اسی طرح ایک روایت بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مذکورہ دو چیزوں کی مجھ سے ضمانت لے لے میں اس کے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔

(۵) ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے خوش نصیب لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جنہیں میدان محشر میں عرشِ خداوندی کے سایے میں بٹھایا جائے گا ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہے جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَالَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ الْاِمَامُ الْعَادِلُ وَشَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ يَمِيْنُهُ مَاتُنْفِقُ شِمَالُهُ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ تَعَالٰى خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ ۔

[بخاری : ۶۶۰، ۱۴۲۳، ۶۴۷۹، ۶۸۰۶، ترمذی : ۲۳۹۱، مسلم شریف ۱/ ۳۳۱]

''......ایسا شخص جسے کوئی عزت دار اور خوبصورت عورت بدکاری کے لیے بلائے اور وہ کہہ دے کہ مجھے اللہ سے ڈر لگ رہا ہے......''۔

زنا سے بچنے کی ایک عمدہ تدبیر

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے زنا کی اجازت دے سکتے ہیں؟ اس کی یہ جسارت دیکھ کر مجلس میں بیٹھے لوگ شور مچانے لگے اور کہنے لگے کہ سے اٹھاؤ (یہ کیا بک رہا ہے) مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں اسے بیٹھے رہنے دو اور مجھ سے قریب کرو۔ جب وہ قریب ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا یہ کام تم اپنی ماں کے ساتھ اچھا سمجھتے ہو؟ تو اس نے کہا نہیں، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اپنی ماں کے ساتھ اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اگر کوئی تمہاری بیٹی کے ساتھ ایسا کرے تو کیا تمہیں اچھا

لگے گا؟ تو اس نے کہا ہرگز نہیں یا رسول اللہ! تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسی طرح لوگ اپنی بیٹی کے ساتھ اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ وغیرہ کا ذکر کر کے اسی طرح سمجھایا تو اس کی سمجھ میں آ گیا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لیے دعا فرمایئے، تو آنحضرت ﷺ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دُعائیہ کلمات ارشاد فرمائے:

"اَللّٰھُمَّ اِغْفِرْ ذَنْبَہٗ وَطَھِّرْ قَلْبَہٗ وَحَصِّنْ فَرْجَہٗ۔

"اے اللہ اس کے گناہ معاف فرما، اس کا دل پاک فرما، اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما"۔

راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اس کی نگاہ کسی بدعملی کی طرف اُٹھتی ہی نہ تھی۔ (شعب الایمان ۳۶۲/۴)

اس واقعہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ السلام نے بدکاری سے بچنے کی ایک ایسی عمدہ تدبیر امت کو بتلائی ہے کہ جو بھی برائی کرنے والا ایک لمحہ کے لیے بھی اس بارے میں سوچ لے تو وہ اپنے غلط ارادے سے باز آ سکتا ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جس سے بدکاری کا ارادہ ہو گا وہ کسی کی بہن بیٹی یا ماں ضرور ہو گی اور جس طرح آدمی خود اپنی ماں، بہنوں کے ساتھ یہ جرم گوارا نہیں کرتا اسے سوچنا چاہیے کہ دوسرے لوگ اسے کیونکر گوارہ کریں گے؟

یہ قربِ قیامت کی علامت ہے

آج جو ہر طرف بے حیائیوں اور عریانیت کا سیلاب آ رہا ہے اس کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ ہی اپنی امت کو آگاہ فرما چکے ہیں تاکہ امت ان فواحش سے بچنے کی فکر کرے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَتَسَافَدَ النَّاسُ فِي الطُّرُقِ کَمَا تَتَسَافَدُ الدَّوَابُ یَسْتَغْنِی الرِّجَالُ بِالرِّجَالِ وَالنِّسَاءُ بِالنِّسَاءِ۔ (کتاب الفتن للمروزی: ۳۹۰)

"قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک کہ لوگ جانوروں کی طرح راستوں میں (برسرعام) جماع کریں گے اور مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے اپنی خواہش پوری کریں گی"۔

اور ایک دوسری موقوف روایت کا مضمون ہے:

تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ لَا یَأْمُرُوْنَ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا یَنْهَوْنَ عَنْ مُنْکَرٍ یَتَهَارَجُوْنَ کَمَا تَهَارَجَ الْحُمُرُ اَخَذَ رَجُلٌ بِیَدِ امْرَأَةٍ فَخَلَا بِهَا فَقَضٰی حَاجَتَهٗ مِنْهَا ثُمَّ رَجَعَ اِلَیْهِمْ یَضْحَکُوْنَ اِلَیْهِ وَ یَضْحَکُ اِلَیْهِمْ۔ (کتاب الفتن : ۳۹۵)

"قیامت ایسے بدترین خلائق لوگوں پر قائم ہوگی جو نہ تو اچھی بات کا حکم کرنے والے ہوں گے اور نہ برائی پر روک ٹوک کرنے والے ہوں گے وہ گدھوں کی طرح (برسرِ عام) شہوت رانی کریں گے۔ ایک آدمی کسی عورت کا ہاتھ پکڑ کر تنہائی میں لے جائے گا اور اس سے قضائے شہوت کر کے پھر لوگوں کے سامنے لوٹے گا جبکہ وہ اسے دیکھ کر ہنستے ہوں گے اور یہ انہیں دیکھ کر ہنستا ہوگا"۔

یعنی شرم و حیا کا بالکل جنازہ نکل جائے گا۔ زنا کاری موجب عار نہ رہے گی اور اس معاملہ میں انسان اور جانوروں میں تمیز ختم ہو جائے گی۔ آج یہ نبوی پیش گوئیاں حرف بحرف پوری ہوتی نظر آ رہی ہیں۔ مغربی ممالک کا تو کہنا ہی کیا' مشرقی اقدار کے محافظ کہلائے جانے والے ممالک' یہاں تک کہ بعض مسلم ممالک میں بھی ایسے حیاء سوز مناظر اب کثرت سے نظر آنے لگے ہیں۔ اب ڈسکوڈانس کے نام پر تہذیب و ثقافت کے نام پر اور کھیل کود کے نام پر صنف نازک کا استحصال عام ہے۔ ٹیلی ویژن کے علمی پروگرام جن تک رسائی اب کسی جگہ' کسی کے لیے بھی مشکل نہیں رہی ہے' خاص طور پر زنا کاری کی تعلیم و تبلیغ میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ اب زنا کاری کے فروغ کے لیے باقاعدہ عالمی کانفرنسیں ہوتی ہیں' جن کی تمام تر تجاویز کا لب لباب صرف اور صرف یہی نکتہ ہوتا ہے کہ کیسے اور کس طرح ہر مرد و عورت کے درمیان ناجائز تعلقات کی رکاوٹیں دور کی جائیں۔ زنا کاری کی ایک بڑی رکاوٹ شرم و حیا کا فطری انسانی جذبہ تھا' اس کو تو مغربی تہذیب نے بالکل مردہ کر ہی دیا تھا' دوسری بڑی رکاوٹ عورت کے لیے ناجائز بچہ کی ذلت ہے اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے آج مانع حمل اشیاء ہر جگہ عام کر دی گئیں اور اسقاط حمل کے

انتظامات شہر در شہر کر دیئے گئے تا کہ یہ شیطانیت اور بہیمیت بے خوف وخطر پروان چڑھے اور ذلت ورسوائی کے اندیشے سے بے پرواہ ہو کر جانوروں کی طرح انسان بھی شہوت رانی کرتے پھریں۔اَللّٰھُمَّ احفظنَا مِنہ۔

ایسے پرخطر اور پرفتن ماحول میں ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ غیروں کی دیکھا دیکھی انسانیت اور شرم وحیا کو داؤ پر نہ لگائے۔ بلکہ اس کی بھر پور حفاظت کرے اور گھر کے افراد کی نقل و حرکت پر پوری نگاہ رکھے اور شیطانیت کے مبلغ اعظم ''ٹیلی ویژن'' کے زہریلے جراثیم سے اپنے ایمانی ماحول کو گندا اور نجس نہ ہونے دے۔اس کے بغیر اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا جذبہ اور تقاضا ہرگز پورا نہیں ہوسکتا۔اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ہر مسلمان کو اپنی شرمگاہ کی کامل حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

باب سوم:

دل کی حفاظت

- دل کی صفائی
- حرص و بخل کی مذمت
- جود وسخا
- بغض وعداوت
- تزکیہ کی ضرورت

پہلی فصل:

دِل کی حفاظت

پیٹ اور اس کے متعلقات کے حفاظت کے حکم سے ''دل'' کی حفاظت کا حکم بھی مستفاد ہوتا ہے۔ ''دل'' انسانی جسم میں ''بادشاہ'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ سارے اعضاء دِل کے بیگاری خادم اور اس کے اطاعت گذار ہیں۔ لہٰذا اگر دل صحیح ہو تو سارے اعضاء سیدھے راستہ پر رہیں گے اور دِل بگڑ جائے تو تمام اعضاء غلط راستے پر چل پڑیں گے۔ اسی بناء پر جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَلَا! وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةٌ إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا! وَهِيَ الْقَلْبُ۔ (بخاری شریف ۱۳/۱)

''خبردار ہو بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے کہ اگر وہ درست ہے تو سارا بدن درست رہے گا اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا بدن خراب ہو جائیگا۔ خبردار! وہ (گوشت کا لوتھڑا) یہی دل ہے''۔

اس لیے ضروری ہے کہ دل کو شریعت کے تابع بنایا جائے تاکہ دیگر اعضاء و جوارح غلط اور ناجائز امور کے ارتکاب سے محفوظ رہیں۔ قرآن کریم میں دل کی صفائی اور تزکیہ کو جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا اہم ترین مقصد شمار کیا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ۔ (الجمعة : ۲)

''وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا' پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے''۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی اس ذمہ داری کو باحسن وجوہ پورا فرمایا اور اپنے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایسی تربیت فرمائی کہ ان کے قلوب مزکی اور مجلّی ہوگئے کہ فرشتے بھی ان پر رشک کرنے لگے اور انہیں اعمالِ خیر اور عبادات میں لذت و حلاوت کی ایسی عدیم المثال کیفیت نصیب ہوئی کہ آج امت کا بڑے سے بڑا قطب یا ولی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے صحابی کے

رتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ عظمت اور ان کا یہ بلند مرتبہ و مقام ان کے دلوں کی صفائی ہی کا مظہر ہے۔ اسی دل کی صفائی نے انہیں صدق و اخلاص، کمالِ اخلاق اور ایثار و مواخات کا وہ اعلیٰ انسانی جذبہ عطا کیا ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں پیش نہیں کی جا سکتی۔

دِل کے امراض

دِل کے روحانی امراض بہت زیادہ ہیں جن کا اثر پوری انسانی زندگی پر پڑتا ہے۔ ان میں چند امراض نہایت خطرناک ہیں۔ ان میں سے ہر ایک، صرف ایک مرض نہیں بلکہ سینکڑوں امراض کے وجود میں آنے کا سبب ہے۔ اس لیے ہر وہ مؤمن جو اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کی صفت سے متصف ہونا چاہتا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلب کو بالخصوص درج ذیل بنیادی امراض سے محفوظ رکھے:

① دنیا کی محبت ② بغض و عداوت ③ آخرت سے غفلت۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر مذکورہ امراض سے دل کو پاک کر لیا جائے تو ان شاء اللہ روحانی اعتبار سے قلب پوری طرح صحت یاب ہو گا اور پورا جسم انسانی اطاعت خداوندی کے جذبہ سے سرشار اور گناہوں سے محفوظ ہو جائے گا۔

دُنیا کی محبت

دنیا کی محبت انسان کی طبیعت میں داخل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ (آل عمران: ١٤)

”فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کیے ہوئے سونے اور چاندی کے، اور گھوڑے نشان لگائے اور مویشی اور کھیتی“۔

اور یہ محبت ضروری ہے۔ اس کے بغیر نظام کائنات برقرار نہیں رہ سکتا۔ لیکن اگر یہ محبت اتنی زیادہ بڑھ جائے کہ انسان اپنے مقصد تخلیق سے غافل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات اور بندوں کے حقوق کو پس پشت ڈال دے تو پھر یہ محبت خطرناک قلبی اور روحانی مرض میں تبدیل ہو

جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے انسانی بدن کے لیے ''شوگر'' ایک خاص مقدار میں ہونی ضروری ہے۔ اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہی شوگر جب حد سے زیادہ پیدا ہونے لگی ہے تو ایسے لاعلاج مرض میں تبدیل ہو جاتی ہے جو جسم کی رگوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے اور انسان کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب دنیا کی محبت حد سے متجاوز ہو جاتی ہے تو وہ تمام گناہوں کی جڑ اور بنیاد بن جاتی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کے مراسیل میں میں جملہ مشہور ہے۔

حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَةٍ۔ (فیض القدیر ۳/٤٤٨)

''دنیا کی محبت ہر برائی کی بنیاد ہے''۔

علامہ مناویؒ (شارح جامع صغیر للسیوطیؒ) لکھتے ہیں کہ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ دنیا کی محبت ہی ہر برائی کی بنیاد بنی ہے مثلاً پرانی سرکش قوموں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا اسی لیے انکار کیا کہ وہ لذتوں میں مبتلا تھے اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کرنے سے ان کی لذتوں اور شہوتوں کی تکمیل میں خلل آتا تھا۔ اس لیے وہ اپنے داعیوں کی مخالفت پر اتر آئے۔ اس طرح ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے اسی لیے انکار کیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کو اپنی ریاست اور بڑائی میں رکاوٹ سمجھتا تھا' یہی معاملہ نمرود' فرعون' ہامان وغیرہ کا تھا کہ یہ لوگ حب جاہ کے نشہ میں بدمست ہو کر انبیاء علیہم السلام کے جانی دشمن بن گئے۔ (فیض القدیر ۳/۴۴۹)

یہ دنیا کی محبت بڑے بڑے روحانی امراض کو جنم دیتی ہے۔ ان میں ایک بڑی بیماری ''حرص و طمع'' ہے۔

حرص

جب آدمی پر دنیا کی محبت کا نشہ چڑھتا ہے تو وہ حرص کا مریض بن جاتا ہے' یعنی اس کے پاس کتنا ہی مال و دولت جمع ہو جائے مگر پھر بھی وہ ''ہل من مزید'' کا طلبگار رہتا ہے اور دولت کی کوئی مقدار بھی اس کے لیے سکون اور قناعت کا عث نہیں بن پاتی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَوْ أَنَّ ابْنَ آدَمَ اُعْطِیَ وَادِیًا مُلِیَّ مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ إِلَیْهِ ثَانِیًا وَلَوْ اُعْطِیَ ثَانِیًا اَحَبَّ

اِلَیْہِ ثَالِثًا وَلَا یَسُدُّ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَ یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ۔

(بخاری شریف ۲ ۹۵۳)

"اگر آدمی کو سونے سے بھری ہوئی ایک پوری وادی دے دی جائے تو وہ دوسری وادی کا طلبگار ہوگا وراگر دوسری دے دی جائے تو تیسری کا طلبگار ہوگا اور آدمی کا پیٹ تو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے (یعنی مرنے کے بعد ہی ان تمناؤں کا سلسلہ ختم ہوگا) اور جو توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا"۔

اور ایک دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یَکْبُرُ ابْنُ اٰدَمَ وَیَکْبُرُ مَعَہٗ اِثْنَانِ حُبُّ الْمَالِ وَطُوْلُ الْعُمُرِ۔

(بخاری شریف ۲/ ۹۵۰)

"آدمی بڑا ہو جاتا ہے اور ساتھ میں اس کی دو خواہشیں بھی بڑھتی رہتی ہیں۔ ایک مال کی محبت دوسرے لمبی عمر کی تمنا"۔

نیز ایک ضعیف حدیث میں مضمون آیا ہے کہ "دو شخصوں کی بھوک نہیں مٹتی ایک علم کا دھنی کہ اسے کسی علم پر قناعت نہیں ہوتی' دوسرے مال کا بھوکا کہ اسے کتنا ہی مل جائے مگر وہ زیادتی ہی کی فکر میں رہتا ہے"۔ (مشکوۃ شریف ۱/۱۱۲)

حریص شخص کو کبھی بھی قلبی سکون نصیب نہیں ہوتا۔ مال کی مدہوشی میں اس کی راتوں میں نیندیں اڑ جاتی ہیں اور دن کا سکون جاتا رہتا ہے۔ حالانکہ مال و دولت اصل مقصود نہیں بلکہ دلی اطمینان ہی اصل میں مطلوب ہے۔ یہ اگر تھوڑے سے مال کے ساتھ بھی نصیب ہو تو آدمی غنی ہے اور اگر مال کی بہتات کے ساتھ دلی سکون میسر نہ ہو تو وہ غنی کہلائے جانے کے لائق نہیں ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَۃِ الْعَرَضِ وَلٰکِنَّ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ۔

(بخاری شریف ۲/ ۹۵٤' مسلم شریف ۱/ ۳۳٦ ترمذی ۲/ ٦۰)

"زیادہ اسباب اور سامان ہونے کا نام غنا نہیں ہے بلکہ اصل غنا دل کا غنی اور مطمئن ہونا ہے"۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حرص کا روگ ایسا خطرناک ہے کہ انسانی زندگی کی روح ہی ختم

کر دیتا ہے بلکہ خود انسانی اقدار کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا اس بیماری کا علاج ضروری ہے۔

حرص کا ایک مجرب علاج

حرص کے مرض کو ختم کرنے کے لیے ان احادیث کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جن میں دنیا کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ مثلاً ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ ۔ (مسلم شریف عن ابی ہریرۃؓ ۲/۴۰۷)

''دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے''۔

یعنی مؤمن کو دنیا میں اس طرح رہنا چاہیے جیسے ایک قیدی قید خانے میں رہتا ہے کہ قید خانہ کی کوئی چیز اسے اچھی نہیں لگتی بلکہ وہ ہر قیمت پر قید سے باہر آنے کی تگ و دو کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح مؤمن کو دنیا میں رہتے ہوئے یہاں کی چیزوں سے لو لگانے اور اس کی حرص و طمع کے بجائے آخرت میں جانے کا سامان اور اسباب فراہم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَہٗ اَضَرَّ دُنْیَاہُ فَاٰثِرُوْہُ مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی۔ (مشکاۃ شریف ۲/۴۴۱)

''جو اپنی دنیا سے لگاؤ رکھے گا وہ اپنی آخرت کا نقصان کرے گا اور جو اپنی آخرت پسند کرے گا وہ اپنی دنیا گنوائے گا۔ لہٰذا فنا ہونے والی دنیا کے مقابلے میں باقی رہنے والی آخرت کو ترجیح دو''۔

دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں سمندر کے ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ لہٰذا عقلمندی اور عاقبت اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ اس چندروزہ زندگی کے لیے حرص کر کے اپنی آخرت کو برباد نہ کیا جائے۔

اسی طرح حرص کو ختم کرنے کے لیے یہ یقین بھی بہت مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جو رزق پہلے سے متعین کر دیا ہے وہ بہر حال مل کر رہے گا اور ہماری موت اس وقت تک نہیں آ سکتی جب تک کہ ہم اپنے لیے مقدر کے ہر ہر لقمے کو حاصل نہ کرلیں۔ متعدد احادیث میں اس

سلسلہ میں مضامین وارد ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں حرص کو ختم کر کے قناعت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک نہایت پر تاثیر نسخہ تجویز فرمایا ہے جو درج ذیل ارشادِ گرامی میں موجود ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں:

اِذَا نَظَرَ اَحَدُ كُمْ اِلٰى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ۔ (بخاری شریف ۲/ ۹۶۰)

''جب تم میں سے کسی شخص کے نظر ایسے آدمی پر پڑے جسے مال یا صحت و تندرستی میں اس پر فضیلت حاصل ہو تو اس شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے سے نیچے درجے کے آدمی پر نظر کرے''۔

یعنی عموماً مال میں حرص کی بنیاد یہی ہوتی ہے کہ آدمی ہمیشہ اوپر والوں کی طرف نظر کرتا ہے۔ مثلاً تین کروڑ والا ہے تو چار کروڑ والے پر نظر کرے گا۔ چار کروڑ والا تو پانچ والے پر نظر کرے گا اس طرح کسی بھی حد پر اسے قناعت نصیب نہیں ہوتی۔ لیکن آدمی اپنے سے نیچے والوں کو دیکھنے لگے تو شکر کا جذبہ بھی عطا ہوتا ہے اور حرص کا اصل سبب بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ اس مرض کا ہمارے دل سے خاتمہ ہو اور آخرت کے فوائد کو حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

دوسری فصل:

بخل

دُنیا کی محبت سے جو امراض پھیلتے ہیں ان میں ایک مہلک مرض ''بخل'' ہے جو انسان کو بہت سے اعمال خیر سے روکنے کا سبب بنتا ہے ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صَلَاحُ أَوَّلِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بِالزَّهَادَةِ وَالْيَقِيْنِ هَلَاكُهَا بِالْبُخْلِ وَالْاَمَلِ۔

(الطبرانی فی الاوسط ۸/ ۳۱۶)

''اس امت کی سب سے پہلی صلاح کا سبب یقین اور زہد (کے اوصاف) تھے اور اس میں بگاڑ کی ابتداء بخل اور ہوس سے ہوگی''۔

بخیل مال کی محبت میں ایسا مجبور ہو جاتا ہے کہ عقل کے تقاضے اور شرعی واضح حکم کے باوجود اسے خرچ کرنا بہت سخت ترین بوجھ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی اس کیفیت کو درج ذیل حدیث میں اس طرح واضح فرمایا گیا:

مَثَلَ الْبَخِيْلِ وَ الْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ اَيْدِيْهِمَا اِلٰى ثُدِيِّهِمَا وَتَرَا قِيْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ حَتّٰى تُغَشِّىَ اَنَامِلَهٗ وَتَعْفُوَ اَثَرَهٗ وَجَعَلَ الْبَخِيْلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَاَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ مَّكَانَهَا قَالَ فَاَنَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ بِاِصْبَعِهٖ فِىْ جَيْبِهٖ فَلَوْ رَاَيْتَهٗ يُوَسِّعُهَا وَلَا تَوَسَّعُ ۔

(متفق علیہ۔ مسلم شریف ۳۲۸/۱، مشکاۃ شریف ۱۶٤/۱)

''کنجوس آدمی اور صدقہ خیرات کرنے والے آدمی کی مثال ایسے دو شخصوں کی طرح ہے جو لوہے کی دو زرہیں پہنے ہوئے ہوں جس کی (تنگی کی) وجہ سے ان کے دونوں ہاتھ ان کے سینے اور گردن سے چمٹ گئے ہوں۔ پس جب صدقہ دینے والا صدقہ دینا شروع کرتا ہے تو اس کی زرہ کھلتی چلی جاتی ہے (اور انبساط کے ساتھ اپنا ارادہ پورا کرتا ہے) اور جب بخیل کچھ صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو زرہ کے سب اجزاء مل جاتے ہیں اور ہر ہر جوڑ اپنی جگہ پکڑ لیتا ہے (جس کی بناء پر بخیل کے لیے صدقہ کے ارادہ کو پورا کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے)''۔

ضروری اور واجبی جگہوں پر خرچ کرنے میں بخل کرنا قرآن کریم میں کافروں اور منافقوں کا عمل بتایا گیا ہے۔ بالخصوص زکوٰۃ فرض ہونے کے باوجود زکوٰۃ نہ نکالنا بدترین عذاب کا موجب ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا

كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔(التوبہ : ۳۴)

''اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجیے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کو پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا (اور یہ جتلایا جائے گا کہ) یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر رکھا تھا' سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو''۔

ایک عبرتناک واقعہ

دورِ نبوی میں ایک شخص ثعلبہ بن ابی حاطب[1] تھا اس نے نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اس کے لیے مالی وسعت کی دعا فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کر سکو وہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا تم حق ادا نہ کر سکو''۔ اس نے پھر وہی درخواست دہرائی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے ثعلبہ! کیا تو اللہ کے نبی کی حالت طرح اپنانے پر راضی نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میری جان ہے اگر میں چاہوں کہ سونے چاندی کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں تو وہ چلنے پر تیار ہو جائیں (مگر مجھے یہ پسند نہیں) یہ سن کر ثعلبہ بولا: اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے! اگر آپ نے اللہ سے دعا کر دی اور مجھے اللہ نے مال دے دیا تو میں ضرور ہر حق دار کو اس کا حق ادا کروں گا' تو آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی: اَللّٰھم ارزق ثَعلَبة مالاً (اے اللہ! ثعلبہ کو مال عطا فرما) چنانچہ ثعلبہ نے کچھ بکریاں پال لیں تو ان میں کیڑے مکوڑوں کی طرح زیادتی ہوئی تا آنکہ مدینہ کی رہائش اس کے لیے تنگ پڑ گئی۔ چنانچہ وہ آبادی سے ہٹ کر قریب کی ایک وادی میں مقیم ہو گیا اور صرف دن کی دو نمازیں ظہر اور عصر مسجد نبوی میں پڑھتا تھا۔ بقیہ نمازوں میں نہیں آتا تھا۔ پھر

---

[1] عام مفسرین نے اس کا نام ثعلبہ بن حاطب ذکر کیا ہے جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ابن مردویہ کے حوالہ سے یہ ثابت کیا کہ یہ واقعہ ثعلبہ بن حاطب کا نہیں بلکہ ثعلبہ بن ابی حاطب کا ہے۔ ثعلبہ بن حاطبؓ بدری صحابی ہیں۔ ان سے ایسے واقعہ کا صدور بعید ہے اور ثعلبہ بن ابی حاطب منافق ہے۔ وہ ابن اسحٰق کی صراحت کے مطابق مسجد ضرار کی تعمیر میں بھی شریک تھا۔ (الاصابہ ۱/۲۱۶)

بکریوں اور زیادہ بڑھ گئیں کہ وہ وادی بھی تنگ پڑنے لگی تو وہ اور دور چلا گیا بقیہ نمازوں میں نہیں آتا تھا۔ پھر بکریاں اور زیادہ بڑھ گئیں کہ وادی بھی تنگ پڑنے لگی تو وہ اور دور چلا گیا کہ ہفتہ میں صرف جمعہ کی نماز کے لیے مدینہ آیا کرتا تھا۔ تا آنکہ یہ معمول بھی چھوٹ گیا۔ اب جو قافلے راستے سے گذرتے تھے ان سے مدینہ کے حالات معلوم کرنے ہی پر اکتفاء کرتا تھا۔ اسی دوران ایک روز آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کہ ثعلبہ کہاں ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ اس نے بکریاں پالی تھیں وہ اتنی بڑھیں کہ اس کے لیے مدینہ رہنا مشکل ہو گیا چنانچہ وہ دور چلا گیا ہے' تو نبی اکرم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: یاویح ثعلبة (ہائے ثعلبہ کی تباہی) پھر جب صدقات وصول کرنے کا حکم نازل ہوا تو آنحضرت نے قبیلہ جہینہ اور بنو سلیم کے دو آدمیوں کو ثعلبہ اور ایک سلمی شخص کا صدقہ وصول کرنے بھیجا۔ وہ دونوں سفیر پہلے ثعلبہ کے پاس پہنچے اور اس سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا اور آنحضرت کی تحریر پڑھ کر سنائی۔ وہ بولا: یہ تو جزیہ (ٹیکس) ہے۔ میں نہیں جانتا یہ کیا ہے؟ اور اب تم جاؤ دوسرے لوگوں سے نبٹ کر میرے پاس آنا وہ دونوں اس کے بعد سلمی شخص کے پاس گئے اس نے بطیب خاطر جو حق بنتا تھا وہ بہتر انداز میں عطا کیا پھر اور لوگوں سے صدقات وصول کر کے واپسی میں پھر وہ ثعلبہ کے پاس آئے۔ اس نے اب بھی انہیں ٹیکس کہہ کر ٹال دیا اور کہا کہ جاؤ میں سوچوں گا۔ وہ دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ابھی روداد سنائی بھی نہ تھی کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثعلبہ کے بارے میں: یاویح ثعلبه (ثعلبہ پر افسوس ہے) فرمایا اور سلمی شخص کے لیے برکت کی دعا فرمائی چونکہ ثعلبہ نے صدقہ سے انکار کر کے اپنے اس وعدہ اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی جو اس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کیا تھا کہ میں مال کا حق ادا کروں گا۔ اس لیے اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں:

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ۔ (التوبہ: ۷۵ تا ۷۸)

''اور بعضے ان میں سے وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم ضرور

خیرات کریں اور ہوں گے نیکی والوں میں۔ پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے تو اس میں بخل کیا اور پھر گئے ٹلا کر۔ پھر اس کا اثر رکھ دیا نفاق ان کے دلوں میں جس دن تک کہ وہ اس سے ملیں گے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ اس سے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ بولتے تھے جھوٹ' کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ جانتا ہے ان کا بھید اور ان کا مشورہ اور یہ کہ اللہ خوب جانتا ہے سب چھپی باتوں کو''۔

جب یہ خبر ثعلبہ کو پہنچی تو وہ اپنا صدقہ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور اسے قبول کرنے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے' تو وہ اپنے سر پر مٹی ڈال کر اظہارِ افسوس کرنے لگا' تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ تیرے عمل بد کی نحوست ہے' تو نے میری بات کیوں نہیں مانی؟ یہ سن کر وہ واپس چلا آیا پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اس نے حضرت ابوبکر صدیق' حضرت فاروقِ اعظم اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے سامنے اپنا مال پیش کیا مگر ان سب حضرات نے یہ کہہ کر اس کا مال لینے سے انکار کردیا کہ جب آنحضرت ﷺ نے قبول نہیں کیا تو ہم کیسے قبول کرسکتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ۶۲۲ طبع جدید دارالسلام ریاض)

دیکھئے! مال کی محبت' حرص اور بخل نے اس شخص کو کیسا راندۂ درگاہ بنادیا۔ اس لیے لازم ہے کہ جب کوئی شرعی مالی حق اپنے ذمہ میں واجب ہوجائے تو نہایت خوش دِلی سے اسے ادا کیا جائے۔ اگر اس میں بخل ہوگا تو اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس کا دل ایک مہلک روحانی بیماری میں مبتلا ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں بخل کرنے والوں کے لیے بھیانک سزا

اِس دور میں زکوٰۃ کو ایک بڑا بوجھ سمجھا جانے لگا ہے۔ اسراف اور فضول خرچی تو عام ہے۔ ایک ایک تقریب پر لاکھوں لاکھ روپے پانی کی طرح بہادیے جاتے ہیں لیکن حساب لگا کر زکوٰۃ نکالنا طبیعت کو بڑا شاق اور گراں گزرتا ہے۔ اسی بناء پر اگر کوئی مدرسہ کا سفیر یا مستحق فقیر کسی مالدار شخص کے دوروازے پر پہنچ جائے تو اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑجاتی ہیں۔ موڈ خراب ہوجاتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ جلد سے جلد یہ سائل اس کے سامنے سے ہٹ جائے کئی چکر کٹوانے کے

بعد اگر کچھ زکوٰۃ کے نام پر رقم دی بھی جاتی ہے تو انداز ایسا ہوتا ہے گویا اس پر بڑا احسان کیا جا رہا ہو۔ یہ سب تنگ نظری اور آخرت سے غفلت کی علامتیں ہیں۔ اگر ایسے حضرات زکوٰۃ کے بارے میں شریعت کے تاکیدی احکام اور زکوٰۃ نہ دینے کے بارے میں رونگٹے کھڑے کر دینے والی وعیدیں پیش نظر رکھیں (اور بہت سے خوش نصیب حضرات اس کا خیال رکھتے بھی ہیں) تو وہ نہ زکوٰۃ دینے سے جی چرائیں گے اور نہ زکوٰۃ لینے والوں کو برا سمجھیں گے۔ اس وقت وعیدوں سے متعلق چند روایتیں ذکر کی جاتی ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّلَا فِضَّةٍ لَّا یُؤَدِّیْ مِنْهَا حَقَّهَآ اِلَّآ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ صُفِّحَتْ لَهٗ صَفَائِحُ مِنْ نَّارٍ فَاُحْمِیَ عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَیُکْوٰی بِهَا جَنْبُهٗ وَجَبِیْنُهٗ وَظَهْرُهٗ کُلَّمَا بَرَدَتْ اُعِیْدَتْ لَهٗ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیَرٰی سَبِیْلَهٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْاِبِلُ قَالَ وَلَا صَاحِبُ اِبِلٍ لَّا یُؤَدِّیْ مِنْهَا حَقَّهَا وَمِنْ حَقِّهَا حَلَبُهَا یَوْمَ وِرْدِهَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ اَوْ فَرَمَا کَانَتْ لَا یَفْقِدُ مِنْهَا فَصِیْلًا وَّاحِدًا تَطَؤُهٗ بِاَخْفَافِهَا وَتَعَضُّهٗ بِاَفْوَاهِهَا کُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ اُوْلَا هَارُدَّ عَلَیْهِ اُخْرَاهَا فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیَرٰی سَبِیْلَهٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ قَالَ وَلَا صَاحِبُ بَقَرٍ وَّ لَا غَنَمٍ لَّا یُؤَدِّیْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ لَّا یَفْقِدُ مِنْهَا شَیْئًا لَیْسَ فِیْهَا عَقْصَآءُ وَلَا جَلْحَاءُ وَلَا عَضْبَاءُ تَنْطَحُهٗ بِقُرُوْنِهَا وَتَطَؤُهٗ بِاَظْلَافِهَا کُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ اُوْلٰهَا رُدَّ عَلَیْهِ اُخْرٰهَا فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیَرٰی سَبِیْلَهٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ وَ اِمَّا اِلَی النَّارِ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْخَیْلُ قَالَ الْخَیْلُ ثَلَاثَةٌ هِیَ لِرَجُلٍ وِّزْرٌ وَّ هِیَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَّ هِیَ لِرَجُلٍ اَجْرٌ فَاَمَّا الَّتِیْ هِیَ لَهٗ وِزْرٌ فَرَجُلٌ رَّبَطَهَا رِیَآءً وَ فَخْرًا وَّ نِوَآءً عَلٰی اَهْلِ

الْإِسْلَامِ فَهِيَ لَهُ وِزْرٌ وَّ اَمَّا الَّتِيْ هِيَ لَهُ سِتْرٌ فَرَجُلٌ رَّبَطَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ فِيْ ظُهُوْرِهَا وَلَا رِقَابِهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ وَّاَمَّا الَّتِيْ هِيَ لَهُ اَجْرٌ فَرَجُلٌ رَّبَطَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لِاَهْلِ الْإِسْلَامِ فِيْ مَرْجٍ وَ رَوْضَةٍ فَمَا اَكَلَتْ مِنْ ذٰلِكَ الْمَرْجِ اَوِالرَّوْضَةِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا كُتِبَ لَهُ عَدَدَ مَا اَكَلَتْ حَسَنَاتٌ وَّ كُتِبَ لَهُ عَدَدَ اَرْوَاثِهَا وَاَبْوَالِهَا حَسَنَاتٌ وَّ لَا تَقْطَعُ طِوَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا اَوْ شَرَفَيْنِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ عَدَدَ اٰثَارِهَا وَاَرْوَاثِهَا حَسَنَاتٍ وَّلَا مَرَّ بِهَا صَاحِبُهَا عَلٰى نَهْرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَا يُرِيْدُ اَنْ يَّسْقِيَهَآ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ عَدَدَ مَاشَرِبَتْ حَسَنَاتٍ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْحُمُرُ قَالَ مَآ اُنْزِلَ عَلَيَّ فِي الْحُمُرِ شَيْءٌ اِلَّا هٰذِهِ الْاٰيَةَ الْفَاذَّةَ الْجَامِعَةَ : ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾

(۹۹ / الزلزال:۷،۸) [بخاری : ۱۳۷۱، ۲۳۴۶، ۲۹۶۲، ۴۹۶۲، ۷۳۵۶، نسائی : ۳۵۶۵]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جو کوئی بھی سونے اور چاندی کا مالک اس کا حق ادا نہ کرے گا (یعنی زکوٰۃ نہ دے گا) مگر یہ کہ قیامت کے دن اس کے لئے آگ کے پترے تیار کئے جائیں گے، جنہیں جہنم کی آگ میں تپا کر اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا اور جب ایک پتر تپایا جائے گا تو اس کی جگہ دوبارہ لایا جائے گا ایسے دن میں جس کی مقدار ۵۰ ہزار سال ہوگی (اور یہ عمل اس کے ساتھ برابر جاری رہے گا) تا آنکہ بندوں کے درمیان فیصلے کی کارروائی پوری ہو، پھر اسے معلوم ہوگا کہ اس کا ٹھکانا جنت ہے یا جہنم۔''

یہ روایت طویل ہے اس میں آگے یہ ذکر ہے کہ اگر وہ اپنے مملوکہ مویشیوں اونٹ، گائے یا بکری کی زکوٰۃ نہ نکالے گا تو یہ جانور بڑے سے بڑے ہونے کی حالت میں اپنے مالک کو اپنے سینگوں، پیروں اور کھروں سے روند ڈالیں گے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

(۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ! اَنَا مَالُكَ! ثُمَّ تَلَا :وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ......(رواہ البخاری ۱/ ۱۸۸)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال و دولت سے نوازے پھر وہ اس کا حق ادا نہ کرے تو وہ مال اس کے سامنے قیامت کے دن ایک گنجے ناگ کی شکل میں لایا جائے گا۔ جس کی آنکھ کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے (جو اس سانپ کے شدید زہریلے ہونے کی نشانی ہے) یہ اس سانپ اس مالدار کے گلے میں قیامت کے روز طوق بن جائے گا۔ پھر اس کا جبڑا پکڑ کر کہے گا: میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ''۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۔

''اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے حق میں، بلکہ یہ بہت برا ہے ان کے حق میں، طوق بنا کر ڈالا جائے گا ان کے گلوں میں وہ مال، جس میں بخل کیا تھا، قیامت کے دن۔''

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ يَّوْمٍ يُّصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَّ يَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا ۔ (بخاری شریف ۱/۱۹۰، مسلم شریف مع النووی بیروت، حدیث ۱۰۱)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بھی دن جس میں اللہ کے بندے صبح کرتے ہیں، ایسا نہیں گزرتا کہ اس میں آسمان سے دو فرشتے نازل نہ ہوتے ہوں۔ ان میں سے ایک یہ دعا کرتا ہے اے اللہ! (نیک کام میں) خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما اور دوسرا فرشتہ یہ دعا کرتا ہے۔ اے اللہ! کنجوسی کرنے والے کو مالی نقصان سے دوچار فرما۔''

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالی حق ادا کرنے سے روگردانی خود مالی اعتبار سے بھی مفید نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وقتی طور پر جی خوش ہو جائے کہ ہم نے اتنا مال بچالیا۔ مگر فرشتے کی مقبول بددُعا کے اثر سے جب مال کی بربادی لازم آئے گی تو یہ ساری خوشی سیکنڈوں میں کافور ہو

جائے گی۔ یاد رکھئے مال کی حفاظت اور ترقی زکوٰۃ وصدقات کے روکنے میں نہیں بلکہ اس کی ادائیگی میں ہے جیسا کہ حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ خرچ کرنے والے کے حق میں فرشتے تلافی کی دعا کرتے ہیں اور تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ جس مال کو زکوٰۃ حساب لگا کر ادا کردی جاتی ہے وہ مال آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسے بھی واقعات ہیں کہ مال چوری ہو گیا مگر پھر حیرت انگیز طریقے پر بلا کم وکاست دوبارہ دستیاب ہو گیا۔

ہمارے ایک کرم فرما دوست جو ماشاء اللہ پورے اہتمام کے ساتھ زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کی فرم سے کئی لاکھ روپے نقد چوری ہو گئے۔ بظاہر نقد روپیہ ملنے کا امکان نہیں تھا کیونکہ انہیں منٹوں میں کہیں سے کہیں بھی پہنچایا جا سکتا ہے۔ لیکن دو چار روز کے اندر ہی ان کی پوری رقم بحفاظت برآمد ہو گئی۔ یہ زکوٰۃ نکالنے کی برکت نہیں تو اور کیا؟

الغرض مالی حقوق کی انجام دہی میں بخل سے کام لینا ایک بدترین روحانی مرض ہے جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ ذلت اور رسوائی کا باعث ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں ”سخی شخص لوگوں کا سردار بن گیا اور بخیل شخص ذلیل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مالداروں کے مال میں فقیروں کی روٹی مقرر کی ہے۔ کسی مالدار کی کنجوسی کے سبب ہی سے دنیا میں کوئی فقیر بھوکا رہتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بارے میں مالداروں سے پوچھ گچھ کرے گا“۔

(الترغیب والترہیب ص:۸۶)

لہٰذا ہمیں اپنے اندر سے بخل اور کنجوسی دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور سخاوت کی مبارک صفت سے متصف ہو کر دنیا اور آخرت کی برکتیں حاصل کرنی چاہئیں۔

تیسری فصل:

جود و سخا

سخاوت اللہ تعالیٰ کی نہایت پسندیدہ صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (الحشر : ۹)

''اور جو بچایا گیا اپنے جی کی لالچ (حرص وبخل) سے سو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے''۔
اور ایک روایت میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خُلُقَانِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ وَخُلُقَانِ يُبْغِضُهُمَا اللّٰهُ، أَمَّا اللَّذَانِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ فَالسَّخَاءُ وَالسَّمَاحَةُ، وَأَمَّا اللَّذَانِ يُبْغِضَانِ فَسُوْءُ الْخُلُقِ وَالْبُخْلُ، فَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اِسْتَعْمَلَهُ عَلٰى قَضَاءِ حَوَائِجِ النَّاسِ۔ (شعب الایمان ۷/۴۳٦)

''دو عادتیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور اسے دو عادتیں ناپسند ہیں۔ پس جو دو عادتیں پسند ہیں وہ سخاوت اور خوش اخلاقی ہیں اور ناپسندیدہ عادتیں بدخلقی اور کنجوسی ہیں۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے کام میں لگا دیتا ہے۔''

حضرت حسن بصریؒ سے ایک مرسل روایت مروی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

إِنَّ بُدَلَاءَ أُمَّتِي لَمْ يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِكَثْرَةِ صَلٰوتِهِمْ وَلَا صِيَامِهِمْ وَلٰكِنْ دَخَلُوْهَا بِسَلَامَةِ صدورهم صُدُوْرِهِمْ وَسَخَاوَةِ أَنْفُسِهِمْ۔ (شعب الایمان ۷/۴۳۹)

''میری امت کے ابدال (نیک لوگ) اپنی نماز، روزہ کی زیادتی سے نہیں بلکہ اپنے دلوں کی صفائی اور صفت سخاوت کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے''۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''دنیا میں لوگوں کے سردار سخی لوگ ہیں اور آخرت میں لوگوں کے سردار متقی لوگ ہیں''۔ (الترغیب والترہیب: ص۸۴)

اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے صفت سخاوت پر غور کیا تو اس کی اصل یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ سے یہ خوش گمانی رکھی جائے کہ وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہ کرے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ (اور کچھ خرچ کرتے ہو۔ وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہ بہتر ہے روزی دینے والا) اس کے برخلاف بخل اور کنجوسی کی اصل یہ معلوم ہوئی کہ اس کا مرتکب نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ سے یہ بدگمانی رکھتا ہے کہ وہ اپنا وعدہ پورا نہ کرے گا۔ (الترغیب والترہیب ص:۸۵)

آنحضرت ﷺ کی سخاوت

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا سرور کائنات فخر دو عالم ﷺ کو جہاں دیگر کمالات اور اوصاف حمیدہ سے سرفراز فرمایا تھا وہیں صفت سخاوت میں بھی اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ جود و سخا والے تھے اور رمضان المبارک میں تو تیز رفتار ہوا کی طرح آپ سے صفت سخاوت کا ظہور ہوتا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سائل کو محروم نہیں فرمایا۔ (بخاری شریف ۲/۸۹۲، مکارم الاخلاق ۲۴۴) آپ کی سخاوت مبارکہ کا کچھ اندازہ درج ذیل واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔

اپنی چادر سائل کو دے دی

حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عورت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک چادر لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے بنی ہے اور اسے میں آپ کی خدمت میں لائی ہوئی تا کہ آپ اسے زیب تن فرمالیں۔ آنحضرت ﷺ نے بہت شوق سے وہ چادر قبول فرمائی۔ پھر اسی چادر کو ازار کی جگہ پہن کر مجمع میں تشریف لائے۔ اسی وقت ایک صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ حضرت یہ چادر مجھے عنایت فرمادیں، یہ تو بہت عمدہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، بہت اچھا۔ پھر کچھ دیر تشریف رکھنے کے بعد آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے اور دوسرا ازار بدل کر وہ چادر سوال کرنے والے کو بجھوادی۔ یہ ماجرہ دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان صحابی پر نکیر کی کہ جب تمہیں معلوم تھا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی سائل کو رَد نہیں فرماتے تو تم نے یہ چادر مانگ کر اچھا نہیں کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ "میں نے تو اپنے کفن میں استعمال کرنے کے لیے یہ درخواست پیش کی تھی"۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ واقعی ایسا ہی ہوا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، تو آپ کو اسی چادر میں کفن دیا گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

(بخاری شریف ۱/۱۷۰، ۲۸۱، ۲/۸۶۴، ۸۲۹، مکارم الاخلاق ص: ۲۴۵)

دیہاتیوں کی بے ادبیوں کا تحمل

۲ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین سے واپسی کے وقت دیہاتی لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا شروع کیا اور آپ کو گھیر لیا تا آنکہ آپ ایک بڑے درخت کے نیچے پہنچ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک بھی اس میں الجھ گئی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دیہاتیوں سے فرمایا کہ لاؤ میری چادر واپس کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر ان کنکریوں کی تعداد کے برابر بھی اونٹ ہوں گے تو میں انہیں تمہارے درمیان تقسیم کر ڈالوں گا اور تم مجھے جھوٹا' بزدل یا بخیل نہ پاؤ گے۔

(مکارم الاخلاق ص:۲۴۶)

۳ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے دروازہ سے ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تشریف لائے اچانک پیچھے سے ایک دیہاتی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کے کونے کو پکڑ کر اپنی جانب کھینچنا شروع کیا تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دیہاتی کے سینے کے قریب ہو گئے۔ پھر دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ ''اے محمد! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو مال ہے اس میں سے مجھے عطا کرنے کا حکم دیجئے۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور اسے کچھ مال دینے کا حکم فرمایا۔ (مکارم الاخلاق ص:۲۴۷)

۴ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے پاس آ کر گفتگو فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ تشریف لائے' گفتگو فرمائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر حجرہ مبارکہ میں تشریف لے جانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سخت کنارے والی چادر زیب تن فرما رکھی تھی۔ اسی دوران ایک دیہاتی شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک چادر کی رگڑ سے سرخ ہو گئی۔ پھر کہنے لگا کہ اے محمد! یہ میرے دو اُونٹ ہیں ان میں سے ایک پر کھجور اور ایک میں جو لادنے کا حکم دیجیے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یا اپنے والد کے مال میں سے نہ دیں گے (بلکہ بیت المال سے دیں گے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تم میرے ساتھ کی گئی حرکت کا فدیہ نہ دو گے

میں تمہیں کچھ نہ دوں گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جب دیہاتی کا یہ گستاخانہ عمل دیکھا تو ہم اسے سزا دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو فرمایا کہ خبردار! کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ اُٹھے۔ چنانچہ ہم ایسے رک گئے گویا کہ ہمیں رسیوں سے باندھ دیا گیا ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ جاؤ اس دیہاتی کو ایک اونٹ پر کھجور اور ایک پر جو بھروا دو۔ اس نے جو ہمارے ساتھ کیا ہے وہ ہم معاف کرتے ہیں۔ (مکارم الاخلاق ص:۲۴۸)

سائل کے لیے قرض لینا

⑤ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن تم میری ذمہ داری پر کوئی چیز خرید لو جب میرے پاس وسعت ہوگی تو میں ادا کروں گا۔ یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اللہ کے رسول! آپ نے اس شخص کو یہ موقع دے دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی نہیں لگی۔ پھر ایک انصاری شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ تو خرچ کیے جایئے اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ مت کیجئے۔ انصاری کی بات سن کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرا اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر بشاشت پھیل گئی اور فرمایا کہ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ (مکارم الاخلاق ۲۵۴)

ایک کوڑے کے بدلہ اَسّی بکریاں

⑥ عبداللہ بن ابی بکر کہتے ہیں کہ ایک صحابی جو غزوۂ حنین میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ساتھ تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنی اونٹنی پر سوار تھا اور میرے پیر میں ایک سخت جوتا تھا میری اونٹنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب چل رہی تھی کہ اچانک بھیڑ کی وجہ سے اتنی قریب پہنچ گئی کہ میرے جوتے کا کنارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی میں لگ گیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیر پر کوڑا مارا، فرمایا کہ تم نے مجھے تکلیف پہنچائی

پیچھے ہو جاؤ۔ وہ صحابی فرماتے ہیں۔ پھر میں چلا گیا۔ اگلے دن معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ مجھے تلاش کروا رہے ہیں، تو میرے دل میں احساس ہوا کہ شاید آپ ﷺ کے پیر کو تکلیف پہنچانے کا قصہ ہے۔ چنانچہ میں ڈرتے ڈرتے حاضر ہوا، تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنے جوتے سے میرے پیر کو تکلیف پہنچائی تھی، جس کی وجہ سے میں نے تمہارے قدم پر کوڑا مارا تھا اب میں نے تمہیں اس کا بدلہ دینے کے لیے بلایا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اس ایک کوڑے کی ضرب کے بدلے میں اسّی بکریاں عنایت فرمائیں۔

(مکارم الاخلاق ص: ۲۶۲)

بے حساب بکریاں عطا کیں

۷ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے اور جب بھی آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی تو آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ ایک شخص مانگنے کے لیے آیا، تو آپ ﷺ نے اس کو اتنی بکریاں دینے کا حکم فرمایا جو دو پہاڑیوں کے درمیان سما جائیں تو اس شخص نے اپنی قوم میں جا کر یہ کہا کہ اے لوگو! اسلام لے آؤ۔ اس لیے کہ محمد ﷺ ایسی بخشش عطا فرماتے ہیں کہ جس کے بعد کسی فقر و فاقہ کا کوئی اندیشہ نہیں رہتا۔

(مسلم شریف ۲/۲۵۳، الترغیب والترہیب ص: ۸۷)

حضرات صحابہ کرامؓ وغیرہم کی سخاوت کے چند واقعات

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سخاوت

① حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ابوبکر صدیقؓ سے کچھ مانگنے حاضر ہوا تو آپ نے مجھے منع کر دیا، پھر حاضر ہوا پھر منع کر دیا تو میں نے عرض کیا کہ یا تو آپ مجھے عطا فرمائیں یا میں سمجھونگا کہ آپ مجھ پر بخل کر رہے ہیں۔ ابوبکرؓ نے فرمایا کہ بخل سے بری کونسی بیماری ہو سکتی ہے، بات یہ ہے کہ جب تم مجھ سے مانگنے آئے تو میں نے تمہیں ایک ہزار دینے کا ارادہ کیا تھا، چنانچہ آپ نے مجھے تین ہزار گن کر عنایت فرمائے۔ (مکارم الاخلاق ص ۲۶۴)

② حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا اس وقت میرے پاس مال تھا۔ چنانچہ میں نے سوچا آج تو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جاؤں گا۔ چنانچہ میں آدھا مال لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا عمر! گھر والوں کیلئے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا۔ آدھا چھوڑ کر آیا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اپنا مال لے کر حاضر ہوئے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر جواب دیا کہ میں نے اپنے گھر والوں کے لیے صرف اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا کہ اب آئندہ میں آپ سے سبقت لے جانے کا مقابلہ کبھی نہیں کروں گا۔ (الترغیب والترہیب ص: ۸۷)

③ حضرت ابوبکرؓ جب اسلام لائے تو چالیس ہزار درہم کے مالک تھے۔ یہ ساری رقم اللہ کے راستے میں خرچ کر دی۔ (الترغیب والترہیب ص: ۸۷) اور بہت سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جن میں حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہؓ جیسے جلیل القدر حضرات شامل ہیں۔ (مکارم الاخلاق)

④ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کسی کے مال نے مجھے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے نفع پہنچایا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رونے لگے اور عرض کیا کہ میں اور میرا مال تو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے ہے۔ اے اللہ کے رسول! (اسد الغابہ ۳/۲۲۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخاوت

⑤ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے کسی رشتہ دار نے ان سے سوال کیا۔ آپ نے اسے ڈانٹ کر مجلس سے نکال دیا۔ اس واقعہ پر لوگوں میں تبصرہ ہوا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ شخص اللہ کے مال کے بارے میں سوال کرنے آیا تھا۔ اس میں سے اگر اسے دے دیتا تو پھر اللہ کے دربار میں قیامت کے دن خیانت کرنے والے حاکم کی صورت میں پیش ہو کر میں کیا معذرت کرتا۔ اگر اس شخص کو مانگنا تھا تو میرے ذاتی مال کا سوال کرتا۔ پھر آپ نے اسے دس ہزار درہم بھجوا دیئے۔ (مکارم الاخلاق ص: ۲۶۶)

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی سخاوت

⑥ غزوۂ تبوک کے موقع پر سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مثالی قربانی کا ثبوت دیتے ہوئے تین سو اونٹ مع سازوسامان صدقہ فرما دیئے اور پھر ایک ہزار اشرفیاں لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیا۔ راوی کہتا ہے کہ وہ اشرفیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے الٹتے پلٹتے جاتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ: ((مَا ضَرَّ ابْنُ عَفَّانَ، مَا فَعَلَ بَعْدَ هٰذَا)) ''آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کچھ بھی کرتے رہیں، ان کا کچھ نہ بگڑے گا''۔ مطلب یہ ہے کہ اس صدقہ کی قبولیت کی برکت سے انہیں کامل خیر کی توفیق نصیب ہوگی۔ (مکارم الاخلاق: ۲۶۶)

⑦ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں قحط سالی ہوئی۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شام کے علاقہ سے سو اونٹ غلہ منگایا۔ جب غلہ سے بھرے اونٹ مدینہ پہنچے تو شہر کے تاجر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ اے امیر المؤمنین! جتنے درہم میں آپ نے یہ غلہ شام سے خریدا ہے، اسی کے برابر نفع دے کر ہم یہ غلہ خریدنے کو تیار ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس سے زیادہ قیمت لگ چکی ہے، تو تاجروں نے کہا کہ اچھا دوگنے نفع پر دے دیجیے۔ حضرت نے پھر جواب دیا کہ اس سے بھی زیادہ کا بھاؤ لگ چکا ہے۔ تاجر بھی نفع بڑھاتے رہے تا آنکہ پانچ گنے تک نفع پر آ گئے اور حضرت عثمان پھر بھی

تیار نہ ہوئے اور یہی فرماتے رہے کہ اس کی زیادہ قیمت لگ چکی ہے۔ یہ سن کر تاجروں نے کہا کہ آخر کس نے آپ سے زیادہ قیمت لگا دی؟ مدینہ کے تاجر تو ہم ہی ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دس گنا عطا کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے' تو کیا تم لوگ اتنا یا اس سے زیادہ دینے پر راضی ہو۔ تاجروں نے انکار کر دیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اے لوگو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ یہ سارا غلہ مدینہ کے فقراء اور مساکین پر صدقہ ہے اور وہ غلہ سب محتاجوں میں تقسیم فرما دیا۔ (الترغیب والترہیب ص: ۸۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سخاوت

⑧ ابو جعفر کہتے ہیں کہ اگرچہ انتقال کے وقت تک حضرت علیؓ کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ درہم تک پہنچ گئی تھی لیکن شہادت کے دن آپ پر ستّر ہزار درہم قرض تھے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ آخر اتنا زیادہ قرض آپ پر کیسے ہو گیا' تو جواب ملا کہ بات یہ تھی کہ آپ کے وہ دوست احباب اور رشتہ دار جن کا مال غنیمت میں باقاعدہ حصہ مقرر نہیں تھا آپ کے پاس آ کر سوال کرتے تو آپ انہیں مرحمت فرماتے جاتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد حسنؓ نے آپ کی جائیداد وغیرہ بیچ کر قرض ادا کیا اور ہر سال علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے سو غلام آزاد فرمایا کرتے تھے۔ حضرت حسنؓ کے بعد سیدنا حسینؓ اس عمل کو زندہ رکھے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے پھر بعد میں یہ عمل جاری نہ رہ سکا۔ (مکارم الاخلاق: ۲۷۰)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی سخاوت

⑨ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی زمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سات لاکھ درہم میں بیچی۔ جب یہ رقم آپ کے پاس آئی تو آپ کو خیال ہوا کہ اگر یہ مال رات بھر رکھا رہا اور اسی دوران موت آ گئی تو کیا ہو گا؟ لہٰذا اسے اپنے خدام کے ذریعہ مدینہ کے فقراء و مساکین اور بیوہ عورتوں کو رات بھر میں تقسیم کراتے رہے تا آنکہ صبح ہوتے ہوتے ان میں سے ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔ (الترغیب والترہیب: ۸۸)

⑩ زیاد بن جریر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی مجلس میں ایک لاکھ درہم تقسیم فرما دیئے جبکہ آپ کی سادگی کا عالم یہ تھا کہ اپنی چادر کا کنارا خود ہی سی لیا

کرتے تھے۔ (الترغیب والترہیب:۸۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سخاوت

(۱۱) ایک مرتبہ عبداللہ بن الزبیرؓ نے اپنی خالہ محترمہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں دو تھیلیوں میں بھر کر اسّی ہزار درہم روانہ فرمائے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا اُس دن روزہ سے تھیں۔ مگر صبح سے طبق میں دراہم رکھ کر فقراء اور محتاجین کو تقسیم کرنے تشریف فرما ہوئیں اور شام تک ساری رقم تقسیم فرما دی۔ ایک درہم بھی باقی نہ رہا۔ شام کو خادمہ افطار کے لیے حسب معمول روٹی اور تیل لائی اور عرض کیا کہ امّاں جان! اگر آپ اس مال میں سے ایک درہم بچا کر اس کا گوشت منگا لیتیں تو آج اسی سے افطار کر لیا جاتا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اگر تم پہلے سے یاد دلا دیتیں تو میں تمہاری خواہش پوری کر دیتی۔ (الترغیب والترہیب:۸۸)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی سخاوت

(۱۲) حضرت سعید بن زیدؓ کے پاس ایک شخص نے آکر اللہ کے واسطے سوال کیا۔ تو حضرت سعیدؓ نے اپنے غلام سے کہا کہ اسے پانچ سو دے دو' غلام نے پوچھا کہ حضرت! دینار دوں یا درہم؟ حضرت سعیدؓ نے فرمایا کہ میرا ارادہ تو اصل میں درہم دینے کا تھا۔ مگر جب تم نے سائل کے سامنے دینار کا ذکر کر دیا تو اب پانچ سو دینار ہی دے دو۔ یہ سن کر سائل رونے لگا حضرت سعیدؓ نے پوچھا کیوں روتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ میرے آقا! یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ جیسے فضل وکرم والے کو زمین اپنے اندر کیسے سموئے گی۔ (الترغیب والترہیب:۸۹)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی سخاوت

(۱۳) شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ ایک شخص عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس سوال کرنے آیا۔ اس وقت ان کی باندی ان کے سامنے کسی خدمت میں لگی تھی۔ حضرت عبداللہ نے اس سائل سے کہا کہ اس باندی کو پکڑ کر لے جاؤ۔ یہ تمہاری ہے۔ یہ سن کر باندی بولی' میرے آقا آپ نے تو مجھے مار ڈالا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا' یہ کیسے؟ باندی نے کہا آپ نے مجھے ایسے شخص کو ہبہ کر دیا جس کی تنگدستی نے اسے سوال کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ باندی کی یہ بات سن کر عبداللہ بن جعفرؓ سے اس سائل سے فرمایا کہ اگر تمہارا جی چاہے تو یہ باندی

میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ اس شخص نے کہا بہت اچھا! جس قیمت پر آپ چاہیں اسے لے لیں، تو حضرت نے فرمایا' میں نے اسے سو اشرفیوں میں خریدا تھا اب تم مجھے دو سو اشرفی میں اسے دے دو۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے وہ باندی واپس لے لی اور سائل کو دو سو اشرفی دے کر فرمایا جب یہ ختم ہو جائے تو پھر آ جانا۔ یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر باندی نے عرض کیا آقائے من! میری وجہ سے آپ کو بڑا بوجھ اُٹھانا پڑا۔ حضرت عبداللہ نے، فرمایا کہ تیری عزت میرے نزدیک تیرے اوپر خرچ کیے گئے مال سے زیادہ ہے۔

(مکارم الاخلاق ص: ۲۷۳)

(۱۴) حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اپنے پڑوس کے چالیس خاندانوں پر خرچ کیا کرتے تھے اور عیدین کے موقع پر ان کے لیے کپڑے وغیرہ بنا کر بھیجتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کا گذر ایک بستی پر ہوا۔ گرمی سے بچنے کے لیے آپ ایک کھجور کے باغ میں ایک درخت کے سائے میں آرام فرما ہوئے اسی دوران آپ نے دیکھا کی ایک حبشی غلام باغ کی نگرانی پر مامور ہے۔ اس کے لیے دوپہر کا کھانا لایا گیا جس میں روٹی کے چند ٹکڑے تھے۔ جب اس غلام نے کھانے کا ارادہ کیا' تو وہاں ایک کتا آ پہنچا۔ اس نے روٹی کا ایک ٹکڑا کتے کے سامنے پھینک دیا جب وہ کھا چکا تو دوسرا اور تیسرا ٹکڑا بھی پھینک دیا۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے۔ آپ نے اس غلام سے پوچھا کہ روزانہ تمہارے کھانے کا کیا انتظام ہے؟ اس نے کہا کہ یہی روٹی کے تین ٹکڑے آ جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ نے، پوچھا پھر تم نے اپنے مقابلہ میں کتے کو کیوں ترجیح دی؟ تو اس غلام نے جواب دیا' بات یہ ہے کہ یہ علاقہ کتوں کا نہیں ہے۔ یہ کتا بہت دُور سے چل کر میرے پاس آیا ہے۔ میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ یہ بیچارہ محروم واپس جائے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا پھر اب تم دن بھر کیا کرو گے؟ غلام نے جواب دیا اب میں اگلے دن تک بھوکا رہوں گا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ مجھے سخاوت پر ملامت کی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ غلام تو مجھ سے بھی بڑا سخی ہے۔ پھر غلام سے پوچھا کہ اس باغ کا مالک کون ہے؟ اس نے بتایا کہ مدینہ میں رہنے والے فلاں شخص ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن جعفرؓ جب مدینہ تشریف لائے تو اس باغ کے مالک سے پورا باغ غلام سمیت خرید لیا اور پھر غلام کو بلا کر

فرمایا کہ تو اللہ کے لیے آزاد ہے اور یہ باغ تیری ملکیت ہے۔ (الترغیب والترہیب: ۹۰)

(۱۵) عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ معاویہ سے پوچھا گیا کہ یہ بتلایئے کہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی سخاوت کہاں تک پہنچی ہوئی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ اپنے مال میں سب لوگوں کو برابر کا شریک سمجھتے تھے' جو بھی سائل آتا اسے بھرپور عطا فرماتے۔ یہ نہ سوچتے کہ انہیں خود ضرورت ہے اس لیے دینے میں کمی کریں اور نہ یہ خیال کرتے تھے کہ وہ بعد میں محتاج ہو جائیں گے اس لیے ذخیرہ کر کے رکھیں۔ (شعب الایمان ۴/ ۴۳۷)

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سخاوت

(۱۶) ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں بیس یا تیس اونٹ لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوا' تا کہ لوگوں سے کھجوروں کا سوال کروں' تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ عمرو بن عثمان اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما اپنے اپنے باغوں میں ہیں اس لیے ان سے جا کر مانگو۔ چنانچہ سب سے پہلے میں حضرت عمرو بن عثمانؓ کے پاس پہنچا۔ انہوں نے دو اونٹ بھر کر کھجوریں عطا فرمائیں۔ پھر کسی شخص نے مجھے مشورہ دیا کہ تم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔ چنانچہ میں ان کے باغیچے میں پہنچا۔ میں انہیں پہچانتا نہیں تھا دیکھا کہ ایک آدمی زمین پر بیٹھا ہے اور اس کے اردگرد غلام بیٹھے ہیں درمیان میں ایک بڑا پیالہ جس میں موٹی روٹی اور گوشت ہے اور وہ سب مل کر کھا رہے ہیں۔ میں نے جا کر سلام کیا اور دل میں سوچا کہ یہ آدمی تو شاید کچھ بھی نہ دے۔ بہرحال حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا اور اپنے ساتھ کھلایا پھر پانی کی ایک چھوٹی نہر کی طرف گئے اور پانی پیا اور ہاتھ دھوئے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا' کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میں اپنے کچھ اونٹ لے کر یہاں حاضر ہوا ہوں۔ میرا ارادہ آپ حضرات سے کھجوریں لے کر انہیں بھر کر لے جانے کا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جاؤ اپنے اونٹ لے آؤ۔ چنانچہ میں لے کر حاضر ہوا' تو فرمایا کہ اس کوٹھری میں چلے جاؤ اس میں کھجوریں رکھی ہوئی ہیں۔ جتنا بھر سکو' بھر لو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اپنی ساری اونٹنیاں بھر لی اور چلا آیا اور دل میں سوچنے لگا کہ واقعی یہ ہے سخاوت۔

(مکارم الاخلاق ص: ۲۷۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی سخاوت

(۱۷) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بصرہ تشریف لائے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مہمان ہوئے۔ آپ نے اپنا مکان حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے لیے خالی فرما دیا اور کہا کہ جس طرح آپ نے (ہجرت کے موقع پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاملہ فرمایا تو اب میں بھی آپ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کروں گا۔ پھر پوچھا کہ آپ پر کتنا قرض ہے؟ حضرت ابوایوب انصاری نے فرمایا کہ بیس ہزار۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس نے چالیس ہزار عطا فرمائے اور ساتھ ہی بیس ہزار دے کر فرمایا کہ گھر میں جو بھی سامان ہے وہ بھی آپ ہی کی مِلک ہے۔ (مکارم الاخلاق ص: ۲۷۹)

(۱۸) حمید بن بلال کہتے ہیں کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے دو آدمیوں میں بحث چھڑ گئی۔ ایک نے کہا میرا خاندان زیادہ سخی ہے اور دوسرے نے دعویٰ کیا کہ ہمارا خاندان زیادہ سخاوت کرنے والا ہے۔ بالآخر یہ بات طے ہوئی کہ اپنے اپنے خاندان والوں سے چندہ کا تجربہ کر کے فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ دونوں شخص اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوئے۔ اموی شخص نے اپنی قوم کے دس آدمیوں سے صرف ایک لاکھ روپے جمع کیے جب کہ ہاشمی شخص اولاً عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا۔ انہوں نے ایک لاکھ درہم عنایت کیے۔ پھر سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس گیا انہوں نے ایک لاکھ تیس ہزار درہم دیئے پھر سیدنا حضرت حسین کے پاس آیا۔ انہوں نے بھی ایک لاکھ تیس ہزار دیئے اس طرح صرف تین حضرات سے تین لاکھ ساٹھ ہزار درہم جمع ہو گئے۔ چنانچہ ہاشمی اپنے دعویٰ میں اموی پر غالب آ گیا۔ پھر یہ طے ہوا کہ یہ مال جن سے لیا ہے انہیں لوٹا دیا جائے چنانچہ اموی شخص اپنا جمع کردہ مال لے کر مالکان کے پاس گیا اور پوری صورت واقعہ بتا کر مال واپس کر دیا وران سب سے قبول بھی کر لیا اور ہاشمی شخص جب مال لوٹانے گیا تو ان حضرات نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہم دے کر واپس نہیں لیا کرتے۔ (مکارم الاخلاق: ۲۸۰)

حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی سخاوت

(۱۹) حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بڑے مالدار تھے۔ ان کی سالانہ آمدنی اسی ہزار اشرفی تھی لیکن کبھی بھی ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔ وہ اپنا سب مال فقراء، دوست، احباب اور رشتہ داروں پر خرچ کر دیتے تھے اور سال کے ختم پر ان کے پاس بقدر نصاب مال باقی نہیں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے پاس ایک عورت شیشہ کے پیالہ کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا شوہر بیمار ہے اسے شہد کی ضرورت ہے۔ اس پیالہ میں شہد عطا فرما دیں۔ آپ نے اسے شہد کا پورا برتن دینے کا حکم فرمایا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس نے تو صرف ایک پیالہ مانگا تھا تو آپ نے پورا برتن دے دیا، آپ نے جواب دیا کہ اس نے اپنے اعتبار سے مانگا اور ہم نے اپنے اعتبار سے دیا۔ (الترغیب والترہیب:۸۹)

قتیبہ فرماتے ہیں کہ لیث بن سعد روزانہ متعدد مسکینوں پر صدقہ کیا کرتے تھے نیز امام مالک ابن لہیعہ اور دیگر علماء کو ہدایات بھیجتے تھے۔ (شعب الایمان ۷/۴۴۹)

حضرت عبداللہ بن عامر رحمۃ اللہ علیہ کی سخاوت

(۲۰) عبداللہ بن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے خالد بن عقبہ سے ایک گھر ۷۰ یا ۸۰ ہزار درہم میں خریدا۔ جب رات ہوئی تو محسوس ہوا کہ خالد کے گھر والے رو رہے ہیں۔ عبداللہ بن عامر نے اپنے گھر والوں سے پوچھا کہ یہ رونے کی آواز کیسی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ خالد کے گھر والے اپنے گھر کے فروخت ہونے پر غم کر رہے ہیں۔ یہ معلوم ہوتے ہی عبداللہ بن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت اپنے غلام کو بھیجا کہ جاؤ ان گھر والوں سے کہہ دو کہ پوری رقم اور گھر سب تمہاری ملکیت ہے۔ (شعب الایمان ۷/۴۳۸)

اسی طرح کا واقعہ الترغیب والترہیب ۹۰ پر بھی ہے۔

صلحاء امت کے یہ چند واقعات ہمارے لیے عبرت آموز اور نصیحت انگیز ہونے چاہئیں۔ ہمیں جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارے دل میں اپنے مال سے کیسا شدید لگاؤ پیدا ہو گیا ہے اور دوسروں کے مفاد کے مقابلہ میں ہمیں اپنا مفاد کتنا عزیز ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا تقاضا اور

اپنے دِل کو روحانی امراض سے بچانے کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ہم اپنے مالوں میں حتی الوسع دوسروں کا بھی حق متعین کریں اور ضرورت مندوں کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے: نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحَ لِلرَّجُلِ الصَّالِح۔

(مسند احمد ۴: ۱۹۷، الترغیب والترھیب ص: ۹۰)

''یعنی اچھا مال نیک آدمی کے لیے بہترین مددگار ہے۔ وہ اس کی صحیح جگہ خرچ کر کے اپنے لیے آخرت میں بہت اونچے درجات حاصل کر سکتا ہے۔''

چوتھی فصل:

مہمان نوازی

جود وسخا کی صفت کا سب سے زیادہ مظاہرہ ضیافت اور مہمان نوازی کی صورت میں ہوتا ہے اسی بناء پر شریعت میں مہمان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ بخاری ومسلم میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ۔

(بخاری ۲: ۸۸۹ عن ابی ھریرہ)

''جسے اللہ اور آخرت پر یقین ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے''۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کس عمل کی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ ان کی کھانا کھلانے کی صفت کی وجہ سے انہیں مقام خلعت پر فائز کیا گیا۔

(الترغیب والترہیب: ۹۴)

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اتنے بڑے مہمان نواز تھے کہ ان کا لقب ہی ابوالضیفان (مہمانوں کے باپ) پڑ گیا تھا۔ آپ کے دولت خانے کے چار دروازے تھے۔ تاکہ کسی اجنبی شخص کو آنے میں دشواری نہ ہو اور حضرت عطا فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمان کی تلاش میں بسا اوقات ایک ایک دو دو میل چلے جاتے تھے کہ انہیں ساتھ بٹھا کر دوپہر یا

رات کا کھانا کھلائیں۔(الترغیب والترہیب:۹۴)

حضرت مجاہد آیت قرآنی: ﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معمول تھا کہ وہ مہمان کی خدمت خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔ نیز ان کے ساتھ نہایت بشاشت اور خوش روئی سے پیش آتے تھے۔(حوالہ بالا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی مہمان نوازی

ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز تھے۔ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم تو گویا آپ کے مستقل مہمان تھے ہی۔ ویسے بھی مدینہ میں جو وفود آتے وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان رہتے تھے۔ کبھی متعدد مہمان آجاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھروں میں معلوم کراتے جہاں سے بھی کھانے کا نظم ہو جاتا مہمان کو پیش کیا جاتا اور اگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی گھر میں بھی انتظام نہ ہو پاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مہمانوں کو اپنے جاں نثار صحابہ میں تقسیم فرما دیتے اور جس صحابی کو بھی یہ سعادت ملتی وہ اس کا حتی الامکان پوری بشاشت اور خوش دلی سے حق ادا کرتا۔ ایک مرتبہ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ ایک شخص آپ کے یہاں مہمان ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں کھانے کو معلوم کرایا تو اتفاق سے کسی کے یہاں انتظام نہ ہوا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ میرے اس مہمان کی کون میزبانی کرے گا؟ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ سعادت میں حاصل کروں گا۔ چنانچہ س مہمان کو لے کر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر پہنچے اور اپنی پاک طینت اہلیہ حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کھانے کا کیا انتظام ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بس ہمارے اور بچوں کے بقدر نتظام ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا کر سلا دو اور جب دسترخوان بچھاؤ تو پراغ بجھا دینا اور مہمان کے ساتھ میں بیٹھ جاؤں گا اور یہ احساس دلاؤں گا کہ میں بھی کھا رہا ہوں تاکہ مہمان کو ناگواری نہ ہو۔ چنانچہ اہلیہ نے ایسا ہی کیا۔ اپنا سارا کھانا ان دونوں نے مہمان کو کھلا دیا اور خود حالانکہ دن میں روزے سے تھے، بھوکے ہی سو گئے۔ صبح جب نمازِ فجر میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دیکھتے ہی فرمایا: ابو

طلحہ رضی اللہ عنہ رات تمہارا اپنے مہمان کے ساتھ معاملہ اللہ تعالیٰ کو بڑا پسند آیا اور اس نے تم دونوں میاں بیوی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر: ۹) اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگر ہو اپنے او پر فاقہ۔

(بخاری ۱/۵۳۵ وغیرہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

یہ ایک ہی واقعہ نہیں بلکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا عام معمول اکرام ضعیف کا تھا۔ جس کی تفصیلات صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت میں موجود ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مہمان کے ساتھ معاملہ

رجاء بن حیوۃ نے ایک مرتبہ خلیفہ عادل امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے عبدالعزیز سے کہا کہ میں نے تمہارے والد محترم سے زیادہ کامل عقل والا شخص نہیں دیکھا۔ ایک رات میں ان کا مہمان ہوا۔ ابھی ہم لوگ گفتگو کر رہے تھے کہ چراغ بجھ گیا۔ ہمارے قریب ایک خادم سو رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس خادم کو جگا دیجیے۔ وہ چراغ جلا لائے گا۔ تو حضرت نے فرمایا نہیں وہ سو گیا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اچھا تو میں جا کر اس کو درست کرلاؤں، تو آپ نے فرمایا کہ اپنے مہمان سے خدمت لینا شرافت اور مروت کے خلاف ہے۔ پھر آپ خود اٹھے اور چراغ کی بتی درست کی اور اس میں تیل ڈال کر جلا کر لائے پھر فرمایا کہ میں جب گیا تھا تو بھی عمر بن عبدالعزیز تھا اور آیا تو بھی عمر بن عبدالعزیز ہی رہا۔ یعنی اس چراغ جلانے سے میری حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ (شعب الایمان ۷/۱۰۲)

معلوم ہوا کہ مہمان کسی بھی درجہ کا ہو اس کا اکرام یہ ہے کہ میزبان اس سے کوئی کام نہ لے بلکہ ہر ممکن طریقہ پر اسے راحت پہنچانے کی کوشش کرے۔

ابن عون فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت بصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے دولت خانہ پر قیام کا اتفاق ہوا تو یہ دونوں حضرات خود کھڑے ہو کر میرے لیے بستر بچھواتے تھے اور حضرت حسن بصری کو تو میں نے اپنے دست مبارک سے بستر جھاڑتے ہوئے دیکھا ہے۔

(شعب الایمان ۷/۱۰۲)

مہمان کے حقوق

مہمان کے حقوق کے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے چند جامع باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ مہمان کے حقوق درج ذیل ہیں:

① آمد کے وقت بشاشت ظاہر کرنا اور جانے کے وقت کم از کم دروازہ تک مشایعت کرنا۔

② اس کے معمولات وضروریات کا انتظام کرنا جس سے اس کو راحت پہنچے۔

③ تواضع وتکریم ومدارات کے ساتھ پیش آنا' بلکہ اپنے ہاتھ سے ان کی خدمت کرنا۔

④ کم از کم ایک روز اس کے لیے کھانے میں کسی قدر متوسط درجہ کا تکلف کرنا مگر اتنا ہی کہ جس میں نہ اپنے کو تردد ہو نہ اس کو حجاب ہو اور کم از کم تین روز تک اس کی مہمان داری کرنا۔ اتنا تو اس کا حق ضروری ہے۔ اس کے بعد جس قدر وہ ٹھہرے میزبان کی طرف سے احسان ہے مگر خود مہمان ہی کو مناسب ہے کہ اس کو تنگ نہ کرے۔ نہ زیادہ ٹھہر کر بیجا فرمائش کر کے۔ نہ اس کی تجویز طعام ونشست وخدمت میں دخل دے۔

(رسالہ حقوق الاسلام دراصلاحی نصاب: ۴۳۸)

یہ آداب احادیث سے ثابت ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جس کا ایمان اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ہو تو وہ اپنے مہمان کا اکرام جائزہ (انعام) سے کرے"۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ جائزہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن رات (کا پر تکلف اہتمام) اور مہمانی تین دین ہے اور جو اس سے زیادہ کھلائے گا وہ اس پر صدقہ شمار ہوگا اور کسی شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ کسی کے ہاں اتنے دن ٹھہرے کہ اسے گنہگار کر دے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یہ گنہگار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی مہمان ٹھہرا رہے اور میزبان کے پاس کھلانے کو کچھ نہ ہو (جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یا تو وہ بداخلاقی پر مجبور ہوگا یا اسے کھلانے کے لیے سخت کلفت اور مشقت جھیلنی ہوگی)۔

(مسلم شریف بحوالہ شعب الایمان ۹۰/۷)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مہمان کی مدارات اگرچہ میزبان کی اخلاقی اور دینی

ذمہ داری ہے لیکن مہمان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے طرزِ عمل سے میزبان کو اذیت میں مبتلا نہ کرے۔

مہمان کی ذمہ داری

آج کل جہاں مہمان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی عام ہے، وہیں مہمان کی طرف سے میزبان کی راحت و سہولت کے لیے جو ذمہ داری ادا ہونی چاہیے۔اس میں بھی بہت زیادہ لاپروائی برتی جارہی ہے۔اس سلسلہ میں چند باتوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے:

① میزبان کو اپنی آمد کی اطلاع پیشگی دے دی جائے ور اگر کسی وجہ سے پروگرام ملتوی ہوتو اس کی بھی اطلاع ضرور دی جائے۔

② اگر پہلے سے اطلاع نہ ہوتو کوشش کی جائے کہ بے وقت (مثلاً عین طعام یا آرام کے وقت) میزبان کے یہاں نہ پہنچنا ہو (اِلّا یہ یقین کامل ہو کہ میزبان اس وقت اچانک آنے سے ناگواری محسوس نہ کرے گا)۔

③ اگر میزبان کے یہاں کھانا کھانے کا ارادہ نہ ہوتو جاتے ہی اس کو مطلع کردیں تاکہ وہ کھانے کے انتظام میں نہ لگے۔

④ اگر کم مرچ یا پرہیزی کھانے کا معمول ہوتو پہلے سے یا جاتے ہی میزبان کو مطلع کردیں، کیونکہ کھانا آجانے کے بعد اس کے اظہار سے میزبان کو تکلیف ہوگی۔

⑤ مہمان کو چاہیے کہ میزبان کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شخص کی دعوت قبول نہ کرے۔

⑥ اور اگر اپنے کسی کام سے کسی جگہ جانا ہوتو میزبان کو بتا کر جائے تاکہ میزبان کھانے کے وقت پریشان نہ ہو۔

⑦ بہتر ہے کہ اپنے واپسی کے پروگرام سے میزبان کو مطلع کردے تاکہ میزبان کی مصروفیات میں بھی کوئی خلل واقع نہ ہو۔

⑧ میزبان اپنی وسعت کے مطابق جو چیز بھی ضیافت میں بروقت پیش کرے مہمان کو چاہیے کہ اسے خوش دِلی سے قبول کرے۔اس پر چیں بہ جبیں نہ ہو اور نہ میزبان سے فرمائشیں کرے اِلّا یہ کہ میزبان سے بے تکلف ہو اور اس کے حالات اس کی اجازت دیں تو بات الگ ہے)۔

اِس طرح کے آداب کا منشا اصل میں یہ ہے کہ جس طرح میزبان پر مہمان کی راحت رسانی کی ذمہ داری ہے اس طرح مہمان پر بھی لازم ہے کہ وہ میزبان کی راحت کا خیال کرے اوراس کو تکلیف نہ پہنچائے۔

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ رات میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ سے ملاقات کے لیے تھانہ بھون پہنچے۔ دیر ہونے کی وجہ سے خانقاہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ چنانچہ حضرت مدنی نے یہ سوچ کر کہ اس وقت دروازہ کھلنے کا قانون نہیں ہے اور دستک دینے سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے آرام میں خلل ہوگا۔ اس لیے آپ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدہ کے سامنے اپنا بستر بچھالیا اور رات بھر وہیں قیام فرمایا۔ صبح جب حسب معمول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ باہر تشریف لائے تو ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ باہر رات گذارنے پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی افسوس کا اظہار فرمایا......۔

اسی طرح خواتین جب کسی جگہ جائیں تو اس کا خاص خیال رکھیں کہ ان کی وجہ سے میزبان گھرانہ کے مردوں کا تکلیف نہ ہو۔ آج کل رہائشی مکانات تنگ ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دیگر عورتیں گھر میں ملنے آجاتی ہیں اور ان کی گفتگو اتنی طویل ہو جاتی ہے کہ گھر کے مردوں کو باہر وقت گزاری کرنی پڑتی ہے جو سخت کلفت کا باعث ہوتا ہے اسی طرح عین دوپہر میں آرام کے وقت دوسرے کے گھر پہنچ جاتی ہیں جس سے سارے گھر والے پریشان ہو جاتے ہیں۔ وہ اگرچہ اپنی شرافت یا حسن اخلاق کی وجہ سے زبان سے کچھ نہیں کہتے لیکن ایسے موقع پر آدمی کو خود اپنے بارے میں سوچنا چاہیے کہ اگر ہمارے ساتھ بھی ایسا معاملہ ہو تو ہمیں کیسا لگے گا؟

الغرض ایک دوسرے کی راحت رسانی کا جذبہ ہر وقت ہر مسلمان کے پیش نظر رہنا چاہیے۔ ایمان کا تقاضا یہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ان حقوق کی ادائیگی کی کامل توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

پانچویں فصل:

بغض وعداوت

دل کو جن بدترین امراض سے بچانا ضروری ہے ان میں ایک بڑا مرض کسی سے کینہ اور بغض رکھنا ہے یہ ایسا مرض ہے جس کا صرف مسلسل جاری رہتا ہے اور دینی و دنیاوی ہر اعتبار سے اس کے مفاسد سامنے آتے رہتے ہیں۔ دنیوی مفاسد تو ظاہر ہیں کہ اس بغض وعداوت کی وجہ سے معاملہ کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا ہے اور دینی مفاسد یہ ہیں کہ جب کسی سے بغض ہوتا ہے تو پھر اس پر الزامات لگائے جاتے ہیں، غیبتیں کی جاتی ہیں، سازشیں رچائی جاتی ہیں، گویا کہ ایک مرض نہ جانے کتنے امراض کا سبب بن جاتا ہے اور پھر سب سے بڑی نحوست یہ کہ اس کی بناء پر بارگاہِ خداوندی میں دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تُعْرَضُ اَعْمَالُ النَّاسِ فِیْ کُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَیْنِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَ یَوْمَ الْخَمِیْسِ فَیَغْفِرُ اللّٰہُ لِکُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ اَخِیْہِ شَحْنَاءُ فَیُقَالُ اُتْرُکُوْا ھٰذَیْنِ حَتّٰی یَفِیْئَا۔

(عن ابی ھریرۃ کنز العمال ۳ ۱۸۷)

”ہر ہفتہ میں دو مرتبہ پیر اور جمعرات کے دن (اللہ کے دربار میں) لوگوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ہر ایمان والے شخص کی مغفرت فرماتا ہے۔ سوائے ایسے آدمی کے جس کی دوسرے سے دشمنی اور بغض ہو تو کہہ دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی چھوڑ دو تا آنکہ یہ دونوں صلح کرلیں“۔

اور بعض روایات میں ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب کو مغفرت کی جاتی ہے مگر کینہ پروری اس رات میں بھی مغفرت نہیں ہوتی۔ ((کنز العمال ۳ ۱۸۶)

اس لیے شریعت اسلامی نے بغض وعداوت کے تقاضوں پر عمل کرنے سے نہایت سختی سے منع کیا ہے۔

بول چال بند کرنا

مثلاً آج جہاں کسی سے کوئی ناگواری کی بات ہوئی بول چال بند کر دی جاتی ہے۔ خوشی اور

غمی میں شرکت سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی جاتی ہے حتیٰ کہ اگر کہیں دونوں کا سامنا بھی ہو جائے تو ہر ایک منہ موڑ کر الگ راستہ اپنا لیتا ہے۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَالَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يَهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَ يُعْرِضُ هٰذَا وَ خَيْرُهُمَا الَّذِىْ يَبْدَاُ بِالسَّلَامِ۔ (متفق عليه' مشكوة شريف ۲/۴۲۷)

''کسی شخص کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین راتوں سے زیادہ بول چال قصداً بند کرے دونوں اس حال میں ملیں کہ ہر ایک دوسرے سے اعراض کرتا ہو ان میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام سے ابتداء کرے''۔

حدیث میں تین دن کی قید اس لیے لگائی گئی کہ اگر طبعی تقاضے کی بناء پر ناگواری ہو جائے تو اس کا اثر تین دن پورے ہونے پر جاتا رہتا ہے۔ اب آگے اگر قصداً بول چال بند ہو رہی ہے تو طبعی تقاضے کا اثر نہیں بلکہ دل کے کینے اور بغض کا اثر ہے جس کو مٹانے کی ضرورت ہے۔ غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نزاع کے دوران فریقین میں بات چیت بند ہونا' نزاع کو بڑھانے میں سب سے مؤثر کردار ادا کرتا ہے کیونکہ اگر بات چیت کا سلسلہ قائم ہو تو کتنی ہی بدگمانیاں تو محض گفتگو سے ختم ہو جاتی ہیں اور بات چیت قائم نہ ہو تو جھگڑے کی خلیج برابر بڑھتی چلی جاتی ہے اور دونوں طرف سے کھل کر حقوق کی پامالی کی جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں نزاع کے سبھی اسباب کو سرے سے ختم کرنے کی تلقین فرمائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا۔

(بخاری: ۶۰۶۶' ابو داود: ۴۹۱۷ متفق عليه 'مشكوة شريف ۲/۴۲۷)

''بدگمانی سے بچتے رہو اس لیے کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور کسی کو ٹوہ میں مت رہو اور نہ جاسوسی کرو اور نہ بھاؤ بڑھاؤ اور نہ آپس میں حسد کرو اور نہ بغض کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کرو اور سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ''۔

اور ایک روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ هَجَرًا اَخَاهُ سَنَةً فُهَوَ كَسَفْكِ دَمِهٖ۔ (الترغیب والترھیب للمنذری ۳۰۶/۳)
''جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی سے ایک سال بول چال بند رکھی اس نے گویا اس کا خون بہادیا''

بسا اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ دو آدمیوں میں ناچاقی ہوتی ہے اور ان میں سے ایک صلح کرنا چاہتا ہے، دوسرا صلح پر آمادہ نہیں ہوتا، تو یہ دیکھنا چاہیے کہ صلح پر آمادہ کیوں نہیں ہو رہا اگر اس کا کوئی حق بنتا ہے جس کا وہ مطالبہ کر رہا ہے تو اس کا حق ادا کیا جائے اور اگر وہ خواہ مخواہ صلح سے انکار کرتا ہے تو لڑائی اور نزاع کا گناہ صلح چاہنے والے پر نہ ہوگا بلکہ صرف اسی شخص پر ہوگا جو صلح سے انکار کر رہا ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے:

لاتحل الهجرة فوق ثلثة أيام فإن التقيا فسلّم أحدهما فرد الآخر اشتركا فی الاجر وإن لّم يرد برى هذا من الاثم وباء به الآخر۔

(رواه الطبرانی الترغيب والترهيب ۳۰۵/۳)

''تین دن سے زیادہ بول چال بند کرنا جائز نہیں ہے پھر اگر دونوں کی ملاقات ہو اور ایک نے سلام کیا تو اگر دوسرا جواب دے دے تو دونوں ثواب میں شریک ہو جائیں گے اور اگر دوسرا جواب نہ دے تو یہ (سلام کرنے والا) گناہ سے بری ہو جائے گا اور دوسرا (جواب نہ دینے والا) گنہگار رہے گا''۔

حاصل یہ ہے کہ ہر مؤمن کو دوسرے کی طرف سے دِل صاف رکھنا ضروری ہے اور اگر اتفاقاً کوئی بات ناگواری کی پیش آجائے تو جلد از جلد اسے رفع رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس بارے میں کوتاہی اور لاپرواہی سے بڑے مفاسد جنم لیتے ہیں اور بعد میں ان کا سدباب بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

بغض کے بعض مفاسد

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ بغض وعداوت کی وجہ سے آٹھ خرابیاں اکثر سامنے آتی ہیں:

① حسد: یعنی تمنا ہوتی ہے کہ دوسرے کے پاس سے نعمت جاتی رہے اور اس کو نعمت ملنے پر دِل میں کڑھتا ہے اور اسکی مصیبت پر خوش ہوتا ہے یہ منافقین کی خصلت ہے اور دین کا

ستیاناس کرنے والی صفت ہے۔

۲ شماتت: یعنی دوسرے کی مصیبت پر دل ہی دل میں خوب خوشی محسوس کرے۔
۳ ترکِ تعلقات: کہ دلی کینہ کی وجہ سے بول چال' آنا جانا سب بند کر دیتا ہے۔
۴ دوسرے کو حقیر سمجھنا: عموماً کینہ کی وجہ سے دوسرے کو ذلیل وحقیر سمجھتا ہے۔
۵ زبان درازی: جب کسی سے بغض ہوتا ہے تو اس کے بارے میں غیبت' چغلی' بہتان طرازی الغرض کسی بھی برائی سے احتراز نہیں کیا جا سکتا ہے۔
۶ مذاق اُڑانا: یعنی کینہ کی وجہ سے دوسرے کا مذاق اڑاتا ہے اور بے عزتی کرتا ہے۔
۷ مار پیٹ: یعنی کبھی کبھی کینہ کی وجہ سے آدمی مار پیٹ پر بھی اتر آتا ہے۔
۸ سابقہ تعلقات میں کمی: یعنی اگر کچھ اور نہ بھی ہو تو بغض کا ایک ادنیٰ اثر یہ تو ہوتا ہی ہے کہ اس شخص سے پہلے جو تعلقات اور بشاشت رہی ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔

(مذاق العارفین ۳/ ۱۹۹)

بغض کا سبب

علماءِ نفسیات کے نزدیک کینہ اور عداوت کی ابتداء غصہ سے ہوتی ہے۔ یعنی جب آدمی کسی وجہ سے غصہ کے تقاضے پر عمل نہیں کر پاتا تو یہی غصہ کینہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی بڑے آدمی کی طرف سے کوئی خلافِ طبع بات سامنے آئی' تو اس پر غصہ بہت آتا ہے لیکن اس آدمی کی بڑائی کی وجہ سے آدمی اس سے انتقام نہیں لے پاتا تو یہی بات اس سے بغض وکینہ کا سبب بن جاتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ بغض کے اس سبب کو مٹانے کی کوشش کی جائے۔ اولاً تو کوشش کریں کہ غصہ ہی نہ آئے۔ اسی لیے پیغمبر ﷺ نے نصیحت کے طالب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہی ایک نصیحت فرمائی کہ وہ غصہ نہ ہوا کریں۔ (الترغیب والترہیب ۳/ ۲۹۹)

کیونکہ یہ ساری خرابیوں کی جڑ ہے اور غصہ کا سب سے بڑا سبب تکبر اور خودنمائی ہے جو شخص تکبر سے جتنا دور ہو گا اتنا ہی وہ غصہ سے بھی پاک ہو گا۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں اکثر غصہ اسی لیے آتا ہے کہ اس نے ہماری عزت پامال کر دی ہے۔ اس نے بھری مجلس میں ہماری رائے کے خلاف رائے دے دی۔ اس نے ہمارے مشورہ کو قبول نہیں کیا۔ اس نے ہمارے مقام اور مرتبہ کا

خیال نہیں رکھا وغیرہ وغیرہ اور اگر آدمی متواضع ہو جائے تو یہ سب جھمیلے خود بخود ختم ہو جائیں گے اور کیفیت یہ ہو جائے گی کہ کسی لعن طعن کرنے والے کی ہرزہ سرائی پر بھی نفس میں کچھ حرکت نہ پیدا ہو گی اور جب غصہ نہیں آئے گا تو بغض کا سوال ہی پیدا نہ ہو گا۔

اگر غصہ آ جائے تو کیا کریں؟

لیکن غصہ ایک طبعی چیز بھی ہے۔ لہٰذا اگر غصہ کسی بات پر آ ہی جائے تو حکم یہ ہے کہ اس کے تقاضے پر عمل کرنے کے بجائے پہلی فرصت میں اسے دفع کرنے کی کوشش کریں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جس کا غصہ جلدی جاتا رہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک طویل حدیث میں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَةٌ تَتَوَقَّدُ فِيْ جَوْفِ ابْنِ آدَمَ اَلَمْ تَرَوا إِلٰى حُمْرَةِ عَيْنَيْهِ وَانْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ فَإِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَلْيَلْزَقْ بِالْاَرْضِ، أَلَا إِنَّ خَيْرَ الرِّجَالِ مَنْ كَانَ بَطِيْءَ الْغَضَبِ سَرِيْعَ الْفَيْءِ وَشَرَّ الرِّجَالِ مَنْ كَانَ بَطِيْءَ الْفَيْءِ سَرِيْعَ الْغَضَبِ سَرِيْعَ الْفِيئِ فَإِنَّهَا بِهَا وَإِذَا كَانَ بَطِيْءَ الْغَضَبِ بَطِيْءَ الْفَيْءِ فَإِنَّهَا بِهَا...... (رواه البیهقی فی شعب الایمان ۳۰۱/۶)

”غصہ ایک انگارہ ہے جو آدمی کے اندر دہکتا ہے کیا تم (غصہ کرنے والے کی) آنکھ کی سرخی اور اس کی رگوں کا پھولنا نہیں دیکھتے۔ لہٰذا تم میں سے جب کوئی غصہ محسوس کرے تو زمین سے چمٹ جائے اچھی طرح یاد رکھو! سب سے اچھا آدمی وہ ہے جسے غصہ دیر سے آئے اور جلدی اتر جائے اور سب سے بدتر آدمی وہ ہے جسے غصہ جلدی آئے اور دیر سے اترے اور اگر ایسا آدمی ہو جسے غصہ جلدی آ کر جلدی اتر جائے تو اس کا معاملہ برابر سرابر ہے اور اگر دیر سے آ کر دیر میں جائے تو بھی برابر سرابر ہے۔......“

نیز دیگر احادیث میں غصہ کے دفعیہ کے طریقے بتائے گئے۔ ملاحظہ فرمائیں:

① اعوذ باللہ پڑھیں: ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو سخت غضبناک دیکھا تو آپ نے فرمایا: ”میں ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر وہ پڑھ لے تو اس کا غصہ جاتا

رہے''۔ پھر پوچھنے پر فرمایا' وہ کلمہ: اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ہے۔

(الترغیب والترہیب ۳/۳۰۳)

② وضو کریں: ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ غصہ شیطان کے اثر سے ہوتا ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے۔ لہٰذا جب کسی کو غصہ آئے وضو کر لیا کرے۔ (الترغیب والترہیب ۳/۳۰۴)

③ بیٹھ جائیں یا لیٹ جائیں: ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھنے سے بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جائے۔ (الترغیب والترہیب ۳/۳۰۴)

علاوہ ازیں جب کسی شخص پر غصہ آئے تو بہتر ہے کہ اس کے سامنے سے ہٹ جائے۔ بالخصوص گھر والوں سے یا بیوی سے غصہ ہو تو سامنے سے ہٹ کر کمرے میں چلا جائے' یا گھر سے باہر آجائے' اس لیے کہ اگر وہیں کھڑا رہے گا تو بات آگے بھی بڑھ سکتی ہے۔ آج کل اکثر طلاق کے واقعات اسی لیے پیش آتے ہیں کہ غصہ کے بعد اس کے دفعیہ کی کوشش نہیں کی جاتی' اور جب شیطان غصہ کے ذریعے اپنا کام پورا کر دیتا ہے تو افسوس کرتے ہیں اور مفتیوں کے دامن میں پناہ ڈھونڈتے ہیں اور جو قابو کرنے کا موقع ہوتا ہے اسے غصہ کے جوش میں برباد کر دیتے ہیں۔ اللّٰھم احفظنا منہ۔

سب سے بڑا پہلوان

ذاتی معاملات میں غصہ کے تقاضے پر عمل کرنے سے رک جانا بڑی فضیلت اور سعادت کی بات ہے۔ قرآن کریم میں اللہ کے مقبول بندوں کے صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ﴾ ۔ (اور جو غصہ کو پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں) اور ایک روایت میں وارد ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تم سب سے بڑا پہلوان کسے سمجھتے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ ہم سب سے بڑا پہلوان اسے سمجھتے ہیں جس کو کشتی میں کوئی پچھاڑ نہ سکے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ بِذٰلِكَ وَ لٰکِنَّهُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ (مسلم شریف ۲/۳۲۶)

''وہ پہلوان نہیں ہے، بلکہ اصل طاقتور وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے''۔

غصہ پینے کا اجر وثواب

ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ کَظَمَ غَیْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰی أَنْ یُنْفِذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰی رُؤُسِ الْخَلَائِقِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یُخَیِّرَهٗ مِنْ اَیِّ حُوْرٍ شَاءَ۔ (شعب الایمان ۶/۳۱۳)

''جو شخص باوجود غصہ کے تقاضے پر عمل کرنے کی قدرت کے، غصہ کو پی جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن تمام مخلوقات کے سامنے لائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ جنت کی جس حور کو چاہے پسند کرلے''

اور ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا جَرَعَ عَبْدٌ جَرْعَةً أَعْظَمَ أَجْرًا عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ جَرْعَةِ غَیْظٍ کَظَمَهَا اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ (شعب الایمان ۶/۳۱۴)

''اللہ کے نزدیک اجر وثواب کے اعتبار سے سب سے زیادہ عظمت والا گھونٹ وہ غصہ کا گھونٹ ہے جسے محض رضا خداوندی کی نیت سے انسان پی جائے''۔

حقیقت یہ ہے کہ غصہ کو پی جانا اور مخاطب کو معاف کردینا اعلیٰ درجہ کا کمال ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک انتہائی پسندیدہ اعمال میں سے یہ تین اعمال ہیں: ① قدرت کے باوجود معاف کردینا۔ ② تیزی اور شدت کے وقت غصہ کو قابو میں رکھنا۔ ③ اور اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی اختیار کرنا۔ (شعب الایمان ج۶/ ۳۱۸)

حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

خانوادۂ نبوت کے چشم وچراغ حضرت زین العابدین علی بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ ان کی باندی وضو کرا رہی تھی۔ اتفاق سے اس کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر اس طرح گرا کہ حضرت کے چہرہ پر کچھ زخم لگ گیا۔ ابھی آپ نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا ہی تھا کہ باندی بولی: وَالْکٰظِمِیْنَ

اَلْغَیْظَ۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے اپنا غصہ پی لیا۔ پھر اس باندی نے آیت کا اگلا ٹکڑا پڑھا وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط ‘تو حضرت نے فرمایا کہ جا تجھے میں نے معاف کر دیا ور اللہ تعالیٰ بھی تجھے معاف فرمائے پھر باندی نے آیت کا آخری حصہ پڑھا: وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ‘ یہ سن کر حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جا تو آزاد ہے۔ (شعب الایمان ج ۶/ ۳۱۷)

اس واقعہ کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنے خدام کے ساتھ طرزِ عمل کا جائزہ لینا چاہیے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ کسی خادم یا ملازم سے بلا ارادہ بھی اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو نہ صرف یہ کہ اس کو بروقت سخت سزا سے دوچار ہونا پڑتا ہے بلکہ مدت دراز تک اسے بات بات پر طعنے بھی سننے پڑتے ہیں۔ یہ چیز انسانیت اور مروت کے خلاف ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے مواقع پر جذبۂ انتقام کے بجائے عفو و درگذر سے کام لینا چاہیے اور دنیا کے نقصان پر آخرت کے ثواب کا امیدوار رہنا چاہیے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بات کا متمنی ہو کہ آخرت میں اس کے لیے بلند و بالا محل بنایا جائے اور اس کے درجات اونچے کیے جائیں تو اسے چاہیے کہ اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کر دے اور اپنے محروم کرنے والے کو عطا کرے اور تعلق توڑنے والے سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے۔

(تفسیر ابن کثیر ص: ۲۶۶ آیت ۱۳۴)

حضرت سری مقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین خصلتیں جس شخص میں پائی جائیں گی وہ اپنے ایمان کو مکمل کرنے والا ہوگا: ① وہ شخص کہ جب اسے غصہ آئے تو اس کا غصہ اسے دائرۂ حق سے نہ نکالے۔ ② جب وہ کسی سے راضی ہو تو یہ رضامندی ناحق کی طرف نہ لے جائے۔ ③ جب اسے اپنا حق وصول کرنے پر قدرت ملے تو اپنے حق سے زیادہ وصول کرنے سے باز رہے۔

(شعب الایمان ج ۶/ ۳۲۰)

بہرحال قرآن کریم اور احادیث طیبہ کی ہدایات کے بموجب اپنے ذاتی معاملات میں حتی الامکان غصہ کے تقاضے پر عمل کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اس کے خلاف کرنے سے معاملات بگڑ جاتے ہیں۔ بالخصوص میاں بیوی کے تنازعات میں طلاق تک کی نوبت آ جاتی ہے اور پھر بعد میں حسرت و افسوس کچھ کام نہیں دیتا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ شروع ہی میں سمجھ داری سے

کام لیا جائے۔

غصہ کہاں پسندیدہ ہے؟

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ غصہ کہیں بھی مشروع اور پسندیدہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ وضاحت پیش نظر رکھی ضروری ہے کہ غصہ ضبط کرنے کا حکم وہیں ہے، جہاں معاملہ محض اپنی ذات تک محدود ہو۔ اس کے برخلاف کسی دینی یا شرعی معاملہ میں یا عام مسلمانوں کے نقصان کے معاملے میں غصہ کا اظہار عین تقاضائے ایمان ہے۔ جب شریعت کے کسی حکم کو پامال کیا جائے، سنت کی بے حرمتی کی جائے۔ اسلام کے ساتھ استہزاء اور مذاق کیا جائے یا مسلمانوں کے شعائر اور ان کے مفادات پر ضرب لگائی جائے تو ایسے مواقع پر غصہ نہ آنا اور مرعوبیت اختیار کرتے ہوئے مصلحت کوشی سے کام لینا ایمانی تقاضے کے خلاف ہے۔ اس وقت غصہ آنا ہی باعث اجر و ثواب اور قابل تعریف ہے۔ کیونکہ یہ غصہ اپنی ذاتی مفاد کے لیے نہیں آ رہا ہے بلکہ ایمان کی محبت میں آ رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و اخلاقِ مقدسہ کے متعلق حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی طویل روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صفت بیان کی گئی ہے کہ:

وَلَا يُقَامُ لِغَضَبِهٖ إِذَا تَعَرَّضَ لِلْحَقِّ بِشَيْءٍ حَتّٰى يَنْتَصِرَ لَهٗ وَلَا يَغْضَبُ لِنَفْسِهٖ وَلَا يَنْتَصِرُ لَهَا۔ (شمائل الرسول، ابن کثیر ۵۹)

''اور جب کسی امر حق کی کوئی مخالفت ہوتی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کی کوئی تاب نہ لا سکتا تھا تا آنکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق کو غالب نہ فرما دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے نہ تو غصہ ہوتے اور نہ انتقام لیتے تھے''۔

چنانچہ ذخیرۂ احادیث میں بہت سے ایسے واقعات موجود ہیں کہ آپ نے حکم شریعت کی خلاف ورزی یا دینی معاملہ میں لاپروائی پر سخت غصہ کا اظہار فرمایا۔ ایک مرتبہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ایک کلمہ گو کو منافق سمجھ کر قتل کر دیا تھا۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو انتہائی ناراضگی ظاہر فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے رہے: **افلا شققت عن قلبه** (کیا تم نے اس کا دِل چیر کر دیکھا تھا) حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خفا ہوئے کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش آج سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوتا اور آج ہی اسلام لاتا

(تاکہ یہ گناہ اسلام لانے سے معاف ہو جاتا)۔ (مسلم شریف ۱/ ۶۸)

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنے محلہ میں عشاء کی نماز ضرورت سے زیادہ لمبی پڑھا دی تھی۔ جس سے بعض مقتدیوں کو بجا طور پر اشکال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو سخت تنبیہ فرمائی۔

الغرض جب کوئی دینی کا تاہی کا مسئلہ سامنے آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر غصہ اور ناگواری کا اظہار فرماتے تھے۔ لہٰذا ایسے مواقع پر غصہ اور سختی کرنا عین سنت ہے جس پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مضبوطی سے پوری زندگی قائم رہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی میں "غضب فی اللہ" کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ہر طرح کا نقصان برداشت کر سکتے تھے۔ مگر دینی نقصان کو دیکھ کر خاموش رہنا ان کی فطرت کے خلاف تھا۔ ان میں کا ہر فرد "أنقص الدین وانا حی" (کیا دین برباد ہو اور میں زندہ رہوں) کے نعرہ کا عملی نمونہ تھا۔ جب معاملہ دین کا ہوتا تو پھر رشتہ داری یا تعلق کو بالائے طاق رکھ کر وہ صرف دینی تقاضوں کو پورا فرماتے اور مداہنت کا شائبہ بھی پاس نہ آنے دیتے تھے۔

دینی ضرورت سے ترکِ تعلق بھی جائز ہے

منکرات پر نکیر کرنے میں یہاں تک حکم ہے کہ اگر مبتلائے معصیت سے ترک تعلق اور بائیکاٹ کرنے میں دینی نفع (یعنی خود اس کی ہدایت یا دوسروں کے لیے عبرت و نصیحت) کی امید ہو تو اس سے مقاطعہ اور ترک تعلق کی بھی اجازت ہے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ان تین مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم کا ۵۰ دن تک مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) کیا گیا جو غزوۂ تبوک میں بلا کسی واقعی عذر کے شریک نہیں ہوئے تھے جن کے نام کعب بن مالک، مرارۃ بن الربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان حضرات کے بائیکاٹ کا واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے جس میں ان گنت نصیحتیں اور عبرتیں موجود ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم شریف میں اس واقعہ سے ۳۷ فوائد مستنبط فرمائے ہیں۔ (مسلم شریف مع النووی ۲/ ۳۶۴)

لہٰذا اگر کوئی ایسی صورت سامنے آئے کہ بائیکاٹ کیے بغیر چارہ نہ رہے اور اس بائیکاٹ سے کوئی دوسرا بڑا فتنہ کھڑا نہ ہو تو اس کی شریعت میں اجازت دی گئی ہے۔ مگر اس فتنہ انگیز دور

میں یہ اقدام کرنے سے پہلے ہر پہلو پر اچھی طرح غور وفکر کی ضرورت ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی ذاتی خواہش کی تکمیل کے لیے شریعت کو آڑ بنا کر ترک تعلق کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے اگر ترکِ تعلق نفسیانت کی بنیاد پر ہوگا تو ہو شرعاً ہرگز درست نہیں۔ اس سے احتراز لازم ہے۔

دِل کو صاف رکھنے کا مجرب عمل

گذشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ دِل کو کینہ کپٹ سے پاک رکھنا اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کا ایک اہم تقاضا ہے۔ اب سوال ہے کہ دوسروں کی طرف سے مستقل دِل صاف کیسے رکھا جائے اس لیے کہ جب کچھ لوگ ساتھ رہتے ہیں تو کوئی نہ کوئی بات خلاف طبع پیش آ ہی جاتی ہے جو بسا اوقات بڑھتے بڑھتے بغض تک پہنچ جاتی ہے تو اس خطرہ سے بچاؤ کے لیے دو چیزیں انتہائی نفع بخش اور مؤثر ہیں: ① عذر تلاش کرنا ② نظر انداز کرنا۔

عذر تلاش کرنا

پہلی بات یہ ہے کہ جب کسی شخص کی طرف سے کوئی خلافِ طبع قول وفعل کا علم ہو تو حتی الامکان اس شخص کی طرف سے کوئی عذر تلاش کیا جائے تو غالباً وہ شخص کسی مصلحت کی وجہ سے اس عمل کا مرتکب ہوا ہوگا۔ اس کے فعل کو اچھے محمل پر رکھنے کی وجہ سے ان شاء اللہ اس کی طرف سے دل میں بُعد پیدا نہ ہوگا۔ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

إِذَا بَلَغَكَ عَنْ أَخِيكَ شَيْءٌ تَجِدُ عَلَيْهِ فِيهِ فَاطْلُبْ لَهُ الْعُذْرَ بِجُهْدِكَ فَإِنْ أَعْيَاكَ فَقُلْ لَعَلَّ عِنْدَهُ أَمْرًا لَمْ يَبْلُغْهُ عِلْمِي۔ (شعب الایمان ٦/٣٢١)

"جب تمہیں اپنے کسی بھائی کی طرف سے کوئی ناگواری کی بات معلوم ہو تو حتی الامکان اس کی طرف سے عذر تلاش کرو۔ اگر کوئی عذر نہ ملے تو یہ کہہ دو کہ شاید اس کے پاس کوئی مصلحت ہوگی جس کا مجھے علم نہ ہوگا"۔

مثلاً آج کل اخبارات میں علماء اور قائدین کے بارے میں رنگ آمیزی کے ساتھ

رسوا کن رپورٹیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ان تحریرات کو پڑھ کر اولاً یقین نہیں کرنا چاہیے اور ثانیاً
ان کے اعمال واقوال کو بہتر معانی پر محمول کرنا چاہیے تاکہ ان کا بغض دل میں نہ جم جائے جو
انتہائی نقصان کا باعث ہے۔

غلطی کو نظر انداز کرنا

دل کو صاف رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان دوسرے لوگوں کو ٹوہ میں نہ رہے۔ بلکہ
زیادہ تر اپنے کام سے کام رکھے۔ حضرات ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ يَتْبِعُ نَفْسَهُ كُلَّ مَا يَرٰى فِي النَّاسِ يَطُوْلُ حُزْنُهُ وَلَمْ يَشْفِ غَيْظُهُ۔

(شعب الایمان ۶/۳۳۱)

''جو شخص لوگوں میں دکھائی پڑنے والی ہر بات کی ٹوہ اور جستجو میں رہتا ہے تو اس کا غم طویل ہو
جاتا ہے اور اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں پڑتا''۔

یعنی اول یہ کہ دوسروں کے عیوب پر مطلع ہونے کی کوشش نہ کرے اور اگر معلوم بھی ہو
جائے تو اس کی تحقیق وتفتیش میں نہ پڑے اور حتی الامکان اسے نظر انداز کرے۔ اگر ایسا نہیں کیا
جائے گا تو خواہ مخواہ خود ایک غم میں مبتلا ہو جائے گا۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ دنیا میں عافیت
سے وہی لوگ رہتے ہیں جو دوسروں کے عیوب سے چشم پوشی رکھتے ہیں اور تغافل برتتے ہیں۔
حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

اَلْكَيِّسُ الْعَاقِلُ هُوَ الْفَطِنُ الْمُتَغَافِلُ۔ (شعب الایمان ۶/۳۳۱)

''سمجھدار عقل مند وہ شخص ہے جو ذہین ہو اور لوگوں کے عیوب سے غفلت برتنے والا ہو''۔

محمد بن عبداللہ خزاعی فرماتے ہیں کہ میں نے عثمان بن ابی زائدہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ
عافیت کے دس اجزاء ہیں جن میں سے نو اجزاء تغافل (نظر انداز کرنے) میں پائے جاتے ہیں
محمد کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بن ابی زائدہ کا یہ مقولہ جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو جا کر سنایا تو
آپ نے فرمایا کہ عافیت کے دس اجزاء ہیں۔ اور یہ دس کے دس اجزاء تغافل میں پائے جاتے
ہیں۔ (شعب الایمان ۶/۲۲۰)

واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ ''تغافل'' عافیت کی بنیاد ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی بھی شخص عیوب

سے پاک نہیں ہے۔ اگر ہر آدمی عیب اچھالنے میں لگ جائے تو آدمی بے عیب نہیں رہ سکتا حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص ایسا دوست چاہے جو بالکل بے عیب ہو تو اسے زندگی دوست کے بغیر ہی گذارنی پڑے گی''۔ (اس لیے کہ بے عیب دوست کہیں دستیاب ہی نہ ہوگا)۔ (شعب الایمان ۶/۳۳۰)

مخاطب کی عزت نفس کا خیال

اسی طرح گفتگو کرنے کے دوران ایسا انداز اختیار نہ کرنا چاہیے کہ جسے مخاطب کی عزت پر ضرب آئے یا اسے ناگواری ہو۔ اس سلسلہ میں بے احتیاطی بھی دل میں تکدر اور نفرت کا باعث بنتی ہے ہر آدمی خواہ وہ کتنا ہی کم تر ہو اپنی ایک عزت رکھتا ہے۔ اس سے تحقیر آمیز یا تہذیب سے گری ہوئی گفتگو کرنا خود اپنی توہین کے مرادف ہے۔ جو بات بھی کہی جائے اس کے لیے اچھی تعبیر اختیار کی جائے اور بحث کے دوران کبھی اپنی بات پر پیچ نہ کی جائے۔ جو شخص اس کا خیال نہیں رکھتا وہ خواہ کتنا ہی بڑا شخص ہو دوسروں کی نظروں میں ذلیل ہو جاتا ہے اور لوگ اس سے بحث کرنے سے کترانے لگتے ہیں حضرت بلال بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ لَجُوجًا مُمَارِياً مُعْجِباً بِرَأْيِهِ فَقَدْ تَمَّتْ خَسَارَتُهُ۔

(شعب الایمان ۶/۳۴۱)

''جب تم کسی آدمی کو پیچ کرنے والا، جھگڑالو اور اپنی رائے کو اچھا سمجھنے والا دیکھو تو (سمجھ لو) کہ اس کا خسارہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے''۔

اس لیے اجتماعی زندگی میں اس کا پہلو کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری ہے کہ معاملات میں دوسروں کی عزت پر کوئی حرف نہ آنے پائے۔ اپنی رائے دوسروں پر تھوپنے کی کوشش نہ کی جائے۔ بات مشورہ کے انداز میں پیش کر دی جائے۔ اگر سب کو قبول ہو تو فبہا، ورنہ نا مقبول ہونے سے رنج نہ ہو اور نہ ہی بعد میں یہ تبصرہ کیا جائے کہ اگر میری رائے مان لی جاتی تو یہ فائدہ ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی باتیں اجتماعی زندگی میں تکرار اور نفاق کا ذریعہ بنتی ہیں۔ جن سے احتیاط کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں ایک دوسرے کی قدر کرنے کی اور دلوں کو تکدر سے پاک اور صاف رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

چھٹی فصل:

تزکیہ کی ضرورت

دل کو ہر طرح کی اخلاقی بیماریوں اور روحانی امراض سے پاک رکھنے کے لیے تزکیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ قلب کو اتنا صاف ستھرا کر دیا جائے کہ وہ اخلاقِ سیئہ سے خود بخود نفرت کرنے لگے اور اخلاقِ فاضلہ کا شوقین بن جائے۔ جب آدمی کا قلب مزکّٰی اور مجلّٰی ہوتا ہے' تو اس کیلئے رضائے خداوندی کا راستہ سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر قرآن کریم میں جناب رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داریاں بتاتے ہوئے بطور خاص: ﴿ویزکیھم﴾ (اور وہ ان کی صفائی کرتا ہے) کو ذکر کیا گیا اور جناب رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر پوری توجہ رکھی۔ تا آنکہ آپ ﷺ کی صحبت اور شاندار تربیت کے بدولت وہ صحابہ رضی اللہ عنہم امت کے تمام بعد میں آنے والے اولیاء اور مشائخ اور علماء سے افضل قرار پائے اور ان کو زبان نبوت سے ''نجوم ہدایت'' کا لقب عطا ہوا۔ تزکیہ کے بعد ان کی صفات عالیہ کیا تھیں؟ ان کا ذکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ' أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا' وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا' اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِاَقَامَةِ دِيْنِهٖ' فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى اٰثَرِهِمْ وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ اَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدٰى الْمُسْتَقِيْمِ۔ (مشکاۃ شریف ۱/۳۲' مظاہر حق ۱/۹۳)

''جسے پیروی کرنی ہے وہ مرحومین کی پیروی کرے اس لیے کہ زندہ لوگ فتنہ سے محفوظ نہیں ہیں۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے صحابہ ہیں جو اس امت میں سب سے افضل تھے' جن کے دل سب سے زیادہ نیک تھے جو علم کے اعتبار سے سب سے گہرے اور تکلفات میں کمتر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جن کو اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے منتخب فرما لیا تھا' لہٰذا ان کی فضیلت پہچانو اور ان کے نقش قدم پر چلو اور جہاں تک ہو سکے ان کی اخلاق اور

سیرت پر مضبوطی سے قائم رہو کیونکہ وہ سیدھے راستے پر گامزن تھے"۔

الغرض دل کو قساوت سے محفوظ کر کے صاف ستھرا کرنا اور نیکیوں کا عادی بنانا ہر مؤمن کی ذمہ داری ہے اس کے لیے محنت اور ہمت بلند کرنی چاہیے۔ جو شخص جتنا زیادہ تزکیہ میں آگے بڑھے گا اتنی ہی قربِ خداوندی میں آگے بڑھتا چلا جائے گا اور رحمت خداوندی سے مالا مال ہو جائے گا۔

دِل کی بیماریوں کا علاج

اب سوال یہ ہے کہ دل کا تزکیہ کیسے کیا جائے اور س کو روحانی رذائل سے محفوظ رکھنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کیا جائے؟ اس سلسلہ میں رہنمائی فرماتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ صَقَّالَۃً وَصَقَّالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ، وَمَا شِیْءٌ اَنْجٰی مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔ (بھیقی فی شعب الایمان ۳۹۶/۱) کنزالعمال ۲۱۲/۱)

"ہر چیز کو صاف کرنے اور مانجھنے کا آلہ ہوتا ہے اور دل کی صفائی کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور ذکر اللہ سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والی نہیں ہے"

ایک دوسری روایت میں ارشاد ہے:

ذِکْرُ اللّٰہِ شِفَاءُ الْقُلُوْبِ۔ (کنزالعمال ۲۱۲/۱)

"اللہ کا ذکر دلوں (کے امراض) کے لیے شفاء ہے"۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "دلوں کو پاکیزہ کرنے کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر مبارک ہے۔ (شعب الایمان ۳۹۶/۱)

یعنی جتنا زیادہ ذکر خداوندی میں اپنے کو لگائیں گے اتنا ہی دل صاف ہوگا۔ خیر کی توفیق عطا کی جائے گی اور دل کے امراض دور ہوں گے جس کی بناء پر دل کو سکون واطمینان کی دولت نصیب ہوگی۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ ط اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔

(الرعد :۲۸)

''جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں سن لو کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے''۔

ظاہر ہے کہ آدمی مطمئن اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اسے آئندہ کی زندگی میں کوئی خطرہ درپیش نہ ہو اور جو شخص گناہ کرنے والا ہے وہ مطمئن ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے اسے آئندہ اپنی بدعملیوں کی سزا کا خطرہ ہمیشہ دامن گیر رہے گا۔ جو اس کی زندگی کو مکدر کرتا رہے گا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ دنیا و آخرت میں وہی لوگ اطمینان اور عافیت میں رہ سکتے ہیں جو ذکر خداوندی میں اپنے کو مشغول رکھیں اور گناہوں سے بچتے رہیں۔

استغفار کی کثرت سے دل کی صفائی

مطلق ذکر خداوندی کے سات بالخصوص استغفار کو بھی احادیث طیبہ میں دل کی صفائی اور پاکیزگی کا سبب بتایا گیا ہے۔ ایک روایت میں ارشادِ نبوی ہے:

اِنَّ لِلْقُلُوْبِ صَدَأً كَصَدَأِ النُّحَاسِ وَجِلَاءُ وْهَا الْاِسْتِغْفَارُ۔

(کتاب الدعاء للطبرانی ۵۰۶)

''دلوں میں بھی تانبے کی طرح زنگ لگتا ہے جس کی صفائی کا ذریعہ استغفار ہے''۔

ایک دوسری روایت میں آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

قَالَ اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَاِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ۔

(کتاب الدعاء ۵۱۵، مسلم شریف ۳۴۶/۲)

''میرے دل پر غبار سا آجاتا ہے چنانچہ میں ہر دن سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں''۔

دیگر احادیث میں بھی کثرت سے استغفار کرنے کی تاکید وارد ہوئی ہے۔ اس کے ذریعہ دل کی صفائی اصل وجہ یہ ہے کہ گناہوں پر ندامت کے ساتھ جب آدمی استغفار کرے گا تو ندامت اور شرمندگی کی بناء پر خود بخود دل میں نرمی پیدا ہو جائے گی اور ربّ العزت کی بڑائی اور اپنی عاجزی کا احساس جاگزیں گا ہو اور یہ احساس دل کے تزکیہ کی سب سے زیادہ موثر تدبیر ہے۔

صالحین کی صحبت

دل کی صفائی کے لیے اللہ والوں کی صحبت بھی بے مثال تاثیر رکھتی ہے قران کریم میں: "وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ" (اور جھکو جھکنے والوں کے ساتھ) اور "کونوا مع الصادقین" (اور رہو سچوں کے ساتھ) جیسی ہدایات دے کر اس جانب رہنمائی فرمائی ہے کہ اعمالِ صالحہ کا شوق اور بری باتوں سے بے رغبتی کا ملکہ حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کی صحبت میں وقت لگانا اور ان کے دامن فیض سے وابستہ ہونا بھی انتہائی مؤثر اور مفید ذریعہ ہے۔ رمضان المبارک میں اعتکاف کی عبادت بھی اسی مقصد سے مشروع کی گئی ہے کہ آدمی کو ایسا ماحول ملے جہاں رہ کر وہ یکسوئی کے ساتھ عبادت واطاعت میں وقت لگا سکے اور گناہوں کے مواقع سے محفوظ رہے۔

شیخ کامل سے وابستگی

تجربہ یہ بتاتا ہے کہ دلوں کا تزکیہ محض کتابیں پڑھ لینے اور معلومات کے ذخائر جمع کر لینے سے ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس مقصد کی تحصیل کے لیے اصحاب معرفت' اولیاء اللہ سے وابستگی اور ان کی ہدایات کے مطابق زندگی گذارنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ جس طرح آدمی جسمانی علاج کے لیے بہترین اور قابل ڈاکٹر کو تلاش کر کے اپنے کو اس کے حوالے کر دیتا ہے اور اس کے بتائے ہوئے نسخہ پر عمل کر کے اور پرہیز کا اہتمام کر کے شفاء حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح اپنے روحانی امراض کے علاج کے لیے بھی ماہر روحانی طبیب تلاش کرنا چاہیے۔ دل کے چھپے ہوئے امراض کا آدمی (خواہ کتنا ہی بڑا ہو) خود اپنا علاج نہیں کر سکتا۔ نفس کے مکائد اتنے خطرناک ہیں اور شیطان کے فریب اتنے گہرے اور باریک ہیں کہ ان کا ادراک خود آدمی کو نہیں ہوسکتا۔ بلکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جس چیز کو آدمی عین عبادت سمجھتا رہتا ہے وہی اس کے لیے ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ اور زہرناک ہوتی ہے۔ اسی طرح کے امراض کی تشخیص شیخ کامل ہی کر سکتا ہے۔

شیخ کامل کی پہچان

اب یہ پتہ کیسے چلے کہ کون کامل ہے اور کون ناقص، تو اس سلسلہ میں مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے درج ذیل دس علامتیں بتائی ہیں، جن کو دیکھ کر شیخ کامل کو پہچانا جا سکتا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:

''شیخ کامل وہ ہے جس میں یہ علامتیں ہوں۔ ① بقدر ضرورت علم دین رکھتا ہو۔ ② عقائد و اعمال و اخلاق میں شرع کا پابند ہو۔ ③ دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبۂ دنیا ہے۔ ④ کسی شیخ کامل کی صحبت میں چندے رہا ہو۔ ⑤ اس زمانہ کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔ ⑥ بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم، دین دار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔ ⑦ جو لوگ اس کے مرید ہیں ان میں اکثر کی حالت باعتبار اتباع شرع و قلت حرص دنیا کے اچھی ہو۔ ⑧ وہ شیخ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی کوئی بری بات سن کر یا دیکھ کر ان کو روک ٹوک کرتا ہو، یہ نہ کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔ ⑨ اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔ ⑩ خود بھی وہ ذاکر و شاغل ہو کہ بدون عمل یا عزم عمل تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔

جس شخص میں یہ علامات ہوں پھر یہ نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت بھی صادر ہوتی ہے یا نہیں یا اس کو کشف بھی ہوتا ہے یا نہیں، یا یہ جو دعا کرتا ہے وہ قبول بھی ہو جاتی ہے یا نہیں، یا یہ صاحب تصرفات ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ امر لوازم مشیخت یا ولایت میں سے نہیں۔

(قصد السبیل در اصلاحی نصاب ۵۱۸)

کوئی دور بفضل خداوندی مذکورہ بالا علامات سے متصف اولیاء اللہ اور اصحاب معرفت سے خالی نہیں رہا ہے۔ الحمد اللہ آج بھی ایسے اکابر موجود ہیں جن سے وابستہ ہو کر ہزاروں ہزار افراد دلوں کے تزکیہ پر محنتیں کر رہے ہیں۔

تصوف کی محنتوں کا منتہائے مقصود

ان اولیاء اللہ کے ذریعہ مخصوص اعمال و وظائف کی جو مشق کرائی جاتی ہے اس کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ سالکین و طالبین میں صفت احسانی کا ظہور ہو جائے۔ یعنی دلوں سے غفلت کا پردہ اٹھے اور وہ ایمانی نور ابھر کر آئے جس کی روشنی سے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ذاتِ خداوندی کا استحضار جسے ملکہ ٔ یادداشت کہا جاتا ہے میسر آ جائے اور ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ)) (مسلم شریف ۱/ ۲۷) یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو' اگر یہ ہو سکے تو کم از کم یہ تصور کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے' کا مقام حاصل ہو جائے۔ تصوف و سلوک کی ساری محنتوں کا خلاصہ مقصود یہی ہے۔ بقیہ جو ذکر کر کے طریقے ہیں یا خاص اعداد کے ساتھ اذکار کی تعلیمات ہیں' وہ طریقے ان خاص صورتوں کے ساتھ مقصود بالذات نہیں ہیں اور نہ ان کو شرعی اعتبار سے وجوب یا فرضیت کا درجہ حاصل ہے بلکہ حقیقت میں یہ خاص طریقے امراض روحانیہ کے علاج اور ان کو دور کرنے کی تدبیریں ہیں جنہیں شیخ کامل سالک کے حالات اور ضروریات کا جائزہ لے کر تجویز کرتا ہے۔ اب اگر کوئی انہی تدابیر کو اصل سمجھ بیٹھے اور منتہائے مقصود یعنی صفت احسانی کے حصول سے صرف نظر کر لے تو یقیناً غلطی پر ہے اور تصوف و سلوک کی حقیقت سے قطعاً ناواقف ہے۔

عارف باللہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

اسی کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے دَور کے صاحب معرفت اور راہ سلوک کے رمز آشنا بزرگ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہر وقت اس کا اور اس کی رضا کا دھیان و فکر کرنا اور اس کی طرف سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا' یہ کیفیتیں دین میں مطلوب ہیں اور قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بغیر ایمان اور اسلام کامل ہی نہیں ہوتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دین کی تعلیم و تربیت کی طرح یہ ایمانی کیفیتیں بھی آپ کی صحبت ہی سے حاصل ہو جاتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبتوں میں بھی یہ تاثیر تھی لیکن بعد میں

ماحول کے زیادہ بگڑ جانے اور استعدادوں کے ناقص ہو جانے کی وجہ سے اس مقصد کے لیے کاملین کی صحبت بھی کافی نہیں رہی، تو دین کے اس شعبہ کے اماموں نے ان کیفیات کے حاصل کرنے کے لیے صحبت کے ساتھ ''ذکر وفکر کی کثرت'' کا اضافہ کیا اور تجربہ سے یہ تجویز صحیح ثابت ہوئی۔ اسی طرح بعض مشائخ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے احوال کا تجربہ کر کے ان کے نفس کو توڑنے اور شہوات کو مغلوب کرنے اور طبیعت میں لینت (نرمی) پیدا کرنے کے لیے ان کے واسطے خاص قسم کی ریاضت ور مجاہدے تجویز کیے۔ اسی طرح ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لیے اور طبیعت میں رِقت اور یکسوئی پیدا کرنے کے لیے ضرب کا طریقہ نکالا گیا، تو ان میں سے کسی چیز کو مقصود اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ یہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے اور اسی لیے مقصد حاصل ہو جانے کے بعد یہ سب چیزیں چھڑا دی جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ طریق اپنے اپنے زمانہ کے حالات اور اپنے تجربہ کے مطابق ان چیزوں میں ردوبدل اور کمی بیشی بھی کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں بلکہ ایک ہی شیخ کبھی کبھی مختلف طالبوں کے لیے ان کے خاص حالات اور ان کی استعداد کے مطابق الگ الگ اعمال واشغال تجویز کر دیتا ہے اور بعض ایسے اعلیٰ استعداد والے بھی ہوتے ہیں جنہیں اس طرح کا ذکر وشغل کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ ان کو یونہی نصیب فرما دیتا ہے اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کو صرف رلاج اور تدبیر کے طور پر ضرورتاً کرایا جاتا ہے۔

(بیس بڑے مسلمان ۹۹۸ مضمون مولانا منظور احمد نعمانیؒ)

اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ تصوف اور راہ سلوک کی محنتیں دین سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ شریعت کی روح کو انسان کے رگ وپے میں بسانے کا نام ہی دراصل تصوف ہے اور یہی وہ تصوف ہے جس کا اکابر اولیاء اللہ امام رہے ہیں اور اس راہ سے ان کے ہاتھوں پر ہزارہا ہزار تشنگانِ معرفت نے مئے عرفان ومحبت سے سیرابی حاصل کی ہے۔

تصوف کی راہ سے دینی خدمت میں جلا پیدا ہوتی ہے

تصوف دینی خدمات ومصروفیات میں حائل نہیں ہوتا بلکہ ان خدمتوں کی جان اور روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ وہی شخص خلق خدا کو افادۂ ظاہری (تعلیم و

تدریس) اور افادۂ باطنی (سلوک و تربیت) کا حقدار ہے جو نسبت باطنی سے آراستہ و پیراستہ ہو۔ یہ دین ایسے ہی اصحابِ نسبت خدام کے ذریعہ دنیا میں پھیلا ہے۔ محض علم سے فیض نہیں پہنچتا' جب تک کہ اس کے ساتھ نسبت کی چاشنی نہ ہو اور نسبت باطنی کی وضاحت کرتے ہوئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اور علامت حصول نسبت باطنی کے دو امر ہیں۔ ایک یہ کہ ذکر اور یادداشت کا ایسا ملکہ ہو جائے کہ کسی وقت غفلت اور ذہول نہ ہو اور اس میں زیادہ تکلف نہ کرنا پڑے دوسرے یہ کہ اطاعت حق یعنی اتباعِ احکام شرعیہ کی عباداتاً و معاملۃً و خلقاً و قولاً و افعالاً اس کو ایسی رغبت اور منہیات و مخالفات سے ایسی نفرت ہو جائے جیسے مرغوبات و مکروہاتِ طبیعت کی ہوتی ہے اور حرص دنیا کی قلب سے نکل جاوے۔ کان خلقه القرآن اس کی شان بن جائے۔ البتہ کسل عارضی یا وسوسہ جس کے مقتضی پر عمل نہ ہو اس رغبت و نفرت کے منافی نہیں......''۔

(قصد السبیل دَر اصلاحی نصاب ۵۳۲)

ظاہر ہے کہ ایسے صاحب نسبت کی خدمت سے اور افادۂ عوام و خواص سے جو نفع خلق خدا کو پہنچ سکتا ہے وہ غیر نسبت والے شخص سے ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے بالخصوص مدارس کے فضلا کو چاہیے کہ وہ علوم ظاہری کی تکمیل کے ساتھ نسبت کے حصول کے لیے کسی شیخ کامل کی صحبت و متابعت سے فیض اٹھائیں تاکہ جب وہ خدمت کے میدان میں قدم رکھیں تو ان کے ذریعہ سے ہدایت کی کرنیں چار دَانگ عالم میں پھوٹنے لگیں اور ان کا صاف ستھرا کردار اور شاندار عمل ان کے علم نافع کا مظہر بن جائے۔

نقالوں سے ہوشیار!

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ چلتا ہوا کام دیکھ کر بہت سے دُنیادار اور عزت و شہرت کے حریص لوگ پیر و مرشد کا لبادہ اوڑھ کر تصوف کے نام پر شرک و بدعات کی دُکان چلانے میں لگے ہوئے ہیں اور انہوں نے تصوف کے شریعت سے الگ ہونے کا ڈھونگ رچا کر ضلالت اور گمراہی کا جال بچھا رکھا ہے۔ اس طرح کی دکانیں' مزارات پر سجادہ نشینوں کے ذریعہ خوب چل

رہی ہیں اور پھل پھول رہی ہیں تو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جو تصوف شریعت کے خلاف کوئی حکم دیتا ہو وہ تصوف نہیں ہے۔ شیطانیت ہے' اس لیے ایسے جعلی پیروں کی جعل سازیوں سے جہاں اپنے کو بچانا ضروری ہے وہیں ان جعل سازوں کو دیکھ کر اصلی اور سچے اہل تصوف سے دِل میں بدگمانی نہ قائم کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ بعض افراد کی غلط کاریوں کی بناء پر پورے کام کو غلط قرار دینا عقل مندوں کا کام نہیں ہے۔

بہر حال گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ دِلوں کے تزکیہ کے لیے معتبر اولیاء اللہ کے دامن سے وابستگی اختیار کرنی چاہیے تا کہ ہمارے لیے اطاعت وعبادت کی راہ آسان ہو' ہمیں اللہ کی رضا میسر آئے اور ہم صحیح معنوں میں اپنے خدا سے شرم وحیا کرنے والے بن جائیں۔ وما ذلک علی اللہ عزیز۔

باب چہارم:

موت کی یاد

- تذکیر موت
- موت کی حقیقت
- اللہ انجام بخیر کرے
- حسن خاتمہ
- نزع کا عالم

ولیذکر الموت و البلیٰ

زیر بحث حدیث (استحیوا من الله ......) میں اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا حق ادا کرنے کی تیسری اہم ترین علامت یہ بیان فرمائی گئی کہ آدمی اپنی موت اور اس کے بعد پیش آنے والے برزخی و اُخروی حالات و آثار اور مناظر کا ہر وقت استحضار رکھے۔ واقعہ یہ ہے کہ موت کے استحضار سے عبادت کی طرف رغبت، گناہوں سے ہر ممکن اجتناب کا جذبہ اور دنیا کی زندگی سے بے رغبت جیسی اعلیٰ صفات وجود میں آتی ہیں۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار کسی کے لیے ممکن نہیں۔ دنیا میں ہر نظریہ کے متعلق اختلاف موجود ہے حتیٰ کہ خدا اور رسول اور نظام کائنات کے بارے میں مختلف مذاہب کی الگ الگ رائیں پائی جاتی ہیں۔ مگر موت وہ اٹل حقیقت ہے جس کے متعلق دنیا میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ ہر شخص یہ جانتا اور مانتا ہے کہ ایک دن اس کی دنیوی زندگی کا تسلسل یقیناً ختم ہو کر رہے گا اور جب اس کا وقت آئے گا دنیا کی کوئی طاقت اور اعلیٰ سے اعلیٰ سائنسی اسباب و وسائل موت کے منہ سے نہ بچا سکیں گے قرآن کریم میں کئی جگہ ارشاد فرمایا گیا:

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ (الاعراف: ۳۴)

''سو جس وقت ان کی معیاد معین آجائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے''۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِىْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ - (نساء: ۷۸)

''تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی موت تم کو آدباوے گی اگرچہ تم قلعی چونے (سیمنٹ) کے قلعہ ہی میں ہو''۔

لیکن اس کے بالمقابل یہ بھی ایک عجیب حقیقت ہے کہ موت جتنی زیادہ یقینی ہے، اتنی ہی لوگوں میں اس سے غفلت اور عدم توجہی پائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ مجلسوں میں موت کا ذکر تک ناپسند کیا جاتا ہے، بالخصوص خوشی کی تقریبات میں اگر بالقصد موت کا تذکرہ کر دیا جائے تو ناک بھنویں چڑھ جاتی ہیں، گویا کسی اَن ہونی بات کو چھیڑ دیا گیا ہو۔ یہ غفلت، ایمانی تقاضے کے بالکل

برخلاف ہے۔ مؤمن کو تو کثرت سے موت کو یاد رکھنا چاہیے اور حتی الامکان آخرت کی تیاری کے لیے ہر وقت فکر مند رہنا چاہیے۔ قرآن کریم کی سینکڑوں آیتوں میں موت، حشر و نشر اور جنت و جہنم کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور حضرت انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ انسان کو اسکے ''اصلی اور دائمی وطن'' سے آگاہ کر کے وہاں کی دائمی نعمتوں کا اسے مستحق بنا دیا جائے۔

موت کی یاد کا حکم

اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو کثرت سے موت کو پیش نظر رکھنے کا حکم دیا ہے۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَكْثِرُوْا ذِكْرَهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ فَإِنَّهٗ مَا ذَكَرَهٗ اَحَدٌ فِيْ ضِيْقٍ مِّنَ الْعَيْشِ اِلَّا وَسَّعَهٗ عَلَيْهِ وَلَا فِيْ سَعَةٍ اِلَّا ضَيَّقَهٗ عَلَيْهِ۔ (رواہ البزار، شرح الصدور للسیوطی ۴۷)

''لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ اس لیے کہ جو بھی اسی تنگی کے زمانہ میں یاد کرے گا تو اس پر وسعت ہوگی (یعنی اس کو طبعی سکون حاصل ہوگا کہ موت کی سختی کے مقابلہ میں ہر سختی آسان ہے) اور اگر عافیت اور خوشحالی میں موت کو یاد کرے گا تو یہ اس پر تنگی کا باعث ہوگا۔ (یعنی موت کی یاد کی وجہ سے وہ خوشی کے زمانہ میں آخرت سے غافل ہو کر گناہوں کے ارتکاب سے بچا رہے گا''۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کی یاد ہر حال میں نفع بخش ہے۔ مصیبت کے وقت اس کو یاد کرنے سے ہر مصیبت آسان ہو جاتی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں صبر کرنے والوں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون''۔ یعنی ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اسی طرح جب خوشحالی اور عافیت کے وقت موت کو یاد کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے آدمی بہت سے ان گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے جن کا داعیہ عموماً خوشحالی کے زمانہ میں قوت کے ساتھ اُبھرتا ہے۔ اسی لیے حدیث بالا میں موت کو لذت توڑنے والی چیز قرار دیا گیا ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایمان والوں میں کون سا شخص سب سے زیدہ عقلمند ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا وَأَحْسَنُهُمْ لِمَا بَعْدَهُ اِسْتِعْدَادًا أُولَئِكَ الْأَكْيَاسُ۔

(رواہ ابن ماجہ ۳۲۴، شرح الصدور ۴۳)

''ان میں سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے والا ہو اور موت کے بعد کے لیے جو سب سے عمدہ تیاری کرنے والا ہو، ایسے ہی لوگ سب سے زیادہ عقلمند ہیں''۔

(۳) حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهُ وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی ۲/۷۲)

''عقلمند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے اور مرنے کے بعد کے لیے عمل کرے جب کہ عاجز اور درماندہ آدمی وہ ہے جو اپنے آپ کو اپنی خواہش کے تابع بنالے اور پھر اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھے''۔

آج کل عقلمند اسے سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے اور کاروبار کرنے میں سبقت لے جائے خواہ اس کے پاس آخرت کے لیے کوئی بھی عمل نہ ہو اور جو شخص اپنی زندگی آخرت کی تیاری میں لگائے، مال کے حصول میں حلال وحرام کی تمیز رکھے اور ہر مرحلے پر شریعت کو ملحوظ رکھے تو لوگ اسے بیچارہ اور عاجز قرار دیتے ہیں۔ ایسے شخص کو طرح طرح کے طعنے سننے پڑتے ہیں لیکن مذکورہ احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقلمندی کا جو معیار بتلایا ہے وہ لوگوں کے نظریہ سے بالکل الگ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں قابل تعریف شخص وہی ہے جو موت کو یاد کرنے والا اور اس کے لیے تیاری کرنے والا ہو۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کی تعریف بیان کی گئی تو آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ موت کو یاد کرنے میں اس کا حال کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم نے اس سے موت کا زیادہ ذکر نہیں سنا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ وہ اپنی خواہشات کو چھوڑتا ہے یا نہیں؟ اس پر لوگوں نے عرض کیا کہ وہ دنیا سے حسب خواہش فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آدمی اس تعریف

کا مستحق نہیں ہے جو تم اس کے متعلق کہہ رہے ہو۔ (کتاب الزہد لابن المبارک ص: ۹۰)

بہر حال دانشمند اور عقلمند وہی شخص ہے جو ہمیشہ دائمی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کوشاں رہے اور اس چندروزہ زندگی میں پڑ کر ہمیشہ کے عذاب کو مول نہ لے۔

(۴) حضرت وضین ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگوں میں موت سے غفلت کا احساس فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارکہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر تین مرتبہ پکار کر درج ذیل کلمات ارشاد فرماتے تھے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ! يَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ! أَتَتْكُمِ الْمَوْتُ وَاتبَةً لَازِمَةً جَاء الْمَوتِ بِمَا جَاء بِهٖ، جَاء بِالرُّوح وَالرَّاحَةِ وَالكَثْرة الْمُبَارَكَة لِاَوْلِيَاءِ الرَّحْمٰنِ مِن أَهْلِ دَارِ الْخُلُوْدِ الَّذِيْنَ كَانَ سعيُهُم وَرَغْبَتُهم لَهَا. أَلَا! إِن لِكُلِ سَاعٍ غَايَة وغَايَة كُل سَاعٍ الْمَوْت سَابِق وَمَسْبُوْق۔ (رواه البيهقي، شرح الصدور ٤٤)

"اے لوگو! اے اہل اسلام! تمہارے پاس ضرور بالضرور مقررہ وقت میں موت آنے والی ہے، موت اپنے ساتھ ان چیزوں کو لائے گی جن کو وہ لاتی ہے وہ رحمٰن کے مقرب بندوں کے لیے جو جنتی ہیں اور جنہوں نے اس کے لیے کوشش اور اس کی رغبت کی ہے عافیت، راحت اور بہت سی مبارک نعمتیں لے کر آئے گی۔ خبردار ہو جاؤ! ہر محنت کرنے والے کی ایک انتہا ہے اور وہ انتہا موت ہے۔ پہلے آئے یا بعد میں"۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے لیے موت کو یاد کرنا کوئی خلافِ طبع بات نہیں ہے۔ کیونکہ اسے یقین ہے کہ اس کے اعمالِ صالحہ کی بدولت اسے آخرت میں بہترین دائمی نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا۔ موت سے تو وہ پہلو تہی کرے جسے آخرت میں اپنی تہی دامنی کا یقین ہو۔ قرآن کریم میں کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب اپنے کو اللہ کا مقرب اور جنت کا اولین مستحق قرار دیتے تھے۔ قرآن کریم نے ان کے دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمہارا دعویٰ سچا ہے تو تمہیں جلد سے جلد موت کی تمنا کرنی چاہیے تاکہ تم اپنے اصل ٹھکانے پر پہنچ کر نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ لیکن اہل کتاب نے نہ کبھی تمنا کی، نہ کریں گے اور ہمیشہ موت سے بچنے کی کوشش کرتے رہیں گے جو اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں آخرت میں اپنی محرومی کا پورا

یقین ہے۔ سچے مؤمن کی شان اس کے بالکل برخلاف ہے اس کے لیے تو موت کا ذکر وصل محبوب کی لذت عطا کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ: "کیا میں تمہیں یہ نہ بتلاؤں کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے سب سے پہلے کیا بات کرنے گا اور تم اس کو کیا جواب دو گے؟ ہم نے عرض کیا کہ جی ہاں یا رسول اللہ ضرور بتلائیے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین سے فرمائے گا کہ کیا تمہیں مجھ سے ملاقات پسند تھی' مؤمنین عرض کریں گے کہ ہاں ہمارے ربّ! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میری مغفرت تمہارے لیے واجب ہوگئی۔ (کتاب الزہد ۹۳)

موت کے متعلق اصحاب معرفت کے اقوال واحوال

☆ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ موت نصیحت کا انتہائی موثر ذریعہ ہے لیکن اس سے غفلت بھی بہت زیادہ ہے۔ موت وعظ کے لیے کافی ہے اور زمانہ لوگوں میں جدائی پیدا کرنے کے لیے تیار ہے۔ آج جو لوگ گھروں میں ہیں وہ کل قبروں میں ہوں گے۔

☆ رجاء بن حیوۃ فرماتے ہیں کہ جو شخص موت کو کثرت سے یاد کرے گا اس کے دل سے حسد اور اتراہٹ نکل جائے گی۔ یعنی نہ تو وہ کسی دنیوی نعمت کی بناء پر ذہنی الجھن میں مبتلا ہوگا اور نہ ہی فرح و مسرت میں مست ہو کر معاصی کا ارتکاب کرے گا۔

☆ عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں موت کی یاد جم جاتی ہے وہ اگلے دن تک بھی اپنی زندگی کے رہنے کا یقین نہیں رکھتا۔ کیونکہ کتنے ایسے دن تک پہنچنے والے ہیں کہ وہ موت کی وجہ سے دن بھی پورا نہیں کر پاتے اور کتنے لوگ کل کی امید رکھنے والے ہیں مگر کل تک نہیں پہنچ پاتے۔ اگر تم موت اور اس کی آمد کو دیکھ لو تو آرزو اور اس کے دھوکہ کو ناپسند کرو گے۔ اور آپ ہی سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ آدمی جس عمل کی وجہ سے موت کو ناپسند کرتا ہے (یعنی گناہ اور معصیت) اسے فوراً چھوڑ دے پھر کوئی مشکل نہیں جب چاہے مر جائے۔

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ موت کی یاد جس کے

دِل میں جگہ بنا لے تو وہ اپنے قبضہ کے مال کو ہمیشہ زیادہ ہی سمجھے گا۔ (یعنی مزید مال بڑھانے کی فکر نہ کرے گا)۔

☆ حضرت مجمع تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موت کی یاد ایک طرح کی مالداری ہے۔

☆ کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جو شخص موت کو پہچان لے اس کے لیے دنیا کی تمام مصیبتیں اور رنج وغم ہلکے ہو جائیں گے۔

☆ ایک دانشمند کا قول ہے کہ دلوں میں عمل کی زندگی پیدا کرنے کے لیے موت کی یاد سب سے زیادہ مؤثر ہے۔

☆ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے نصیحت فرمائی کہ تم موت کو کثرت سے یاد کیا کرو تمہارا دل نرم ہو جائے گا۔

☆ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے بعد اس کی خبر ملے گی۔ (شرح الصدور ۴۶۔۴۸)

☆ صالحین میں سے ایک شخص روزانہ شہر کی دیوار پر کھڑے ہو کر رات میں یہ آواز لگاتا تھا ''چلو قافلے کے چلنے کا وقت آ گیا ہے''۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو شہر کے حکام کو یہ آواز نہیں سنائی دی۔ تحقیق پر پتہ چلا کہ اس کی وفات ہو گئی ہے تو امیر نے یہ اشعار پڑھے۔

مَا زَال یَلهجُ بالرَّحیلِ و ذِکْرِہٖ ☆ حتّٰی أناخ ببَابِه الجَمَّال

فأصابهُ متیقظًا متشمرًا ☆ ذَا أهبةٍ لَمْ تُلهِهِ الآمال

وہ برابر کوچ کی آواز اور اس کے تذکرے سے دلچسپی لیتا رہا یہاں تک کہ خود اس کے دروازے پر اونٹ بان (موت کے فرشتے کی طرف اشارہ ہے) پڑاؤ ڈالا۔ چنانچہ اسے بیدار، مستعد اور تیار پایا۔ کھوٹی آرزوئیں اسے غافل نہ کر سکیں۔ (التذکرہ فی احوال الموتی الآخرۃ ۱۰)

☆ علامہ تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو چیزوں نے مجھ سے دنیا کی لذت چھین لی ہے۔ ایک موت کی یاد دوسرے میدانِ محشر میں اللہ ربّ العالمین کے سامنے حاضری کا استحضار۔ (التذکرہ: ۱۰)

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ وہ علماء کو جمع فرما کر موت، قیامت اور

آخرت کا مذاکرہ کیا کرتے تھے اور ان احوال سے متاثر ہو کر ایسے پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے گویا کہ ان کے سامنے کوئی جنازہ رکھا ہوا ہے۔ (التذکرہ:۱۰)

موت کو یاد کرنے کے بعض فوائد

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بعض علماء سے منقول ہے کہ جو شخص موت کو کثرت سے یاد رکھے اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ تین باتوں کی توفیق مرحمت فرماتا ہے۔

۱۔ تعجیل التوبہ: یعنی اگر اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ جلد از جلد توبہ کر کے گناہ معاف کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ کہیں توبہ کے بغیر موت نہ آ جائے۔

۲۔ قناعۃ القلب: یعنی موت کو یاد رکھنے والا حرص وطمع میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ بھی اسے میسر ہوتا ہے اسی پر راضی رہتا ہے اور یہ قناعت اسے طبعی سکون اور دلی راحت عطا کرتی ہے وہ یہ سوچتا ہے کہ تھوڑی بہت زندگی ہے جس طرح بھی گزر جائے گزار لیں گے۔ زیادہ کی فکر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

۳۔ نشاط العبادۃ: یعنی موت کا استحضار رکھنے والا شخص جب عبادت کرتا ہے تو پوری دلجمعی اور یکسوئی کی کوشش کرتا ہے۔ اس دلجمعی کی دو وجوہات ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ اسے خطرہ رہتا ہے کہ پتہ نہیں کہ آئندہ اس کو عبادت کا موقع ملے کہ نہ ملے لہٰذا ابھی اسے جتنا اچھا بنالیں غنیمت ہی غنیمت ہے۔ دوسرے یہ کہ آخرت کی یاد کی وجہ سے اسے عبادت پر ملنے والے عظیم اُخروی بدلے کا کامل یقین ہوتا ہے جس کی بناء پر اسے عبادت میں وہ کیف و سرور نصیب ہوتا ہے جو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

موت کو بھول جانے کے نقصانات

اس کے برخلاف جو شخص موت کو یاد نہیں رکھتا اور آخرت سے غافل رہتا ہے وہ تین طرح کی محرومیوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

۱۔ تسویف التوبۃ: یعنی اگر اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کرنے میں ٹال مٹول کرتا رہتا ہے اور استغفار میں جلدی نہیں کرتا اور بسا اوقات اسی حالت میں اسکی موت آ جاتی ہے۔

۲۔ ترك الرضا بالكفاف: جب موت کی یاد نہیں رہتی تو آدمی کی ہوس بڑھ جاتی ہے اور وہ ضرورت کے مطابق روزی پر راضی نہیں رہتا' بلکہ ھل من مزید کی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔ موت سے غفلت کی بناء پر منصوبوں پر منصوبے بنائے چلا جاتا ہے جس کا انجام یہ نکلتا ہے کہ آرزوئیں رہ جاتی ہیں اور موت آکر زندگی کا تسلسل ختم کر دیتی ہے۔

۳۔ التكاسل في العبادة: جب آدمی موت سے غافل رہتا ہے تو عبادت کرنے میں قدرتی طور پر سستی ظاہر ہوتی ہے اور نشاط کافور ہو جاتا ہے' اولاً تو عبادت کرتا ہی نہیں اور کرتا بھی ہے تو وہ طبیعت پر نہایت گراں گزرتی ہے یہ گرانی صرف اس بناء پر ہے کہ آدمی کو یہ استحضار نہیں رہتا کہ ہم سے مرنے کے بعد ان ذمہ داریوں کے بارے میں سوال کیا جانا ہے اور اگر خدانخواستہ وہاں رضائے خداوندی کے مطابق جواب نہ ہوا تو ایسی رسوائی ہوگی جس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری رسوائیاں اور بے عزتیاں ہیچ ہیں۔ (شرح الصدور/۴۵)

موت کو یاد کرنے کے چند ذرائع

احادیث طیبہ میں جہاں موت کو یاد رکھنے کی تلقین فرمائی گئی ہے وہیں بعض ایسے اعمال کی ترغیب بھی وارد ہے جو موت کو یاد رکھنے میں مؤثر اور معاون ہوتے ہیں' ان میں سب سے اہم عمل یہ ہے کہ گاہے بگاہے عام قبرستان جا کر قبر کی زندگی اور قبر والوں کے حالات کے متعلق غور کیا جائے۔ چنانچہ ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ" (مسلم شریف ۱/۳۱٤) قبروں کی زیارت کیا کرو اس لیے کہ وہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔

اور ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُنْتُ نَهَيتُكُم عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُور اَلَا! فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُرِقُ الْقَلْبَ وتدمع الْعَيْنَ وَ تُذَكِّرِ الْاٰخِرَة وَلَا تَقُوْلُوا هُجْرًا۔ (رواه الحاكم' شرح الصور ٤٩)

"میں تمہیں پہلے قبروں پر جانے سے منع کرتا تھا مگر اب سنو! تم لوگ قبروں پر جایا کرو کیونکہ وہ دِلوں کی نرم کرتی ہیں' آنکھ سے آنسو جاری کرتی ہیں اور آخرت کی یاد دلاتی ہیں اور کوئی فحش بات مت کہا کرو"۔

اس طرح کی احادیث میں قبرستان کو موجب عبرت قرار دیا گیا ہے اور ساتھ میں قبرستان جانے کا اصل مقصد بھی بتا دیا گیا کہ وہاں محض تفریح اور تماشہ کی غرض سے نہ جائے بلکہ اصل نیت موت کو یاد کرنے اور آخرت کے استحضار کی ہونی چاہیے، مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج ہمارے دِلوں پر غفلتوں کے ایسے گہرے پردے پڑ چکے ہیں، اور قساوت کا ایسا مہلک زنگ لگ چکا ہے کہ اب قبرستانوں کو کھیل کود اور تماشوں کی آماجگاہ بنالیا گیا ہے، عرس کے نام سے اولیاء اللہ کی قبروں پر وہ طوفانِ بدتمیزی بپا ہوتا ہے کہ الامان الحفیظ اور اس طرح یہ کہ ان سب کاموں کو بہت بڑے اجر وثواب کے اعمال میں شامل کرنے کی شرمناک کوشش کی جاتی ہے، اسی طرح آج جو قبرستان آبادیوں کے بیچ میں آچکے ہیں، وہ محلے کے آوارہ گرد نوجوانوں کیلئے کھیل کے میدان بنتے جا رہے ہیں اور ان قبرستانوں میں جواریوں اور سٹہ بازوں کی کمین گاہیں بھی نظر آتی ہیں، قبروں کے سامنے رہتے ہوئے اس طرح کی حرکتیں سخت آخرت قساوت قلبی کی دلیل ہیں۔

مُردوں کو نہلانا اور جنازوں میں شرکت کرنا

اسی طرح موت کو یاد کرنے کے لئے دو اہم مؤثر اسباب بعض روایات میں بیان کئے گئے ہیں:

① ایک یہ کہ مردوں کے نہلانے میں شرکت کی جائے۔ ② دوسرے یہ کہ نمازِ جنازہ میں بکثرت شریک ہوا جائے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

زُرِ الْقُبُوْرَ تَذْكُرْبِهَا الْاٰخِرَةَ وَاغْسِلِ الْمَوْتٰى فَإِنَّ مُعَالَجَةَ جَسَدٍ خَاوٍ مَوْعِظَةٌ بَلِيْغَةٌ وَصَلِّ عَلَى الْجَنَائِزِ لَعَلَّ ذٰلِكَ أَنْ يُحْزِنَكَ فَإِنَّ الْحَزِيْنَ فِيْ ظِلِّ اللّٰهِ يَتَعَرَّضُ لِكُلِّ خَيْرٍ۔ (رواه الحاكم، شرح الصدور ۵۰)

"قبروں کی زیارت کیا کرو ان کے ذریعہ سے تم آخرت کو یاد رکھو گے اور مردوں کو نہلایا کرو اس لیے کہ بے جان جسم میں غور وفکر بجائے خود ایک مؤثر نصیحت ہے اور جنازوں پر نماز پڑھا کرو، ہوسکتا ہے اس وجہ سے تمہارا دِل غمگین ہو جائے کیونکہ غمگین آدمی اللہ کے سائے میں رہتا ہے، اور ہر خیر کا اس سے سامنا ہوتا ہے"۔

اِس حدیث میں تین باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں، اول قبرستان جانا۔ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، دوسرے مردوں کو نہلانا۔ یہ ایک اہم نصیحت ہے اور موجودہ معاشرہ کے لیے انتہائی قابل توجہ ہے آج کل غیر مسلموں کے ریت رواج اور طور طریقوں سے متاثر ہوکر مسلم معاشرہ میں بھی میت کی نعش سے ایک طرح کی وحشت کا اظہار کیا جانے لگا ہے، گھر والے بھی قریب جانا نہیں چاہتے، جب غسل دینے کا موقع آتا ہے تو بھی دوسروں پر چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ یہ بُعد اور دُوری مرنے والے کے ساتھ ایک طرح کی زیادتی ہے، میت کی لاش اسلام کی نظر میں نہایت قابل احترام ہے، اس کے ساتھ اِکرام کا معاملہ کرنا ضروری ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ مسائل معلوم کر کے میت کے قریبی اعزہ ہی اسے غسل دیں اور اگر پورا طریقہ معلوم نہ ہو تو کم از کم غسل کرانے والے کے ساتھ پانی وغیرہ ڈلوانے میں تعاون کرتے رہیں، مردوں کے ساتھ اس طرح تعلق سے اپنی موت کا منظر بھی سامنے آجائے گا اور فطری طور پر آدمی اپنے مستقبل کے بارے میں غور کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

حدیث بالا میں تیسری ہدایت یہ دی گئی کہ نمازِ جنازہ میں کثرت سے شرکت کی جائے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص کسی مسلمان کی نمازِ جنازہ میں شریک ہو اس کو ایک قیراط ثواب ملتا ہے جس کی کم سے کم وسعت احد پہاڑ کے برابر ہے، اور جو شخص جنازہ کے ساتھ قبرستان تک بھی جائے اور اس کو دو قیراط ثواب سے نوازا جاتا ہے۔ (مسلم شریف: ۱/ ۳۰۷) اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ جب بھی موقع ملے نمازِ جنازہ نہ چھوڑی جائے، نمازِ جنازہ میں چونکہ مرنے والے کے غمگین اعزہ شامل ہوتے ہیں ان کے غم واندوہ کی وجہ سے پورا ماحول غمگین بن جاتا ہے اور پھر آدمی یہ تصور لے کر جاتا ہے کہ ایک دن میرا جنازہ بھی ایسے ہی اٹھے گا اور لوگ اسی انداز میں رنج والم کا اظہار کریں گے۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

یا صاحبی لا تغترر بتعم ☆ فالعمر ینفد والنعیم یزول

واذا حملت الی القبور جنازة ☆ فاعلم بانك بعدها محمول

”میرے دوست دنیا کے آرام وراحت سے دھوکے میں مت پڑنا اس لئے کہ عمر ختم ہو جائے گی اور عیش جاتا رہے گا اور جب تم کسی جنازہ کو اٹھا کر قبرستان لے جاؤ تو یہ یقین کر لینا

کہ اس کے بعد تمہیں بھی ایسے ہی اٹھا کر لے جایا جائے گا''

حدیث بالا میں یہ اشارہ بھی فرمایا گیا کہ جب جنازہ کو دیکھ کر دل غمگین ہوگا تو قدرتی طور پر انابت الی اللہ کی کیفیت پیدا ہوگی۔ سابقہ گناہوں پر ندامت اور شرمندگی کا احساس جاگے گا اور اس حال میں وہ شخص جو بھی تمنا کرے گا رحمت خداوندی اس کی تکمیل کے لئے تیار ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری فصل:

موت کی حقیقت

عام طور پر یہ خیال رائج ہے کہ موت فنا کا نام ہے۔ حالانکہ یہ بات حقیقت کی صحیح تعبیر نہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ انسان کی موت محض ایک حالت کے تغیر سے تعبیر ہے۔ انسان اس جسم اور اعضاء کا نام نہیں بلکہ اصل انسان وہ جان اور روح ہے جو اس جسم عنصری میں حلول کر کے اعضاء و جوارح سے کام لیتی ہے یہ جسم روح کے لیے سواری کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب اس سواری کا سوار یعنی روح اور جان جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو یہ سواری یعنی بدن بے کار ہو جاتا ہے اور اسے اب ''لاش'' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں جو لاشئی (کچھ نہیں) کا مخفف ہے۔ دیکھئے یہاں بدن پورا موجود ہے' ہاتھ' پیر' کان' ناک وغیرہ سارے اعضاء صحیح سالم ہیں مگر جب جان نکل گئی تو کہا جاتا ہے کہ ''آدمی چلا گیا'' اس لیے روح چلی گئی اور جان اپنی جگہ سے منتقل ہو گئی۔ اگر اسی بدن کا نام انسان ہوتا تو بدن کے رہتے ہوئے کبھی یہ نہ کہا جاتا کہ آدمی چلا گیا اور فلاں کا انتقال ہو گیا۔

بہرحال موت کا ایک ظاہری اثر تو یہ سامنے آتا ہے کہ انسان کا بدن کامل طریقہ پر اپاہج ہو جاتا ہے اور روح کی حکمرانی اور تسلط سے آزاد ہو جاتا ہے جبکہ روح کے اعتبار سے اس پر دو طرح کے تغیرات مرتب ہوتے ہیں۔

① اول یہ کہ روح سے اس کا مجوزہ بدن اور اعضاء اسی طرح اس کے گھر والے اور رشتہ دار' اور اس کا مال و دولت سب چھین لیا جاتا ہے۔ جس سے فطری طور پر روح کو تکلیف ہوتی ہے

بلکہ جس روح کو ان دنیوی مشاغل سے جتنا زیادہ انس اور تعلق ہوتا ہے اور آخرت سے غفلت ہوتی ہے اتنی ہی اس روح کو انتقال سے اذیت کا احساس ہوتا ہے اور اگر وہ روح دنیوی اسباب کے بجائے ذکر خداوندی سے مانوس ہوتی ہے تو یہ انتقال اس کے لیے فرحت اور سرور اور مسرت بشاشت کا عنوان بن جاتا ہے۔

۲ اس انتقالِ روحانی سے دوسرا تغیر یہ سامنے آتا ہے کہ اس کے لیے وہ حالات منکشف ہو جاتے ہیں جو جسد عنصری کے ساتھ والی زندگی میں منکشف نہیں ہوتے۔ جیسا کہ کوئی سوتا ہوا شخص نیند سے بیدار ہو جائے تو اس پر سامنے دکھائی دینے والی اشیاء منکشف ہوا جاتی ہیں، اسی طرح گویا کہ سب انسان نیند میں ہیں موت یعنی روح کے انتقال پر وہ سب بیداری کے عالم میں آجائیں گے اور سب سے پہلے ان پر یہ بات منکشف ہوگی کہ ان کی نیکیاں ان کے لیے کتنی نفع بخش ہیں اور برائیوں سے کیا نقصانات ہیں۔

(ملخص احیاء العلوم ۴؍ ۳۰۹)

موت کی شدت

موت کے وقت کی شدت اور سختی نا قابل بیان ہے، اس کی اصل کیفیت وہی جان سکتا ہے جو اس حالت گذرتا ہے، قرآن کریم میں غافل انسانوں کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا گیا۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۔ (سورۂ ق: ۱۹)

''اور موت کی سختی حقیقتاً قریب آپہنچی، یہ وہ چیز ہے جس سے تو بدکتا ہے''۔

دوسروں کا تو کیا کہنا خود آنحضرت ﷺ پر بھی موت کی یہ شدت طاری ہوئی، بخاری شریف میں روایت ہے کہ وفات کے قریب آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھے ہوئے ایک برتن میں سے پانی لے کر اپنے چہرۂ انور پر چھڑکتے تھے تاکہ تکلیف کی شدت میں کچھ کمی ہو اور آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ۔ (بخاری شریف ۲/ ٦٤٠ حدیث ٤٤٤٩)

''اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، واقعی موت کی سختیاں برحق ہیں''

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں: کہ وفات کے وقت آنحضرت ﷺ کی

شدت تکلیف اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اب میں کسی مرنے والے کی تکلیف کو ناپسند نہیں کرتی۔
(بخاری شریف المغازی ۲/۶۳۹ حدیث ۴۴۴۶) تو معلوم ہوا کہ موت کے وقت کی شدت کا معاملہ عام ہے' یہ حالت مؤمن پر بھی طاری ہوتی ہے اور کافر پر بھی طاری ہوتی ہے۔ البتہ اس کے اثرات الگ الگ مرتب ہوتے ہیں کہ مؤمن کے لیے یہ شدت درجات کی بلندی کا سبب ہوتی ہے جبکہ کافر اور فاجر کے لیے عذاب کی شروعات ہوتی ہے' بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کی غلطیوں کو معاف کرنے کے لیے اسے دنیوی تکالیف میں مبتلا فرماتا ہے اور اگر کوئی کسر رہ جاتی ہے تو موت کے وقت کی شدت سے اس کی تلافی کی جاتی ہے۔ جبکہ فاجر اگر کوئی نیکی والا عمل کرتا ہے تو اس کا بدلہ اسے دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس عمل کی وجہ سے بھی موت سے آسانی بھی اسے نصیب ہو جاتی ہے۔ (شرح الصدور ۵۸)

لہٰذا کسی کافر کی آسان موت دیکھ کر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آخرت میں بھی اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ ہوگا اور مؤمن کی شدت کو دیکھ کر ہرگز یہ نہ خیال کریں کہ آخرت میں بھی اس کے ساتھ شدت ہوگی' البتہ یہ ضروری ہے کہ اپنی کمزوری اور ناتوانی کا خیال کرتے ہوئے ہر مؤمن کو یہ دعا کرنی چاہیے کہ اسے موت کے وقت آسانی نصیب ہو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ سے بھی موت کی آسانی کی دعا مروی ہے۔

موت کے وقت کیسا محسوس ہوتا ہے؟

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ انتہائی عقلمند' اور مدبر اور ذکی وفہیم صحابہ میں ہیں' آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ پر نزع کی کیفیت شروع ہوئی تو آپ کے صاحبزادے نے فرمایا کہ ابا جان! آپ فرمایا کرتے تھے کہ کاش مجھے ایسا سمجھدار آدمی ملتا جو موت کے وقت کے حالات مجھے بتا دیتا' اور آپ کہتے تھے کہ تعجب ہے کہ آدمی ہوش میں رہنے کے باوجود موت کے وقت اپنے اوپر گذرنے والی حالت نہیں بتا پاتا۔ ابا جان! اب آپ اسی حالت میں پہنچ چکے ہیں لہٰذا آپ ہی ہمیں بتایئے کہ آپ موت کے حالات کس طرح محسوس فرما رہے ہیں؟ صاحبزادے کی بات سن کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹے! حقیقت یہ ہے کہ موت کی حالت کو بیان کرنا الفاظ کی گرفت سے باہر ہے لیکن پھر بھی کچھ اشارات سمجھتا ہوں' میں

اس وقت ایسا محسوس کررہا ہوں گویا کہ میری گردن پر رضویٰ نامی پہاڑ رکھ دیا گیا ہے اور مجھے ایسا لگ رہا ہے گویا کہ میرے پیٹ میں کانٹے کی شاخ ہے (جسے کھینچا جا رہا ہے) اور مجھے سانس لینے میں اتنی تنگی اور تکلیف ہے کہ گویا کہ میری جان سوئی کے سوراخ میں سے ہو کر نکل رہی ہے۔ (شرح الصدور ۶۳)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''موت کا منظر دنیا اور آخرت میں انتہائی ہولناک منظر ہے اور موت کی تکلیف آروں سے چیرے جانے، قینچیوں سے کاٹے جانے اور دیگچیوں میں پکائے جانے سے بھی زیادہ سخت اور اذیت ناک ہے اور اگر کوئی مردہ قبر سے نکل کر دنیا کے زندہ لوگوں کو صرف موت کی شدت ہی سے باخبر کردے تو لوگ عیش و آرام کو بھول جائیں اور ان کی راتوں کی نیندیں اُڑ جائیں۔ (شرح الصدور ۶۴)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ذرا موت کے بارے میں بتلائیے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین اسے یوں سمجھئے کہ کوئی انتہائی کانٹے دار ٹہنی آدمی کے پیٹ میں ڈال دی جائے اور اس کے کانٹے ہر ہر رگ اور جوڑ میں پھنس جائیں اور پھر کوئی نہایت طاقتور آدمی اس ٹہنی کو پکڑ کر سختی سے کھینچ لے تو اس عمل سے جتنی تکلیف ہوگی اس سے کہیں زیادہ تکلیف موت کے وقت ہوتی ہے۔ (شرح الصدور ۶۴)

حضرت عطا بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کا فرشتہ جب روح نکالتا ہے تو اس کی تکلیف تلوار کے یک ہزار وار سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے اور موت کے وقت مؤمن کی رگ رگ میں تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور اس وقت شیطان بھی اس کے نہایت قریب ہوتا ہے (تاکہ اسے آخری وقت میں بہکا سکے)۔ (شرح الصدور ۶۵)

مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچی تو ان سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا آپ نے موت کو کیسا پایا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا محسوس کیا جیسے کہ کسی زندہ چڑیا کو انگیٹھی پر بھونا جائے کہ نہ تو وہ مرے ہی اور نہ چھوڑی جائے کہ اُڑ کر بچ جائے اور یک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے ایسا محسوس کیا جیسے کہ کسی زندہ بکری کی کھال اُتاری جارہی ہو۔ (التذکرۃ فی احوال الموتٰی والآخرۃ ۲۱)

موت کے وقت شیطان کی آخری کوشش

انسان کا دشمن اعظم یعنی شیطان آخر وقت تک اپنی اس کوشش میں کوئی کسر نہیں رکھتا کہ آدمی کو کسی طرح ایمان سے محروم کر کے دائمی عذاب کا مستحق بنادے چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ نزع کے وقت شیطان سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے اور مختلف انداز سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے ایک روایت میں وارد ہے:

اُحْضُرُوا مَوْتَاكُمْ وَلَقِّنُوْهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَبَشِّرُوْهُمْ بِالْجَنَّةِ فَاِنَّ الْحَلِيْمَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ يَتَحَيَّرُ عِنْدَ ذٰلِكَ الْمَصْرَعِ وَاِنَّ الشَّيْطَانَ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ مِنِ ابْنِ آدَمَ عِنْدَ ذٰلِكَ الْمَصْرَعِ ۔ (كنز العمال بيروت ١/٢٣٧)

''جو مسلمان موت کے قریب ہوں ان کے پاس رہو اور ان کو ''کلمہ طیبہ'' کی تلقین کرو اور جنت کی بشارت سناؤ اس لیے کہ اس ہولناک وقت میں بڑے بڑے عقلمند مرد و عورت حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور شیطان اس وقت انسان کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کے صاحبزادے عبداللہ آپ کا جبڑا باندھنے کے لیے سامنے کپڑا لئے ہوئے کھڑے تھے۔ ادھر آپ کا حال یہ تھا کہ کبھی ہوش میں آجاتے کبھی استغراق کی کیفیت ہو جاتی' جب ہوش میں آتے تو ہاتھ سے اشارہ کر کے فرماتے: **لا بعد۔ لا بعد** (ابھی نہیں' ابھی نہیں) جب کئی مرتبہ یہ کیفیت ہوئی تو صاحبزادے نے پوچھا کہ ابا جان آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ شیطان میرے سامنے کھڑا ہے اور دانتوں میں انگلیاں دبا کر کہہ رہا ہے کہ افسوس! احمد تم میرے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں: **لا بعد. لا بعد** یعنی ابھی تک تیرے فریب سے امن نہیں ہے جب تک کہ ایمانِ کامل پر موت نہ آجائے۔ (التذکرہ ۳۹)

امام ابو جعفر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا جب وقت قریب آیا تو ان سے کہا گیا کہ: لا الٰہ الا اللہ پڑھئے تو وہ برابر ''لالا'' یعنی انکار کا کلمہ فرماتے رہے۔ کچھ دیر میں جب آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو لوگوں نے عرض کیا کہ کلمہ طیبہ کی تلقین کے جواب میں آپ لا فرماتے تھے یہ کیا قصہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں تمہاری تلقین کے مقابلے میں یہ کلمہ نہیں کہہ رہا تھا بلکہ دو شیطان میرے

سامنے کھڑے تھے ایک کہتا تھا کہ نصاریٰ کے مذہب پر مرنا' دوسرا کہتا تھے کہ یہودیوں کے مذہب پر مرنا' ان کے جواب میں میں لالا (نہیں نہیں) کہہ رہا تھا۔ (التذکرہ:۳۹۵)

مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا عجیب واقعہ

دیوبند میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قریبی عزیز مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ تھے' بڑے ہونہار اور صاحب علم وعمل' فاضل دارالعلوم تھے۔ مگر کم عمری ہی میں صحت خراب گئی اور حالت نازک ہوتی چلی گئی ان کا نزع کے عالم میں کافی دیر تک شیطان لعین سے مناظرہ ہوتا رہا اور وہ اپنی ایمانی قوت کے ذریعے اس کے فریب کا جواب دیتے رہے۔ اس عبرتناک اور حیرتناک منظر کا خود حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا اور مرحوم کی وفات کے بعد "النعیم المقیم" کے نام سے ایک چھوٹے سے رسالے میں ان کے حالات تحریر فرما دیئے۔ اس قصے کی تفصیل بتاتے ہوئے حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

عصر کے قریب بار بار متلی ہونے لگی کہ اتنی فرصت نہ ملتی تھی جس میں نماز ادا کرلیں' مجھے بلا کر مسئلہ پوچھا کہ میں اس وقت معذورین کے حکم میں داخل ہوں یا نہیں؟ میں نے اطمینان دلایا کہ تم معذور ہو اسی حالت میں نماز پڑھ سکتے ہو اس وقت تک وہ اسی عالم مشاہدہ میں تھے اور ارادہ کیا کہ متلی سے کچھ سکون ہو تو نماز ادا کروں۔ لیکن اتنی ہی دیر میں دوسرے عالم کا مشاہدہ ہونے لگا۔ بعد مغرب جب احقر پہنچا تو حاضرین نے بیان کیا کہ کچھ دیر سے حواس میں اختلال ہے اور ہذیان کی باتیں کررہے ہیں۔ لیکن احقر داخل ہوا تو اچھی طرح پہچان کر مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میرے سر پر ہاتھ رکھ دو اور دُعا پڑھ دو اور حضرت میاں صاحب (سیدی سندی حضرت مولانا سیّد اصغر حسین صاحب دامت برکاتہم محدث دارالعلوم دیوبند) سے میرا سلام کہہ دیجئے اس کے بعد ہی شیطان رجیم سے مناظرہ شروع ہوا اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ اس کا سلسلہ احقر کی موجودگی میں جاری رہا اس سلسلہ میں مجھے خطاب کر کے کہا کہ یہ مردود مجھے عصر کے وقت سے تنگ کررہا ہے۔

اب معلوم ہوا کہ حاضرین جسے ہذیان سمجھ رہے تھے وہ بھی اس مردود کے ساتھ خطاب

تھا۔ مرحوم کی ہمشیرہ پاس موجود تھیں اور دوسرے بہت سے مرد و عورت جو پاس تھے ان کا بیان ہے کہ مغرب سے کچھ دیر پہلے (جو جمعہ) کے روز بہت سی روایات و آثار کے اعتبار سے قبولیت دعا کی گھڑی ہے اوّل مختصر سی وصیت اپنی دو دن کی قضا شدہ نمازوں کے متعلق کی اور پھر بہت گڑگڑا کر تضرع و زاری کے ساتھ حق تعالیٰ سے دعا شروع کی کہ ''اے میرے پروردگار میں بہت بدعمل و روسیاہ ہوں ساری عمر معاصی و غفلتوں میں گذاری ہے میں تجھے کس طرح منہ دکھاؤں لیکن تیرا ہی ارشاد ہے: "سبقت رحمتی علی غضبی" یعنی میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے جاتی ہے اس لیے میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں'' یہ تضرع و زاری کی دعا اس شان سے ہوئی کہ عام حاضرین پر رقت طاری تھی۔

دعا کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا کہ بآوازِ بلند کہا کہ میں تیمّم کروں گا ہمشیرہ نے مٹی کا ڈھیلہ سامنے کر دیا تیمّم کرتے ہی کہنا شروع کیا کہ مردود تجھے بتلاؤں گا تو مجھے حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کرنا چاہتا ہے میں کبھی مایوس نہیں ہوں مجھے اُس کی رحمت سے بہت بڑی امیدیں ہیں اس کی رحمت کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ میں ضرور جنت میں جاؤں گا۔

تو ایک موٹی سے کتاب لے کر اس وقت مجھے بہکانے آیا ہے خبیث تجھے اس لیے یہ جرأت ہوئی کہ میں سترہ روز سے مسجد میں نہیں گیا۔ مگر میری یہ غیر حاضری خدا کے حکم سے تھی۔

اس کے بعد آیت کریمہ: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ﴾ تک پڑھی اور آگے ﴿وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ پڑھنا چاہتے تھے کہ زبان کو لکنت ہوئی تو پھر بہت زور سے بار بار پڑھا: ﴿وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾۔ ﴿وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور شیطان سے خطاب کر کے کہا کہ مردود تو یہ بھلانا چاہتا ہے میں اس کو نہیں بھول سکتا یہ آیت مجھے حضرت میاں صاحب سلمہ نے بتلائی ہے اور مولوی محمد شفیع نے بتلائی ہے اور پھر بار بار بلند آواز سے اس جملہ: ﴿وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ کو پڑھا کہ کمرہ گونج اُٹھا' یہ باتیں میرے پہنچنے سے پہلے ہو چکی تھیں جن کو حاضرین نے اختلالِ حواس سمجھا تھا مگر میرے پہنچنے پر اچھی طرح پہچان کر خوش ہوئے اور دعا کی درخواست اور حضرت میاں صاحب مدظلہم کو سلام عرض کرنے کی وصیت وغیرہ سے صاف ظاہر ہوا کہ اس وقت بھی اختلال حواس نہ تھا بلکہ عدو اللہ ابلیس لعین کو دیکھ کر اس سے مقابلہ کر رہے تھے چنانچہ میرے حاضر ہونے

کے بعد مجھ سے کہا کہ مردود مجھے عصر کے وقت سے تنگ کر رہا ہے میں نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم کی تلقین کی تو بلند آواز سے اس کو پڑھا اور کہا کہ خبیث اب تجھے بتلاؤں گا تو مجھے بہکانے آیا ہے لا الٰہ الا اللہ میرے دل میں گڑا ہوا۔ اللہ اللہ میری رگ رگ میں بسا ہوا ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے لا الٰہ الا اللہ پڑھا تو اس کو پڑھ کر کہا کہ آگے کیوں نہیں کہتے کہ محمد رسول اللہ ﷺ۔

منہ سے خون کی قے جاری تھی اور جب اس سے ذرا فرصت ملتی تو کبھی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ پورا پورا با آواز پڑھتے تھے اور کبھی لاحول ولاقوۃ الا باللہ اور کبھی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ...... اور کبھی شیطان سے خطاب کر کے کہتے کہ خبیث تو گیا نہیں کبھی مجھ سے خطاب کر کے کہتے کہ اس کو مارو، اس کو نکال دو۔

اس وقت اس چھ ماہ کے مدت کے مریض کی یہ حالت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب کشتی لڑنے کو کھڑا ہو جاوے گا ایک مرتبہ کہا کہ تو نے سمجھا ہو گا کہ یہ نازک وقت ہے اس وقت بہکا دوں دیکھ اب میرے بدن میں حرارت آگئی ہے اب تجھے بتلاؤں گا۔

اس کے بعد کہا کہ یہ بہت سے آدمی کھڑے ہیں (وہاں سامنے کھڑے ہونے والے صرف دو تھے) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے نظر آ رہے تھے (غالباً فرشتوں سے خطاب کر کے) کہا کہ بس اب تو اللہ میاں کے یہاں لے چلو۔

الغرض اس قسم کی گفتگو کا سلسلہ عشاء کے بعد تک جاری رہا جس میں بار بار پورا کلمہ طیبہ پڑھتے رہے بالآخر ساڑھے نو بجے شب کو اس مسافر آخرت نے اپنی منزل طے کر لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (ملخص رسالہ "النعیم المقیم")

تیسری فصل:

اللہ انجام بخیر کرے

آدمی کو اپنے ظاہری اعمال پر کبھی اطمینان نہ کرنا چاہیے بلکہ ہمیشہ ڈرتا رہے کہ نہ جانے

آخر میں انجام کیا ہو؟ علماء نے لکھا ہے کہ انسان پر زندگی میں خوفِ خدا کا غلبہ رہنا چاہیے اور مرتے وقت رحمت خداوندی کی طرف توجہ ہو جانی چاہیے۔ اصل اعتبار آخری انجام کا ہے۔ اسی لیے جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الرَّجُلَ لَیَعْمَلُ الزَّمَنَ الطَّوِیْلَ بِعَمَلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ ثُمَّ یُخْتَمُ لَہٗ عَمَلُہٗ بِعَمَلِ اَھْلِ النَّارِ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَعْمَلُ الزَّمَنَ الطَّوِیْلَ بِعَمَلِ اَھْلِ النَّارِ ثُمَّ یُخْتَمُ لَہٗ عَمَلُہٗ بِعَمَلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔ (مسلم شریف ۲/۳۳٤)

''آدمی ایک طویل زمانہ تک اہل جنت والے اعمال کرتا رہتا ہے مگر اس کی عملی زندگی کا اختتام جہنمیوں والے اعمال پر ہوتا ہے اور کبھی آدمی طویل عرصہ تک جہنمیوں جیسے عمل میں مبتلا رہتا ہے مگر اس کا خاتمہ اہل جنت والے اعمال پر ہوتا ہے''۔

اور بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ: ((وَ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ)) (بخاری شریف: ۲/۹۷۸) یعنی اعمال قبولیت کا مدار انجام پر ہے۔ اس لیے ہمیشہ کوشش کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے کہ اس کے فضل اور توفیق سے خاتمہ بخیر ہو اور ایمان اور عمل صالح کے اعتبار سے سب سے اچھے وقت میں بارگاہِ ایزدی میں حاضری کی دولت نصیب ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کثرت سے یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ ''اے دلوں کو پلٹنے والے ربّ! میرے دِل کو اپنی اطاعت پر ثابت قدم فرما دے'' تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کثرت سے یہ دعا کیوں مانگتے ہیں کہ آپ کو کسی بات کا خطرہ ہے؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ ''عائشہ! مجھے اپنے اوپر کیسے اطمینان ہو سکتا ہے جبکہ تمام انسانوں کے دل اللہ ربّ العزت کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جب چاہے اپنے جس بندے کے دل کو چاہے پھیر سکنے پر قادر ہے''۔ (التذکرہ فی احوال الموتٰی والآخرہ: ٤٤)

سوءِ خاتمہ سے ڈرتے رہیں

کوئی بڑے سے بڑا عبادت گذار بھی حتمی طور پر یہ ضمانت نہیں دے سکتا کہ مرتے وقت اس کا انجام کیا ہوگا۔ دنیا میں ایسے عبرت ناک واقعات بکثرت پائے گئے ہیں کہ آدمی پوری زندگی اچھے اعمال کرتا رہا مگر آخری وقت میں اسکے حالات بگڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو

بدانجامی سے محفوظ رکھے۔آمین۔

ذیل میں ایسے ہی چند عبرت آموز واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

بدنظری کا انجام

(۱) مصر میں ایک شخص برابر مسجد میں رہتا تھا پابندی سے اذان دیتا اور جماعت میں شرکت کرتا' چہرے پر عبادت اور اطاعت کی رونق بھی تھی' اتفاق سے ایک دن جب اذان دینے کے لیے مسجد کے مینارے پر چڑھا تو قریب میں ایک عیسائی شخص کی خوبصورت لڑکی پر نظر پڑی جسے دیکھ کر وہ اس پر دِل وجان سے فریفتہ ہوگیا اور اذان چھوڑ کر وہیں سے سیدھے اس مکان میں پہنچا' لڑکی نے اسے دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے؟ میرے گھر میں کیوں آیا؟ اس نے جواب دیا میں تجھے اپنا بنانے آیا ہوں اس لیے کہ تیرے حسن و جمال نے میری عقل کو ماؤف کر دیا ہے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ میں کوئی تہمت والا کام نہیں کرنا چاہتی ہوں تو اس نے پیشکش کی کہ میں تجھ سے نکاح کروں گا۔لڑکی نے کہا کہ تو مسلمان اور میں عیسائی ہوں' میرا باپ اس رشتے پر تیار نہ ہوگا تو اس شخص نے کہا کہ میں خود ہی عیسائی بن جاتا ہوں چنانچہ اس نے محض اس لڑکی سے نکاح کی خاطر عیسوی مذہب قبول کرلیا۔(نعوذ بالله من ذلك) لیکن ابھی وہ دن پورا نہ ہوا تھا کہ یہ شخص اس گھر میں رہتے ہوئے کسی کام کے لیے چھت پر چڑھا اور کسی طرح وہاں سے گر پڑا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی یعنی دین بھی گیا اور لڑکی بھی ہاتھ نہ آئی۔(التذکرہ: ۴۳)

حضرات شیخین رضی اللہ عنہ پر تبرا کرنے کی سزا

(۲) مشہور مصنف علامہ ابن ابی الدنیا نے اپنے معرکہ آراء رسالہ "من عاش بعد الموت" میں کئی ایسے لوگوں کے واقعات لکھے ہیں کہ مرتے وقت انہوں نے آگ آگ چلانا شروع کر دیا اور جب اُن کو کلمہ کی تلقین کی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم کلمہ نہیں پڑھ سکتے ہیں اس لیے کہ ہم ایسی جماعت سے متاثر تھے جو حضرات شیخین سیّدنا ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما پر سب وشتم کرتے تھے۔(موسوعة الرسائل لابن ابی الدنیا: ۲۳)

اس طرح کے عبرت ناک واقعات کتب تاریخ میں بکثرت موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا

ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض وعداوت بدانجامی کا بڑا سبب ہے۔ بعض واقعات اس طرح کے بھی ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والوں کی صورتیں ذلیل جانوروں میں تبدیل کر دی گئیں۔ (مجابی الدعوۃ ۴/۵۸) نعوذ باللہ منہ

شراب نوشی۔ بدانجامی کا سبب

(۳) معبد جہنی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ملک شام میں ایک شرابی شخص کو مرتے وقت کلمہ کی تلقین کی گئی تو اس نے جواب میں کلمہ پڑھنے کے بجائے یہ الفاظ کہنے شروع کیے: "اشرب واسقنی" (خود پی اور مجھے بھی پلا) یعنی اس کے دماغ پر شراب نوشی ہی مسلط رہی۔

(التذکرۃ فی احوال الموتی: ۴۰)

اِس واقعہ سے معلوم ہوا کہ شراب نوشی سے بھی آدمی بکثرت بدانجامی سے دوچار ہوتا ہے یہ گناہ تمام تر گناہوں کی جڑ اور بنیاد ہے اور سوء خاتمہ کا بڑا سبب ہے۔

دنیا سے حد سے زیادہ لگاؤ کا انجام

(۴) شہر اہواز میں ایک شخص کو مرتے وقت کلمے کی تلقین کی گئی وہ کلمہ پڑھنے کے بجائے یہی کہتا رہا: "گیارہ، بارہ، تیرا" یہ شخص حساب دان تھا اور پھری زندگی اس کی حساب وکتاب میں گذری تھی دین سے کچھ رغبت نہ تھی اس لیے مرتے وقت کلمہ پڑھنے کے بجائے حساب ہی لگا تا رہا۔

اسی طرح ایک شخص کو نزع کے وقت کلمہ پڑھنے کو کہا گیا تو وہ کہنے لگا کہ میرے فلاں گھر کے اندر فلاں چیز ٹھیک کر دو اور میرے فلاں باغ کے اندر اس طرح اصلاح کر دو یعنی مرتے وقت بھی اس کا دل مکان اور باغ میں اٹکا رہا۔

(۵) ایک شخص نے زرد گائے پال رکھی تھی اور وہ اس سے بہت زیادہ محبت کرتا جب مرتے وقت اس کلمہ تلقین کی گئی تو اس کی زبان پر زرد گائے، زرد گائے کی گردان ہی رہی۔

(التذکرہ: ۴۰، ۴۱)

ان واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دُنیاداری میں حد سے زیادہ مشغولیت اور دن رات کاروبار اور پیسہ کمانے کی دھن ایسی لعنت ہے جو انسان کو حسن خاتمہ کی دولت سے محروم کر

سکتی ہے۔ اللھم احفظنا منھم۔ آمین۔

اللہ والوں کو اذیت دینے کا انجام

(۶) مشہور عالم علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتاویٰ حدیثیہ'' میں نقل کیا ہے کہ ابن السقاء نام کا ایک شخص جس نے علوم اسلامیہ میں زبردست مہارت حاصل کر کے فرق باطلہ سے بحث و مناظرے کا ملکہ حاصل کر لیا تھا اپنی علمی صلاحیت کی وجہ سے اس کو خلیفۃ المسلمین کا تقرب حاصل ہوا اور خلیفہ نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے بادشاہ روم کے دربار میں اسے اپنی حکومت کا سفیر بنا کر بھیج دیا۔ رومی بادشاہ نے اس کے اعزاز میں بڑے بڑے امراء اور عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں اور پادریوں کی ایک عظیم مجلس منعقد کی جس میں عقائد پر بحث کے دوران ابن السقاء نے ایسی مدلل گفتگو کی کہ سارے حاضرین پر سناٹا گیا ور کسی سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ عیسائی بادشاہ کو مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر سخت ناگواری ہوئی اور اس نے ابن السقاء کو شیشے میں اتارنے کے لیے خلوت میں اس کے سامنے اپنی حسین وجمیل بیٹی کو پیش کیا ابن السقاء نے اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر بادشاہ سے اس سے نکاح کی درخواست کی بادشاہ نے یہ شرط لگائی کہ اگر تو عیسوی مذہب قبول کر لے تو نکاح ممکن ہے۔ چنانچہ وہی ابن السقاء جس نے بادشاہ کی مجلس میں عیسوی مذہب کے تار و پود بکھیر کر عیسائیوں کو لاجواب ہونے پر مجبور کر دیا تھا محض ایک لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو کر عیسوی مذہب قبول کر کے مرتد ہو گیا اور اسی ارتدادی حالت میں جہنم رسید ہوا۔ (اعاذنا اللہ منہ) کہتے ہیں کہ ابن السقاء نے شروع طالب علمی کے زمانہ میں ایک بڑے بزرگ کی شان میں گستاخی کرنے اور انہیں ذلیل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ان بزرگ نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ میں تجھ کو جہنم میں جلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ (فتاویٰ حدیثیہ: ۲۱۵)

سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ تیر مارنے والے کا بدترین انجام

(۷) ایک شخص جس کا نام زرعہ تھا اس نے میدان کربلا میں ریحانۃ الرسول سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تیر مار کر پانی کی طرف جانے سے روک دیا تھا اور اپنے تیر سے آپ کی گردن کو زخمی کر دیا تھا' اس کے اس عمل پر سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ بددعاء نکلی کہ ''اے اللہ اسے

پیاسا کر دے' اے اللہ اسے پیاسا کر دے'' راوی کہتا ہے کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا ج
زرعہ کے مرض الموت میں اس کے پاس حاضر تھا کہ اس کا عبرتناک حال یہ تھا کہ وہ بیک وقت
پیٹ کی طرف سخت گرمی اور پیٹھ کی طرف سخت سردی محسوس کر کے چیخ رہا تھا۔ اس کے سامنے
لوگ پنکھا جھل رہے تھے جبکہ اس کی پیٹھ کی طرف انگیٹھی رکھی ہوئی تھی اور وہ کہے جا رہا تھا کہ
''مجھے پانی پلاؤ پیاس سے میں مرا جا رہا ہوں'' چنانچہ ایک بہت بڑا ٹب لایا گیا جس میں ستو یا
دودھ تھا وہ اتنا زیادہ تھا کہ پانچ آدمی مل کر بھی نہ پی پاتے' مگر وہ سب اکیلا ہی پی گیا اور پھر بھی
پیاس پیاس پکارتا رہا اس کا پیٹ اونٹ کے پیٹ کی طرح بڑا ہو گیا تھا۔ اللھم احفظنا منہ نعوذ باللہ
من ذلک۔ (مجابی الدعوۃ:۵۱)

سیّدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ پر جھوٹا دعویٰ کرنے والی عورت کا انجام

(۸) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا شمار ان دس خوش نصیب صحابہ میں ہوتا ہے جن کو جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت مرحمت فرمائی ہے۔ ایک عورت اروی بنت
اویس نے آپ پر دعویٰ کر دیا کہ آپ نے اس کے مکان کے کچھ حصہ پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔
معاملہ مروان بن الحکم تک پہنچا جو اس وقت مدینہ کے گورنر تھے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو عدالت
میں بلایا گیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ بھلا میں کیسے کسی کی زمین دبا سکتا ہوں جبکہ میں نے خود
آنحضرت سے سنا ہے کہ جو شخص کسی کی ایک بالشت زمین غصب کر لے تو اس کے نیچے کی ساتوں
زمین کی مٹی اس کے گلے میں قیامت کے دن طوق بنا کر ڈال دی جائے گی۔ مروان نے یہ جواب
سن کر کہا کہ اس کے بعد آپ سے مزید کسی ثبوت مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے
بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے عورت پر بددعا فرمائی کہ: ''اے اللہ اگر یہ عورت اپنے دعوے میں
جھوٹی ہے تو: (۱) میرے دعویٰ کی سچائی لوگوں پر ظاہر فرما' (۲) اس عورت کی بینائی سلب فرما'
(۳) اور اس کی قبر اسی کے گھر میں بنا دے'' راوی کہتا کہ اس واقعہ کے کچھ روز کے بعد ہی مدینہ
میں ایسا سیلاب آیا کہ اس سے مکان کی اصل بنیادیں ظاہر ہو گئیں اور حضرت سعید کی سچائی واضح
ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد مدعیہ عورت کی بینائی جاتی رہی اور پھر ایک دن وہ ٹٹول ٹٹول کر اپنے گھر

میں چل رہی تھی کہ گھر ہی کے ایک کنویں میں گر کر مر گئی۔

(مسلم شریف ۲/۳۳ الاصابہ ۳/۱۸۸ اسد الغابہ ۲/۲۳۶)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پر بہتان لگانے والے کا انجام

(۹) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بڑے مستجاب الدعوات صحابہ میں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے۔ اہل کوفہ میں سے کچھ لوگوں نے ان کے بارے میں شکایتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچائیں مدینہ منورہ بلا کر تحقیق فرمائی تو آپ نے جواب دیا کہ میں تو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق نماز پڑھاتا ہوں یعنی عشاء کی ابتدائی دو رکعتیں طویل پڑھاتا ہوں اور آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا ہوں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واقعی آپ سے یہی امید تھی' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو مزید تحقیق کے لیے کوفہ بھیجا کہ وہ مسجد مسجد جا کر معلوم کریں کہ کوفہ والوں کا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ چنانچہ ان لوگوں نے جس مسجد میں بھی تحقیق کی وہاں کے لوگوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تعریف کی۔ مگر جب یہ لوگ ''بنی عبس'' کی مسجد میں پہنچے وہاں ایک شخص جس کا نام اسامۃ اور کنیت ابو سعدۃ تھی کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ جب آپ اللہ کا واسطہ دے کر تحقیق کرتے ہیں تو سنئے! کہ سعد نہ تو جہاد میں جاتے ہیں اور نہ غنیمت کو تقسیم کرنے میں برابری کرتے ہیں اور نہ فیصلوں میں انصاف سے کام لیتے ہیں۔ اس کے یہ الزامات سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم اب میں تین بددعائیں کرتا ہوں۔ اے اللہ اگر یہ بندہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو اور محض ریاکاری اور شہرت کے لیے اس نے جھوٹے الزام لگائے ہوں تو: (۱) اس کی عمر لمبی فرما۔ (۲) اور اس کے فقر و فاقہ کو طویل کر دے (۳) اور اسے فتنوں میں مبتلا کر دے۔ اس روایت کے راوی عبد الملک کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اس شخص کو اس حال میں دیکھا کہ انتہائی بڑھاپے کی وجہ سے اس کی بھنویں تک اسکی آنکھوں پر لٹک آئی تھیں لیکن وہ راستہ چلتی لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے باز نہ آتا تھا اور جب اس سے اسکا حال پوچھا جاتا تو جواب دیتا کہ: شیخ مفتون اصابتنی دعوۃ سعد۔ یعنی فتنہ میں مبتلا بوڑھا ہوں' مجھے حضرت سعد کی بددعا لگ گئی ہے۔ اللھم احفظنا منہ۔

(بخاری شریف ۱/۱۰۴ مجابی الدعوۃ ۳۵)

صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کرنے والے پر سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا

عامر بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت سعد ابن ابی وقاص ایک ایسی جماعت پر گذرے جو سب کسی شخص کی گفتگو غور سے سر جھکا کر سننے میں مشغول تھے۔ آپ نے بھی تحقیق حال کے لیے سر اندر ڈال کر اس کی بات سنی تو دیکھا کہ وہ حضرت علی، حضرت طلحہ، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم پر لعن طعن کر رہا تھا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسے اس حرکت سے منع کیا، مگر وہ باز نہیں آیا تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو! میں تجھ پر بددعا کر دوں گا، اس نے کہا کہ آپ تو ایسے دھمکی دے رہے ہیں کہ گویا کہ آپ نبی ہوں؟ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ گھر تشریف لے گئے۔ وضو فرمایا، دو رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر ان الفاظ میں بددعا کی کہ ''اے اللہ! اگر تجھے معلوم ہے کہ یہ شخص ایسے لوگوں پر سب شتم کر رہا ہے جن کے نیک اعمال تیرے دربار میں پہنچ چکے ہیں اور اس نے انہیں برا بھلا کہہ کر تیرا غصہ مول لیا ہے تو اسے تو آج ہی عبرتناک نشانی بنا دے۔ اب عامر بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بددعا مانگتے ہی ایک بدکا ہوا بختی اونٹ سامنے سے نکل کر مجمع کو چیرتا پھاڑتا سیدھا اس شخص تک پہنچا لوگ ڈر کے مارے دور بھاگ گئے اور اس بدکے ہوئے اونٹ نے صحابہ کی شان میں زبان درازی کرنے والے شخص کو اپنے پیروں اور منہ سے اس کے اعضاء چبا چبا کر برسر عام ہلاک کر ڈالا یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر لوگ دوڑتے ہوئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور انہیں خبر سنائی کہ اے ابو اسحٰق (حضرت سعد کی کنیت) اللہ تعالیٰ نے آپ کی بددعا کی قبولیت ظاہر کر دی ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ۷/۷۰)

یہ چند واقعات ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں، ورنہ تو تاریخ کے ہر دَور میں ایسے واقعات پائے گئے ہیں کہ جن بدنصیبوں نے بھی اللہ کے نیک بندوں کو ستایا ہے ان کا حشر برا ہوا ہے۔ سوءِ خاتمہ کے منجملہ اسباب میں سے ایک بڑا سبب اولیاء اللہ سے بغض اور ان کی شان میں ہرزہ سرائی بھی ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب۔ (بخاری شریف ۲/۹۶۳) یعنی جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں، اس لیے ہر مسلمان کو بھی اللہ والے کی شان میں گستاخی اور

زبان درازی سے پوری طرح احتراز کرنا لازمی ہے تاکہ وہ حسن خاتمہ کی دولت سے محروم نہ ہو اللہ تعالیٰ ہم سب کو بدانجامی سے محفوظ رکھے۔آمین۔

چوتھی فصل:

حسن خاتمہ! عظیم دولت

جس شخص کو ایمانِ کامل اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ دنیا سے رحلت نصیب ہوجائے تو ایسی عظیم دولت ہے جس کے مقابلہ میں کائنات کی ہر دولت ہیچ ہے۔اس لیے ان تمام اسباب کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے جو حسن خاتمہ کا ذریعہ بنتے ہیں۔اس سلسلہ میں سب سے زیادہ نفع بخش اور مفید چیز علماء اور اولیاء اللہ سے تعلق اور محبت ہے۔جو شخص اللہ کے نیک بندوں سے جتنا زیادہ تعلق رکھے گا ان شاء اللہ آخرت میں وہ اتنا ہی کامیاب وکامران ہوگا' جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ (ترمذی شریف ۲/ ٦٤) یعنی آدمی کا حشر اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا' تو اگر ہماری محبت اولیاء اللہ کے ساتھ ہوگی تو ان شاء اللہ ہمارا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔حضرت یزید ابن شجرۃ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مرتے وقت آدمی کے سامنے اس کے اہل مجلس پیش کئے جاتے ہیں اگر وہ لہو ولعب والی سوسائٹی میں پڑا رہا تو وہی لوگ پیش ہوتے ہیں اور اگر اہل خیر کے ساتھ تعلق رکھتا تھا تو انہی کو پیش کیا جاتا ہے۔(شرح الصدور ۱۲۱)

بہر حال صلحاء اور اولیاء اللہ سے عقیدت ومحبت حسن خاتمہ کا بہترین اور موثر ذریعہ ہے اس کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔

اللہ والوں کی رحلت کے بعض قابل رشک اور بشارت آمیز واقعات

حسن خاتمہ سے مرنے والے کی محض ظاہری حالت مراد نہیں ہے کیونکہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑا صالح اور بزرگ شخص خطرناک حادثہ سے دوچار ہوکر اچانک وفات پاجاتا ہے اور کبھی کوئی بدعمل شخص بڑی آسانی اور اچھی حالت میں رحلت کرتا ہے بلکہ حسن خاتمہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کامل ایمان' بہتر اعمال' انابت الی اللہ اور رحمت خداوندی کا امیدوار ہوکر

بارگاہِ ایزدی میں پہنچے۔ ان حالات کے ساتھ ظاہری طور پر اسے کتنی ہی تکلیفیں پہنچیں تو کوئی فکر کی بات نہیں ہے اور اگر یہ کیفیات معدوم ہوں تو پھر محض آسانی کی موت سے آخرت میں کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اسے مٹھاس عطا فرما دیتا ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مٹھاس عطا کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ اسے انتقال سے قبل ایسے اعمالِ خیر کی توفیق عطا کرتا ہے کہ اس کے پاس پڑوس میں رہنے والے اس سے خوش ہوتے ہیں اور بعد میں اس کی تعریف کرتے ہیں۔ (الزواجر، عن ابن حبان ۲/ ۳۹۵) اسی طرح ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا مرتے وقت آخری کلام کلمہ شہادت اور کلمہ طیبہ ہو اور دِل کے کامل یقین کے ساتھ وہ اسے پڑھے تو ان شاء اللہ اسے جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔ آئندہ صفحات میں حضور اکرم ﷺ اور چند حضرات صحابہ اور اولیاء اللہ کے حالاتِ وفات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ شوق و ذوق کے ساتھ ساتھ ان حضرات کی عظمت و محبت سے بھی ہمارے سینے معمور ہو جائیں۔

آنحضرت ﷺ کا حادثۂ وفات

امت محمدیہ کے لیے سب سے بڑا سانحہ جس کے تصور سے آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ہمارے آقا و سردار، سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اس دنیا سے پردہ فرمانا ہے۔ یہ ایسا المناک لمحہ تھا کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ بھی اپنے حواس بجا نہ رکھ سکے اور ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، سیّدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری اور بہادر شخص بھی تلوار لے کر مسجد نبوی میں کھڑے ہو گئے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام پردہ فرما چکے ہیں تو اسی تلوار سے اس کی گردن مار دی جائے گی۔ اس وقت امیر المؤمنین سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوری بیدار مغزی کا ثبوت دیتا ہوئے یہ اعلان فرمایا:

مَنْ كَانَ مِنكُمْ يَعبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنكُمْ يَعبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ...... (بخاری شریف ۲/ ٦٤٠)

”تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کیا کرتا تھا تو وہ سمجھ لے کہ محمد ﷺ اب اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں، اور جو شخص تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقین کر لے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے اس پر کبھی موت طاری نہ ہوگی، پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ......“۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیتیں آج ہی نازل ہو رہی ہیں، جب مجھے آپ ﷺ کی موت کا یقین ہو گیا تو میری حالت یہ ہو گئی کہ میرے قدم میرا بوجھ اُٹھانے کے متحمل نہ رہ پائے اور میں بے اختیار زمین پر گر گیا۔ (بخاری شریف ۲/۶۴۰)

شدید مرض الوفات میں جب آپ ﷺ جماعت سے نماز پڑھانے کے لیے مسجد تشریف نہ لا سکے تو آپ ﷺ نے تاکید کر کے سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی حیات میں ۱۷ نمازیں ادا کرائیں، اس دوران نبی اکرم ﷺ نے امت کو کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھنے، غلام باندیوں اور عورتوں کے حقوق کی رعایت کرنے نیز نماز کا اہتمام رکھنے کی تاکید اور وصیت فرمائی، اسی شدت کے عالم میں آپ ﷺ نے اپنی قبر مبارک کو سجدہ گاہ بنانے سے سختی سے منع فرمایا، اور اس سلسلہ میں یہودیوں کی بدعملی پر نکیر کرتے ہوتے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِ هِمْ مَسَاجِدَ قَالَتْ فَلَوْ لَا ذَاكَ لَاُبْرِزَ قَبْرُهٗ غَيْرَ اَنَّهٗ خَشِيَ اَنْ يُّتَّخَذَ مَسْجِدًا وَفِىْ رِوَايَةِ ابْنِ أَبِىْ شَيْبَةَ وَلَوْ لَا ذَاكَ لَمْ يَذْكُرْ قَالَتْ ......۔ [بخاری: ۲/ ۶۳۹ ـ ۱۳۳۰، ۱۳۹۰، ۴۴۴۱]

”اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے یہودیوں پر کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا......“۔الخ

موت کی شدت اور تکلیف میں زیادتی اور بے چینی سے آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر یہ دُعا جاری رہی:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلٰى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ۔ (شمائل ترمذی: ۲۶)

”اے اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما“۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اکثر آپ سے یہ بات سنا کرتی تھی کہ کسی نبی کی وفات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ خود اس سے دنیا یا آخرت میں رہنے کے بابت اس کی رائے معلوم نہ کر لی جائے۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سانس تیز چلنے لگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَعَ الَّذِیْنَ انْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ)) (یعنی میں نے ان لوگوں کے ساتھ رہنا پسند کر لیا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا......) تو میں سمجھ گئی کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کو اختیار فرما لیا ہے۔(بخاری شریف ۲/۶۳۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیوی زندگی سب سے آخری عمل جو انجام دیا وہ مسواک کے ذریعہ پاکیزگی حاصل کرنا تھا' چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مرض الوفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھ کر آرام فرماتے تھے' اسی درمیان میرے بھائی عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ اس حال میں آئے کہ ان کے ہاتھ میں ایک تازہ مسواک تھی' جس سے وہ مسواک کر رہے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسواک کو نظر جما کر دیکھا (جس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرنا چاہتے ہیں) لہٰذا میں نے وہ مسواک ان سے لے کر اچھی طرح چبا کر ملائم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت عمدہ طریقہ پر مسواک فرمائی اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ آپ نے اپنا دست مبارک یا اُنگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے: فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ پھر میری گود ہی میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔(بخاری شریف ۲/۶۳۸)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ (بخاری شریف ۲/۶۳۹)

''اے اللہ! معاف فرما اور مجھ پر رحم فرما' اور اعلیٰ درجہ کے رفیق کے ساتھ مجھے لاحق فرما''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سے مدینہ میں کہرام مچ گیا۔ سچے جانثاروں کا آسرا چلا گیا' محبانِ نبوت کا سب سے بڑا محبوب خود اپنے محبوب یعنی ربّ العالمین سے وصال کی سعادت سے بہرہ ور ہو گیا' مدینہ میں ہر طرف سسکیاں اور آہیں تھیں۔ جن کا اظہار زبان سے کم

آنکھوں سے بہنے والے گرم گرم آنسوؤں کے سیل رواں سے زیادہ ہو رہا تھا' مسجد نبوی میں موجود حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت عجیب تھی' کوئی بھی اس المناک حادثہ پر اپنے ہوش میں معلوم نہ تھا' کسی کی زبان گنگ تھی تو کوئی آنسوؤں کے سیلاب میں تصویر غم بنا ہوا تھا۔ لوگ حیران تھے کہ اب کیا ہوگا؟ نظریں اس نازک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی رفیق سیّدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈ رہی تھیں کچھ دیر بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی نڈھال قدموں سے تشریف لائے' پہلے سیدھے حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد خاکی یمنی چادر میں ڈھکا ہوا رکھا تھا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چادر ہٹائی اور روتے ہوئے پیشانی کا بوسہ لیا' اور فرمایا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں فرمائے گا اور موت آپ کے لیے مقدر تھی وہ آ چکی''۔ (یعنی اب دوبارہ آپ تشریف نہیں لائیں گے کہ پھر موت آئے)۔ (بخاری شریف مع حاشیہ ۲/۶۴۰)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیشانی مبارک کو چومنے کے بعد آپ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا:

''حضور! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھی پاکیزہ تھی اور موت بھی پاکیزہ ہوئی' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات سے نبوت کا وہ سلسلہ ختم ہو گیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی کی وفات سے ختم نہ ہوا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ناقابل بیان ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات رونے سے بالاتر ہے' آپ نے امت سے وہ خصوصی برتاؤ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سراپا تسلی گاہ بن گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت کو اس قدر عام کیا کہ ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں برابر قرار پائے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اگر اختیاری ہوتی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بدلے کتنی ہی جانیں لٹا دیتے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں اپنی آنکھوں کے آنسو خشک کر ڈالتے' مگر ایک چیز ہمارے قابو سے باہر ہے وہ دل کی کڑھن اور آپ کی جدائی پر ذہنی تکلیف ہے جو برابر باقی رہے گی کبھی ختم نہ ہو گی۔ اے اللہ! ہمارے یہ جذبات ہمارے حضور تک پہنچا دے اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے پروردگار کے دربار میں ہمیں یاد رکھئے اور اپنے دل میں ہمیں بسائے رکھئے اور یقین جانئے کہ اگر آپ نے ہمیں صبر وسکون کی تعلیم نہ دی ہوتی تو ہم اس وحشت اثر حادثہ کو ہرگز برداشت نہ کر پاتے۔ اے اللہ!

ہمارا یہ ہمارے نبی تک پہنچا دے اور ہمارے بارے میں اسے محفوظ فرما''۔

اس کے بعد آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور تسلی آمیز خطبہ ارشاد فرمایا جس سے لوگوں کے کچھ ہوش بجا ہوئے اور خلافت، نمازِ جنازہ اور تدفین کے مراحل انجام دیئے گئے۔

(الروض الأنف ۴/ ۴۴۵)

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ پیر کے دن چاشت کے وقت آپ کی وفات ہوئی۔ پیر کا بقیہ دن اور منگل کی رات خلافت کے قیام اور بیعت کی تکمیل میں صرف ہوئی، منگل کی صبح کو آپ کو غسل دیا گیا، پھر انفرادی طور پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا جو پورا دن گذار کر رات تک جاری رہا، پھر اس رات ہی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ صلی اللّٰہ علیه الف الف مرة۔

(الروض الأنف ۴/ ۴۵۴، البدایة والنہایة ۵/ ۳۸۴، دلائل النبوۃ وغیرہ)

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے شدتِ مرض کے زمانہ میں آپ ﷺ کی سب سے چہیتی صاحبزادی، اہل جنت عورتوں کی سردار، سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (جن کو آپ نے پہلے ہی اپنی وفات کی اور پھر اہل بیت میں سے سب سے پہلے ان کے انتقال کی خبر دیدی تھی) حاضر خدمت ہوئیں اور آپ کی شدید تکلیف دیکھ کر فرمایا: واکرب اباہ! (ہائے میرے والد کی تکلیف!) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بیٹی آج کے بعد پھر کبھی تمہارے باپ پر کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ پھر جب آپ کی وفات ہوگئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آخری دیدار کے لیے تشریف لائیں اور آپ کے جسد مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

یَا اِبَتَاہُ، اَجَابَ رَبًّا دَعَاہُ، یَا اِبَتَاہُ مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاہُ، یَا اِبَتَاہُ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ نَنْعَاہُ۔ (بخاری شریف ۲/ ٦٤١)

''ہائے میرے پیارے ابا جان! جنہوں نے اپنے ربّ کی دعوت قبول کر لی۔ وائے میرے مشفق اور عزیز والد! جن کا ٹھکانا جنت الفردوس ہے۔ اے والد نامدار! جن کی وفات پر ہم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سامنے گریہ وزاری کر رہے ہیں۔

پھر جب آپ ﷺ کو دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شدت تاثر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

يَا اَنَسُ! أَطَابِتُ اَنْفُسُكُمْ اَنْ تَحْثُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ التُّرَابَ۔

(بخاری شریف ۲ / ٦٤١)

”میاں انس! تم نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ تم آنحضرت ﷺ کے جسد اقدس پر اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈالو“۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ زبانِ حال سے جواب دے رہے تھے واقعی دل تو نہ چاہتا تھا مگر حکم نبوی کی تعمیل میں جبراً یہ عمل انجام دینا پڑا۔(فتح الباری ۸/۱٤۹)

بعض روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قبر مبارک سے مٹی اٹھا کر اپنی پیشانی پر رکھی اور اسے سونگھا پھر یہ اشعار پڑھے۔

مَاذَا عَلٰى من شَم تربةَ احمَد ☆ اَن لا يَشُم مَدى الزَّمان غَوَالِيا

صُبَّت عَلَى مَصَائب لَوْ انَّها ☆ صُبت عَلَى الايَّام عُدنَ لَيَا لِيَا

”محمد ﷺ کی قبر شریف کی مٹی سونگھنے والا اگر مدہوش ہو کر پھر عمر بھر کچھ سونگھنے کے قابل نہ رہے تو اس میں حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اس حادثہ سے میرے اوپر مصیبتوں کے وہ پہاڑ ٹوٹے ہیں کہ مصیبت اگر دنوں پر نازل ہوتی تو ہو اندھیری راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔(اشرف الوسائل:۵۸۷)

اہل مدینہ کا یہ معمول تھا کہ جب کسی مصیبت زدہ کو تسلی دینی ہوتی تو نبی اکرم ﷺ کا حادثہ وفات اسے یاد دلایا جاتا، جس کے تصور کے بعد اپنی ہر مصیبت اور تکلیف آسان معلوم ہونے لگتی۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور پوری امت کی طرف سے آپ ﷺ کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العامین و صلی اللّٰہ علی سیّد المرسلین سیّدنا و مولانا محمد وعلٰی آلہ واصحابہٖ اجمعین۔

امیر المؤمنین سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی افضل ترین شخصیت اور آنحضرت ﷺ کے محب و محبوب رفیق، خلیفہ اوّل، امیر المؤمنین سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سبب وفات کے بارے میں متعدد حضرات نے لکھا ہے کہ دراصل آپ کو سرورِ کائنات، فخر موجودات، سیّدنا و مولانا

محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات کا اس قدر صدمہ تھا کہ آپ اندر ہی اندر گھٹتے رہے اور برابر لاغرو نحیف اور کمزور ہوتے چلے گئے اور یہ اندرونی کڑھن اور تکلیف آپ کی وفات کا سبب بنی آپ نے مرض الوفات میں اکابر اصحاب الرائے صحابہ کے مشورہ سے اپنے بعد سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ متعین فرمایا اور اس پر بیعت لی اور جب یہ کام بخیر و خوبی انجام پا گیا تو آپ نے بارگاہ ایزدی میں یہ دعا فرمائی:

اے اللہ! میں نے جو کام کیا ہے اس سے میرا مقصود صرف مسلمانوں کی اصلاح ہے۔ میں نے فتنہ کے ڈر سے جو کچھ کیا اس کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں، میں نے اس معاملہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کیا ہے اور اپنی دانست میں مسلمانوں میں سب سے بہتر، طاقتور اور نیکی پر حریص شخص کو ان پر حاکم بنایا ہے۔ میں آپ کے حکم سے اس دنیائے فانی کو چھوڑ رہا ہوں، آپ ان میں میری طرح کے خیر خواہ لوگ پیدا فرمایئے، مسلمانوں کے حکام کو صلاحیت سے نواز دیجئے اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو خلفاء راشدین میں داخل فرمایئے اور ان کی رعایا کی اصلاح فرمایئے''۔

آپ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے مشفق والد ماجد کی مایوس کن بیماری سے سخت پریشان تھیں جب عیادت کے لیے تشریف لاتیں تو آپ کی تکلیف دیکھ کر بیقراری والے اشعار پڑھا کرتیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ جواب دیتے کہ بیٹی! یہ اشعار مت پڑھو بلکہ یہ آیت پڑھو:

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۔ (سورۂ ق: ۱۹)

''اور وہ آئی موت کی بے ہوشی، تحقیق یہ وہ ہے جس سے تو ٹلتا رہتا تھا''۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے وفات سے قبل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ بیٹی! مجھے میرے ان مستعمل کپڑوں ہی میں کفن دینا اور آج پیر کا دن ہے اگر میرا رات تک انتقال ہو جائے تو میرے دفن میں کل کا انتظار نہ کرنا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جتنی جلد پہنچ جاؤں اتنا ہی بہتر ہے۔ (تاریخ الخلفاء ۱۰۲-۶-۱۰۶)

اور یہ بھی مشہور ہے کہ وفات کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک پر یہ دعا جاری تھی:

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۔ (یوسف: ۱۰۱)

''موت دے مجھ کو اسلام پر' اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں''۔

اِس دعا کے بعد آپ رحلت فرما گئے۔ (مشاہیر کے آخری کلمات ۱۲)

رضی اللہ عنہ' وارضاہ رحمہ اللہ تعالٰی رحمۃً واسعۃً۔

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سیّدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی حالت دگرگوں ہے اس لیے ہمیں کسی نصیحت سے سرفراز فرمایئے تو حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ جو شخص درج ذیل دعائیں پڑھے گا اور پھر سے موت آ جائے گی تو اللہ تعالٰی اس کو اُفق مبین میں جگہ عطا کرے گا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اُفق مبین کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ عرشِ خداوندی کے سامنے ایک میدان ہے جس میں باغیچے' نہریں اور درخت ہیں وہ کلماتِ دُعا یہ ہیں:

''اے اللہ! آپ ہی نے سب مخلوقات کو پیدا فرمایا جبکہ آپ کو ان کی پیدائش کی مطلق ضرورت نہ تھی' پھر آپ نے مخلوقات کے دو حصے فرمائے ایک حصہ جنتی اور ایک حصہ جہنمی ہے۔ لہٰذا مجھے جنتی بنایئے جہنمی نہ بنایئے۔''

اے اللہ! آپ نے مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہی انہیں شقی یا سعید بنانے کا فیصلہ فرمایا ہے لہٰذا میری بدعملیوں کے سبب شقی مت بنایئے۔

اے اللہ! آپ پیدائش سے پہلے ہی سے جانتے ہیں کہ کون کیا کرے گا۔ پس مجھے ان لوگوں میں شامل فرمایئے جن کو آپ نے اپنی اطاعت میں لگے رہنے کا فیصلہ فرمایا ہے۔

اے اللہ! کوئی شخص کچھ نہیں چاہ سکتا جب تک آپ نہ چاہیں' پس میری چاہت صرف یہ بنا دیجیے کہ میں وہی چاہوں جو مجھ کو آپ کا قرب عطا کر دے۔

اے اللہ! بندوں کی ہر حرکت آپ کی اجازت کی محتاج ہے پس میری نقل و حرکت اپنے تقویٰ کے مطابق کر دیجیے۔

اے اللہ! آپ نے خیر و شر پیدا کر کے ہر ایک کے عامل الگ الگ مقرر کئے ہیں۔ پس مجھے خیر کی توفیق والے لوگوں میں شامل کر دیجیے۔

اے اللہ! آپ نے جنت اور جہنم کو بنا کر ہر ایک کے الگ الگ بسانے والے افراد مقرر

کیے ہیں مجھے جنت کے مکینوں میں شامل فرما دیجیے۔

اے اللہ! آپ نے بعض لوگوں کے لیے ضلالت اور گمراہی مقرر کر رکھی ہے جن کو اسلام پر شرحِ صدر نصیب نہیں۔ پس مجھے اسلام اور ایمان پر شرح صدر عطا فرمایئے اور اس کو میرے دل میں مزین فرما دیجیے۔

اے اللہ! آپ ہی نظام کائنات کے مدبر ہیں۔ پس مجھے ایسی بہترین زندگی عطا فرمایئے جو آپ کے تقرب سے مالا مال ہو۔

اے اللہ! بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ صبح شام ان کو آپ کے علاوہ پر بھروسہ ہے۔ مگر میرا مکمل اعتماد، امید اور ہر طرح کی نصرت صرف اور صرف آپ کی ذات ہی سے وابستہ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ سب باتیں کتاب اللہ سے ماخوذ ہیں (اور جو یہ جذبات رکھے گا اس کو اُفق مبین نوازا جائے گا)۔ (کتاب العاقبۃ للاشبیلی ۶۳)

امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ہوشمندی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے اور منہ مانگے صحابیٔ جلیل، اسلام کے عظیم ترین ستون، اور تاریخ اسلامی کے درخشندہ ستارے امیر المؤمنین سیّدنا حضرت عمر بن خطاب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے وفات سے قبل جس ہوشمندی اور امت کے لیے فکرمندی کی تاریخ رقم فرمائی ہے وہ بجائے خود تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ آپ کو ایک مجوسی غلام ''ابولولو'' نے فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے نیزے سے شدید زخمی کر دیا تھا، آپ کو اٹھا کر گھر لایا گیا، مدینہ میں کھلبلی مچ گئی لوگوں کی شدید خواہش تھی کہ آپ صحت یاب ہو جائیں لیکن جب آپ کو دودھ اور نبیذ پلائی گئی اور وہ پیٹ کے زخم سے باہر نکل گئی تو یہ یقین ہو گیا کہ اب آپ جانبر نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ لوگ آپ کی عیادت کے لیے آتے اور آپ کی شاندار خدمات پر خراج عقیدت پیش کرتے۔ اسی دوران ایک نوجوان شخص نے بھی آ کر آپ سے یہ خطاب کیا:

''امیر المؤمنین خوشخبری قبول فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف عطا کیا۔ پھر اسلام میں سبقت سے نوازا، پھر جب آپ خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے عدل و انصاف کے ساتھ یہ ذمہ داری نبھائی اور اب آپ مرتبہ شہادت سے نوازے جا

رہے ہیں''۔

یہ سن کر سیّدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ان سب نعمتوں کے ساتھ بھی حساب کتاب برابر سرابر ہو جائے تو بسا غنیمت ہے''۔ ابھی وہ نوجوان واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر اس کے تہہ بند پر پڑی جو ٹخنے کے نیچے لٹک رہا تھا آپ نے فوراً اسے واپس بلایا اور کہا: پیارے! اپنا کپڑا اوپر رکھا کرو یہ تمہارے کپڑے کے لیے صفائی کا باعث ہے اور تمہارے پروردگار سے تقویٰ کا ذریعہ ہے''۔ یہ ہے ہوشمندی! کہ اس تکلیف اور اذیت کی حالت میں بھی نہی عن المنکر کا کام جاری ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ''دیکھو میرے اوپر کتنا قرض ہے؟ چنانچہ حساب لگانے سے پتہ چلا کہ تقریباً ۸۶ ہزار درہم قرض ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اولاً میرے اہل خاندان سے لے کر یہ رقم ادا کی جائے' اگر پوری نہ ہو تو میرے قبیلے بنی عدی سے وصول کی جائے۔ پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ''امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر میرا اسلام عرض کرو اور یہ مت کہنا کہ امیر المؤمنین نے سلام عرض کیا ہے بلکہ یہ کہنا کہ عمر نے سلام کہا ہے (تاکہ کوئی جبر نہ ہو) اور کہنا کہ عمر آپ سے اس بات کی اجازت طلب کرتا ہے کہ وہ آپ کے حجرہ میں اپنے ساتھیوں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ دفن کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حسب الحکم یہ پیغام امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا تک پہنچا دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگرچہ میں خود یہاں دفن ہونا چاہتی تھی لیکن اب میں اپنے اوپر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتی ہوں' یعنی ان کو دفن کی اجازت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جواب کے منتظر تھے جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ واپس آئے تو فرمایا کہ ''کیا خبر لائے؟'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی مراد پوری ہوئی۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اجازت مرحمت فرما دی ہے۔ یہ خوشخبری سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے بے ساختہ حمد و ثنا کے کلمات صادر ہوئے اور فرمایا کہ ''اس سے زیادہ اہم اور کوئی چیز میرے لیے نہیں تھی'' پھر فرمایا کہ جب میری وفات ہو جائے تو مجھے اٹھا کر حجرہ عائشہ تک لے جانا اور پھر میرا نام لے کر اجازت طلب کرنا اگر اجازت دیدیں تو وہاں دفن کرنا ورنہ مجھے عام قبرستان میں دفن کر دینا' اس کے بعد آپ نے اپنے بعد خلافت کے انتخاب کے لیے سات اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک

مجلس شوریٰ بنائی جن میں گو کہ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے مگر ان کے متعلق آپ نے صراحت کردی تھی کہ انہیں امیر المؤمنین نہیں بنایا جاسکتا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے جانشین کو درج ذیل وصیتیں فرمائیں:

① مہاجرین اولین کے حقوق کی ضمانت اور ان کی عزت و حرمت کا لحاظ رکھا جائے۔ ② انصارِ مدینہ کے ساتھ خیر خواہی کی جائے، ان کے نیک عمل لوگوں کی حوصلہ افزائی ہو اور بدعمل افراد سے درگذر کا معاملہ کیا جائے۔ ③ دیگر شہری آبادیوں کے ساتھ بھی بھلائی کا برتاؤ کیا جائے۔ اس لیے کہ وہ اسلام کے معاونین، مال کے جمع کرنے والے اور دشمنوں کے لیے غیظ و غضب کا باعث ہیں (کہ ان کی تعداد سے دشمن خوف کھاتا ہے) ان لوگوں سے ان کی رضامندی سے صرف ضرورت سے زائد مال ہی لیا جائے۔ ④ اور مملکت کے دیہات میں رہنے والوں کے ساتھ بھی خیر خواہی کی جائے۔ اس لیے کہ وہ عرب کی اصل اور اسلام کی بنیاد ہیں، ان سے ان کا ضرورت سے زائد مال لے کر ان کے ہی فقراء میں تقسیم کردیا جائے۔ ⑤ اور ذمیوں کے ساتھ بھی رعایت کا معاملہ کیا جائے ان کے عہد کی پاسداری کی جائے ان کے دشمنوں سے جنگ کی جائے اور ان کی وسعت سے زیادہ کا انہیں مکلّف نہ بنایا جائے"۔ (یعنی طاقت سے زیادہ نہ وصول کیا جائے)۔

ان ہدایات کے بعد آپ نے جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

(بخاری شریف ۱/۵۳۳،۵۳۴)

اللہ اکبر! بیدار مغزی کی کیا شان ہے؟ کہ آخر تک امت کی فکر ہے، اور ایک ایک جزئیہ پر نگاہ ہے اور ایک ایک ہدایت پیشِ نظر ہے۔ بے شک آپ نے خلافت نبوت کا حق ادا کردیا، بخاری شریف ہی کی ایک دوسری روایت ہے کہ جب زخم سے آپ کی تکلیف زیادہ بڑھی تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خدمت میں حاضر ہوئے اور تسلی دیتے ہوئے عرض کیا کہ الحمد اللہ آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن رفاقت نصیب ہوئی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو وہ آپ سے راضی تھے اسی، طرح خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیت بھی آپ کو نصیب رہی اور آپ نے سب کا حق ادا کردیا اب اگر آپ دنیا سے تشریف لے جائیں تو وہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم آپ سے راضی ہوں گے (یہ آپ کے لیے

بڑی سعادت کی بات ہے) یہ سن کر سیّدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ گویا ہوئے کہ "آپ نے آنحضرت ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جس رفاقت کا ذکر کیا ہے وہ تو محض فضل خداوندی ہے جو مجھ پر ہوا۔ آج جو آپ مجھے تکلیف میں دیکھ رہے ہیں وہ دراصل آپ اور آپ کے بعد آنے والے لوگوں کے بارے میں ہے (کہ میری وفات سے فتنوں کا دروازہ ٹوٹ جائے گا جیسا کہ دوسری حدیث میں وارد ہے) اور اللہ کی قسم اگر میرے پاس زمین کی وسعت کے بقدر سونا ہوتا تو میں آج اسے اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ میں دیدیتا ہے (بخاری شریف ۱/۵۲۱) یعنی اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں ہے بلکہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت غالب ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وفات کا وقت آپ کا سر مبارک آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی گود میں رکھ لیا تو آپ نے باصرار اسے زمین پر رکھوایا اور اپنے رخساروں کو مٹی سے آلود کرتے ہوئے فرمایا: "عمر اور اس کی ماں کی بڑی خرابی ہے اگر عمر کی مغفرت نہ ہو" پھر صاحبزادے سے فرمایا کہ جب میری وفات ہو جائے تو کفن دفن میں جلدی کرنا۔ (کتاب العاقبہ ۶۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک چارپائی پر رکھی تھی اور میں وہیں قریب میں کھڑا تھا کہ ایک شخص نے اپنی کہنی میرے کندھے پر رکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف رخ کر کے یہ کہنا شروع کیا!

"اے عمر! اللہ تم پر مہربان ہو! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حشر بھی تمہارے دونوں ساتھیوں (حضور اکرم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ فرمائے گا۔ اس لیے کہ میں بہت کثرت سے آنحضرت ﷺ کی زبانِ اقدس سے یہ کلمات سنا کرتا تھا کہ میں اور ابوبکر وعمر وہاں تھے اور میں نے اور ابوبکر وعمر نے فلاں کام کیا اور میں اور ابوبکر وعمر فلاں جگہ گئے اس لیے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اب بھی آپ کو انہی دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا"۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو مڑ کر دیکھا تو یہ خراج عقیدت پیش کرنے والے شخص سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ (بخاری شریف ۱/۵۱۹) واقعی کتنا شاندار خراجِ عقیدت اور کیسا لطیف اور بشاشت انگیز استدلال ہے ایسی موت پر بلاشبہ ہزاروں ہزار زندگیاں

قربان ہیں۔رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

امیر المؤمنین سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت

پیکر حلم وحیاذ والنورین امیر المؤمین سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جب شر پسند باغیوں نے اپنے مکان میں محصور کر دیا وران باغیوں کو ہٹانے کی ہر ممکن کوششیں ناکام ہوگئیں جس سے حوصلہ پاکر یہ شقی القلب باغی آپ کے مکان کا دروازہ جلا کر اندر داخل ہوگئے تو اس خطرناک منظر کو دیکھ کر سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نماز کی نیت باندھ لی اور سورۃ طٰہٰ پڑھنی شروع کر دی آپ کے گھر پر باغی حملہ آور ہوتے رہے اور آپ پورے صبر وسکون کے ساتھ نماز میں مشغول رہے اور نماز سے فارغ ہو کر قرآن کریم کھول کر تلاوت فرمانے لگے اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ آیت جاری تھی:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۔ (آل عمران ۱۷۳)

”جن کو کہا لوگوں نے کہ مکہ والے آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان تمہارے مقابلہ کے لیے سو تم ان سے ڈرو تو اور زیادہ ہوا ان کا ایمان اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے“

اس دوران ایک شخص آپ پر حملہ آور ہوا اور اس قدر شدت سے آپ کا گلا گھونٹا کہ آپ پر غشی طاری ہوگئی اور سانس لینے میں تکلیف محسوس ہونے لگی ابھی اس نے چھوڑا ہی تھا کہ دوسرا اور تیسرا آدمی آگے بڑھا اور اس نے تلوار سے آپ پر وار کیا آپ نے اپنے ہاتھ سے اسے روکنے کی کوشش کی جس سے ہاتھ کٹ گیا اور خون کا سب سے پہلا قطرہ قرآن کریم کی اس آیت پر پڑا۔

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔(البقرہ : ۱۳۷)

”سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا“

اپنے ہاتھ کو کٹتا دیکھ کر آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے کہ یہی وہ ہاتھ ہے جس نے سب سے پہلے قرآن کریم کی مفصل سورتیں لکھی پھر ایک اور شخص جس کا نام سودان بن حمران تھا ننگی تلوار لہراتا ہوا سامنے آیا اور اس خبیث نے تلوار آپ کے پیٹ میں اتار دی اور آپ اسی

حال میں سرخرو ہوکر بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہوگئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

(البدایہ والنہایہ ۷/۲۰۱)

جب آپ خون میں لہولہان تھے تو آپ کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْتَعِیْنُكَ عَلٰی اَمْرِیْ، وَاَسْئَلُكَ الصَّبْرَ عَلٰی بَلَائِیْ۔ تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے، میں کوتاہی کرنے والوں میں ہوں۔ اے اللہ! میں اپنے معاملہ میں تجھ سے مدد کا طلبگار ہوں اور اپنی مصیبت پر صبر کی درخواست کرتا ہوں۔ (كتاب العاقبه : ٦٤)

بعض سلف سے منقول ہے کہ جو لوگ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے وہ سب بعد میں مقتول ہوئے اور بعض نے یہ فرمایا کہ قاتلین میں سے ہر شخص پاگل ہوکر مرا۔ نعوذ بالله من ذلك. (البدايه و النهاية ٢٠٢/٧)

شہادت کے وقت امیر المؤمنین سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کی بیدار مغزی

شیر خدا، فاتح خیبر، امیر المؤمنین سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب خبیث ابن ملجم نے شدید زخمی کردیا اور آپ کا چہرہ خون سے لہولہان ہوگیا، پھر آپ کو قیام گاہ پر لایا گیا اور زخم کی شدت کی وجہ سے زندگی سے ناامیدی ہوگئی تو آپ نے اپنے صاحبزادگان جوانانِ اہل جنت کے سردار، سیّدنا حضرت حسن اور سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر خاص طور پر وصیت فرمائی۔ وصیت کے بعض اہم اجزاء یہ تھے:

(ا) میں اپنے تمام صاحبزادگان اور جن تک بھی میری تحریر پہنچے اللہ رب العزت سے ڈرنے اور ایمان واسلام ہی کی حالت پر مرتے دم تک قائم رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔

(ب) تم سب مل کر مضبوطی سے اللہ کی رسّی کو پکڑے رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا اس لیے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دو جھگڑنے والوں کے درمیان صلح کرانا نماز، روزہ جیسی عبادات سے بھی افضل ہے۔

(ج) اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھو اور ان پر صلہ رحمی کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر حساب کتاب آسان فرمائے۔

(د) یتیموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا تمہاری موجودگی میں ان کے چہروں پر پژمردگی نہ ہو اور تمہارے رہتے ہوئے وہ برباد نہ ہونے پائیں۔

(ہ) پڑوسیوں کے بارے میں بھی اللہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ ان کے حقوق سے متعلق آنحضرت ﷺ ہمیں اس قدر تاکید فرماتے رہے کہ ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ آپ پڑوسیوں کو ہماری وراثت میں شریک قرار دیں گے۔

(و) اور قرآن کے بارے میں بھی اللہ سے ڈرتے رہنا خبردار! اس پر عمل کرنے میں کوئی دوسرا تم سے سبقت نہ لے جائے۔

(ز) حج بیت اللہ، ماہ رمضان کے روزوں اور زکوٰۃ کا اہتمام رکھنا اور اللہ کے راستے میں جان و مال سے جہاد کرتے رہنا۔

(ح) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی اللہ سے ڈرتے رہنا اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کا لحاظ کرنے کی وصیت فرمائی۔

(ط) فقراء اور مساکین کو دیتے دلاتے رہنا اور عورتوں اور باندیوں کا خیال رکھنا۔

(ی) دینی معاملے میں کسی کے طعنے کی پرواہ مت کرنا ان شاء اللہ تمہارے بدخواہوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کفایت فرمائے گا۔

(ک) لوگوں کے ساتھ حسن اخلاص سے پیش آنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مت چھوڑنا ورنہ بدترین لوگ تم پر حکمراں ہو جائیں گے پھر تمہاری دعائیں بھی قبول نہ ہوں گی۔

(ل) اچھی باتوں پر ایک دوسرے کا تعاون کرنا اور ظلم و عدوان کے کاموں میں شریک نہ رہنا اور اللہ سے برابر ڈرتے رہنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد آپ برابر کلمہ طیبہ کا ورد فرماتے رہے اور اسی حالت میں وفات پائی اور بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ آپ کی زبان پر سب سے آخر میں یہ آیت جاری تھی: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ (زلزال: ۷۔۸) (سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اسے اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا اسے)۔

(البدایۃ والنہایۃ ۷/ ۳۵۰۔۳۵۱)

سیّدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ

۶: رحیانۃ الرسول سیّدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جب خطرناک قسم کا زہر پلایا گیا اور آپ کی حالت غیر ہونے لگی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے باہر صحن کی طرف لے چلو' میں اللہ کی قدرت میں غور کرنا چاہتا ہوں' چنانچہ حاضرین نے آپ کا بستر باہر بچھا دیا' تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا: کہ اے اللہ! میں اپنی اس جان کو تیرے نزدیک مستحق ثواب سمجھتا ہوں' میرے پاس اس سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں ہے (اللہ نے آخر وقت میں آپ کو اپنی پاکیزہ زندگی پر رحمت خداوندی کی بھرپور امید کی نعمت عطاء کر دی) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ کی تکلیف شدید ہوئی اور آپ اس کا اظہار کرنے لگے تو آپ کے چھوٹے بھائی سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تشریف لا کر تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ بھائی جان اس تکلیف کی کیا حیثیت ہے؟ بس آپ کے بدن سے روح نکلنے کی دیر ہے کہ ابھی آپ اپنے والدین ماجدین حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما اور اپنے چچا حضرت حمزہ اور حضرت جعفر اور اپنے ماموں حضرت قاسم' حضرت طیب' مطہر اور ابراہیم اور اپنی خالاؤں حضرت رقیہ' ام کلثوم اور زینب رضی اللہ عنہن سے ملاقات کرنے والے ہیں' تسلی کے یہ الفاظ سن کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا احساس تکلیف کم ہو گیا ور آپ نے فرمایا کہ پیارے بھائی' بات یہ ہے کہ میں اس وقت اس مرحلہ میں داخل ہو رہا ہوں جس کا پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا اور میں اپنی آنکھوں سے اللہ ایسی مخلوق دیکھ رہا ہوں جن کو آج تک کبھی نہیں دیکھا یہ سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا۔ (رضی اللہ عنه وأرضاه)

(البدایہ والنہایہ ۷/۴۳۳)

سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت

۷: نواسۂ رسول سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت سے پہلے ظالم حملہ آوروں کی فوج سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا تم میرے قتل کے درپے ہو؟ اللہ کی قسم تم میرے بعد اللہ کے کسی ایسے بندے کو قتل نہ کر سکو گے جس کا قتل میرے مقابلے اللہ کے نزدیک مجھ زیادہ موجب عذاب ہے' اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کر کے مجھے عزت عطاء کرے گا پھر

میری طرف سے تم سے اس طرح انتقام لے گا کہ تمہیں احساس بھی نہ ہو پائے گا، قسم بخدا اگر تم نے مجھے مار ڈالا تو اللہ تعالیٰ اس کا سخت عذاب تمہارے اوپر نازل کرے گا اور س کے بدلے میں خونریزی عام ہوگی پھر اس وقت تک تم سے راضی نہ ہوگا جب تک کہ تمہیں بدترین دردناک عذاب میں مبتلا نہ کردے"۔

آپ کی اس پر اثر تقریر کے بعد گو کہ آپ کے خاندان کے تیئس افراد غازۂ شہادت سے سج سنور کر بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہو چکے تھے لیکن کوئی مخالف فوجی آپ پر حملہ کی جسارت نہ کر پاتا تھا، تا آنکہ بدبخت کمانڈر شمر بن ذی الجوشن کے للکارنے پر زرعہ بن شریک اور سنان بن انس نام کے دو شقی القلب ظالموں نے انتہائی مظلومانہ حالت میں آپ کو شہید کر کے اپنی ذلت پر مہر لگالی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ (البدایہ والنہایہ ۱۷۴)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات

۸: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے مصعب بن سعد فرماتے ہیں کہ جب میرے والد محترم (حضرت سعد رضی اللہ عنہ) کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا، میں بے اختیار رونے لگا تو آپ نے فرمایا: بیٹے! کیوں رو رہے ہو؟ اللہ کی قسم مجھے میرا ربّ کبھی عذاب نہ دے گا، میں جنتی لوگوں میں ہوں (اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی تھی اور عشرہ مبشرہ میں آپ سب سے اخیر میں وفات پانے والے ہیں) بے شک اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ان کی نیکیوں کا خود بدلہ عطا فرمائے گا جبکہ کفار کی نیکیوں کے عوض ان کا عذاب کچھ ہلکا کردے گا اور جب نیکیاں باقی نہ بچیں گی تو ان سے کہا جائے گا کہ اب اپنے اعمال کے ثواب کا مطالبہ ان معبودانِ باطلہ سے کرو، جن کے لئے تم عبادتیں کیا کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ۷/ ۱۷۴)

وفات کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا حال

۹: سیّدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو آپ رونے لگے آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں رہ رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ توشے کی کمی اور طویل سفر کی شدت سے اور میں

ایک گھاٹی کے اندر اترنے کی قریب ہوں جو یا تو جنت میں جائے گی یا جہنم تک اور مجھے ابھی یہ معلوم نہیں کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ (كتاب العاقبة: ٦٥) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ مدینہ کے گورنر مروان بن الحکم مرض الموت میں آپ کی عیادت کو گئے اور کہا کہ ابو ہریرہ! اللہ تعالیٰ آپ کو شفاء عطاء کرے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ دعاء مانگی: اللّٰهمّ إنّي أحب لقاء ك فأحب لِقَائي. (اے اللہ میں تیری ملاقات پسند کرتا ہوں لہٰذا تو بھی میری ملاقات پسند فرما) راوی کہتا ہے کہ ابھی مروان مڑ کر بازار بھی نہ پہنچے تھے کہ اطلاع ملی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی رحلت ہوگئی ہے۔ رضي الله عنه و أرضاه. (البدايه النهايه ٧/٥٠٩، الاصابه ٧/٣٦١)

فقیہ امت خادم رسول حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

۱۰: ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مدینہ منورہ میں ملاقات کی اور کہا کہ میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفید منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ ان کے نیچے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے فرما رہے ہیں کہ ابن مسعود! میرے پاس آ جاؤ کیونکہ میرے بعد تمہارے ساتھ ظلم کیا گیا ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے خواب کی تصدیق کی اور فرمایا کہ تم سے وعدہ ہے کہ میری نماز جنازہ پڑھے بغیر مدینہ منورہ سے مت جانا۔ چنانچہ چند ہی دن کے بعد آپ کے وصال کا حادثہ پیش آ گیا۔

مرض الوفات میں امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور پوچھا کہ آپ کو کیا مرض ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے گناہوں کا۔ پھر پوچھا کہ آپ کو کس چیز کی خواہش ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے رب کی شفقت اور رحمت کی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا ہم آپ کے لیے وظیفہ جاری کر دیں' آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کی بیٹیوں کے لیے کافی ہوگا' آپ نے جواب دیا کہ آپ کو میری بچیوں کے فقر و فاقہ کا کیا خطرہ ہے میں نے اپنی بچیوں سے کا تاکید کر رکھی ہے کہ وہ روزانہ رات میں سورۂ واقعہ پڑھا کریں۔ اس لیے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھنے کا معمول بنا لے تو کبھی بھی وہ فقر و فاقہ کا شکار نہ ہوگا۔ (اسد الغابہ ۳/۲۵۵-۶۸۶)

سپہ سالار اعظم حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ

۱۱: مشہور اسلامی سپہ سالار حضرت خالد بن الولید سیف اللہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو بڑی حسرت سے فرمایا کہ میں میدانِ جنگ میں بار ہا شہادت تلاش کرتا رہا مگر میری یہ آرزو پوری نہ ہوسکی، اب میں اپنے بستر پر سفرِ آخرت کے لیے جانے کو تیار ہوں اور میرے پس کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے بعد سب سے مقبول اور پر امید عمل خیر میدانِ جنگ کی وہ اندھیری رات ہے جب میں ہتھیار باندھ کر تیز بارش کے اندر صبح تک کھڑا رہا اور صبح کے وقت کفار پر اچانک حملہ کر دیا پھر فرمایا کہ جب میری وفات ہو جائے تو میرے ہتھیار اور میرا گھوڑا اسب اللہ کے راستے میں وقف کر دینا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (البدایہ النہایہ ۷/۱۲۴)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو وفات کے وقت جنت کی بشارت

۱۲:۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے کا طاعون عمواس کے زمانے میں انتقال ہو گیا جس پر آپ نے مکمل صبر کیا پھر آپ خود طاعون میں مبتلا ہو گئے جس پر آپ نے فرمایا کہ دوست فقر و فاقہ کے زمانے میں آیا ہے جو نادم ہے وہی کامیاب ہے' (یعنی اپنی عاجزی کا اظہار کیا) راوی کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے پوچھا کہ حضرت آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میرے ربّ نے میری بہترین تعزیت کا انتظام کیا ہے' میرے پاس میرے بیٹے کی روح آئی ہے اور اس نے مجھے خوشخبری سنائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملائکہ مقربین، شہداء و صالحین کی سو صفوں کے ساتھ میری روح کے لیے دعائے رحمت کر رہے ہیں اور مجھے جنت کی طرف لے جا رہے ہیں آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی تو سب نے دیکھا کہ گویا کہ آپ لوگوں سے مصافحہ کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں ہیں مبارک ہو مبارک ہو' میں ابھی تمہارے پاس آیا ہوں' پھر آپ رحلت فرما گئے۔ رضی اللہ عنہٗ و أرضاہ. (شرح الصدور ۱۲۰)

مؤذن رسول بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا وفات کے وقت ذوق وشوق

۱۳:۔ مؤذن رسول سیّدنا حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کی اہلیہ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: واحزناہ۔ (ہائے افسوس آپ جا رہے ہیں) تو آپ نے جواب دیا:

واطرباه غدًا نلقی الاحبة محمدًا وحزبه۔ (کتنے سرور کی بات ہے کل ہم اپنے دوستوں یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں سے ملنے والے ہیں۔ رضی الله عنه وأرضاه۔

(کتاب العاقبۃ ۶۴' مشاہیر کے آخری کلمات ۳۴)

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کی سجدہ کی حالت میں وفات

۱۴: حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اللہ سے امید ہے کہ مجھے مرتے وقت اس طرح کی شدت نہ پیش آئے گی جیسے عام لوگوں کو پیش آتی ہے چنانچہ ان کی دعاء اس طرح قبول ہوئی کہ وہ ایک دن درمیان رات میں تہجد کی نماز پڑھنے میں مشغول تھے' نماز کے دوران ہی سجدے کی حالت میں آپ کی وفات ہوگئی' اسی وقت آپ کی ایک صاحبزادی نے خواب دیکھا کہ آپ وفات پاچکے ہیں وہ گھبرا کر اٹھی اور دوڑی ہوئی آپ کے مصلے تک آئی اس نے آپ کو آواز دی لیکن جواب ندارد' جاکر دیکھا تو سجدے کی حالت ہی میں آپ کی روح قبض ہو چکی تھی۔ رضی الله عنه وأرضاه۔ ((الاصابۃ ۷/ ۵۱)

حضرت ابوشیبہ خدری رضی اللہ عنہ کا آخری کلام

۱۵: صحابی رسول حضرت ابوشیبہ خدری رضی اللہ عنہ اس فوج میں شامل تھے جس نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا ایک دن آپ نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے آواز دی تو بڑی تعداد میں لوگ آپ کے گرد جمع ہوگئے اس وقت آپ نے اپنے چہرے پر پردہ ڈال رکھا تھا اور آپ یہ فرما رہے تھے کہ مجھے جو نہ جانتا ہو وہ جان لے کہ میں ابوشیبہ خدری حضور اکرم ﷺ کا صحابی ہوں اور میں نے خود جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے کہ: ''جو شخص بھی اللہ کے ایک ہونے کی اخلاص کے ساتھ گواہی دے وہ جنت میں داخل ہوگا لہٰذا اعمال صالحہ کرتے رہو اور بھروسہ کر کے نہ بیٹھو'' یہ حدیث سنا کر آپ وہیں وفات پاگئے۔ رضی الله عنه وأرضاه۔ (الاصابہ ۷/ ۱۷۱)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ربّ واحد کے حضور میں

۱۶: مشہور اسلامی سپہ سالار اور صحابی جلیل حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت بارگاہ ایزدی میں دونوں ہاتھ اٹھا کر عاجزی کے ساتھ یہ کلمات ارشاد فرمائے: ''بار الٰہا'' تو نے حکم دیا

اور ہم نے حکم عدولی کی' اے اللہ! تو نے منع کیا اور ہم نے نافرنانی کی' رب کریم! میں بے قصور نہیں ہوں کہ معذرت کروں اور طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آ جاؤں' اگر تیری رحمت شامل حال نہ ہوگی تو ہلاک ہو جاؤں گا"۔ اس کے بعد آپ نے تین مرتبہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ رضی اللہ عنہ وأرضا۔ (مشاہیر کے آخری کلمات ۷۸)

اور ایک روایت میں ہے کہ انتقال کے وقت آپ نے اپنے لشکر کے کمانڈروں اور محافظوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ کیا تم سب مل کے مجھے اللہ کے عذاب سے بچا سکتے ہو؟ سب نے کہا "نہیں" تو آپ نے فرمایا کہ سب واپس چلے جاؤ۔ پھر آپ نے پانی منگا کر وضو فرمایا اور قبلہ رخ ہو کر مذکورہ دعا مانگی اور آخیر میں آیت کریمہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ پڑھتے ہوئے وفات پائی۔ (کتاب العاقبة ٦٤)

بوقتِ وفات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اثر انگیز دُعا

۱۸: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی کاتب وحی' اسلام کے نامور فاتح اور عظیم المرتبت امیر' سیّدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا وفات کے وقت حال یہ تھا کہ روتے ہوئے اپنے رخساروں کو زمین پر الٹتے پلٹتے تھے اور زبان پر عاجزی کے ساتھ یہ کلمات جاری تھے کہ: اے اللہ! آپ نے اپنی کتاب میں یہ اعلان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو تو معاف نہیں کرتا لیکن بقیہ گناہوں کو اگر چاہے تو معاف کر دیتا ہے لہٰذا اے رب کریم! مجھے ان لوگوں میں شامل فرما جن کی مغفرت کا تو نے ارادہ کیا ہے"۔

پھر یوں ارشاد فرماتے ہوئے کہ: اے اللہ! غلطی سے درگذر فرما' کوتاہی سے صرف نظر فرما اور اپنی صفت حلم کی بدولت اس شخص کی جہالت کو معاف فرما جو تیرے علاوہ کسی سے امید نہیں رکھتا' بے شک تو وسیع الشان مغفرت والا ہے' کسی بھی غلط کار کے لیے تیرے علاوہ کوئی جائے عافیت نہیں ہے"۔

پھر آپ وفات پا گئے۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ۔ (البدایہ والنہایہ ۷/۵۳۸)

سیّدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت

۱۸: صحابی جلیل خلیفۃ المسلمین سیّدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو جب حجاج کی ظالم فوج نے مکہ معظمہ میں ہر چہار جانب سے محصور کر دیا اور مکہ میں رہنے والے اکثر لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ کر عاجز آ کر حجاج کے دامن میں پناہ گزیں ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ کے دو صاحبزادوں نے بھی حجاج کی امان میں جانا قبول کر لیا تو یہ یاس انگیز حالات دیکھ کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی والدۂ محترمہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اس وقت بڑھاپے کی وجہ سے نابینا ہو چکی تھیں، آپ نے والدۂ محترمہ سے عرض کیا کہ لوگ انہیں چھوڑ کر جا چکے ہیں حتیٰ کہ اپنی سگی اولاد بھی اس نازک وقت میں داغِ مفارقت دے چکی ہے اور بہت ہی تھوڑے سے لوگ اس وقت ان کے ساتھ بچے ہیں جن کو شدید محاصرہ کی وجہ سے کچھ دیر صبر کرنا بھی دوبھر ہے۔ دوسری طرف حجاج کے لوگ مجھے دنیا کا لالچ دلا کر مقابلہ سے دستبردار ہونے کو کہہ رہے ہیں تو امّاں جان! اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کوئی اور ماں ہوتی تو بیٹے کو جان بخشی کی راہ اپنانے کا مشورہ دیتی لیکن اس بوڑھی ماں کی قوت ایمانی کی داد دیجئے کہ انہوں نے اپنے مجاہد بیٹے کو اس طرح خطاب کیا "بیٹے تم اپنے بارے میں زیادہ واقف ہو اگر تمہیں یہ یقین ہے کہ تم حق پر ہو اور حق ہی کی دعوت دینے آئے ہو اپنے اس موقف پر ثابت قدم رہو۔ جس پر تمہارے ساتھیوں نے جام شہادت نوش کر لیا ہے اور تم اپنے آپ کو حجاج کے امان میں دی کے اپنے کو بنی امیہ کے بچوں کے ہاتھ کا کھلونا مت بناؤ اور اگر تم یہ جانتے ہو کہ تم نے محض دنیا کے لیے یہ سب کچھ محنت کی ہے تو تم سے برا آدمی کوئی نہیں تم نے نہ صرف اپنے کو ہلاکت میں ڈالا بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی ہلاک کر ڈالا۔ بہر حال اگر تم حق پر ہو تو ڈرنے کی کیا بات ہے تمہیں دنیا میں رہنا ہی کتنے دن ہے؟ شہید ہو جانا بہتر ہے"۔

بوڑھی ماں کی اس حوصلہ افزاء گفتگو پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ بڑھ کر والدہ کی پیشانی چوم لی اور فرمایا کہ امّاں جان! قسم بخدا یہی میری بھی رائے ہے میں نہ دنیا کی طرف مائل ہوں نہ مجھے دنیا کی زندگی محبوب ہے میں نے صرف احکام خداوندی کی بقاء کے لیے اور دین کی پامالی پر اظہارِ غضب کے مقصد سے مقابلہ کا ارادہ کیا تھا اور میں آپ کے

پاس صرف آپ کی رائے جاننے آیا تھا چنانچہ آپ نے میری بصیرت میں مزید اضافہ کیا اس لیے امّاں جان سن لیجئے میں آج ہی شاید شہید ہو جاؤں گا اس لیے آپ زیادہ غم مت کیجئے گا اور اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیجئے گا اس لیے کہ آپ کے بیٹے نے کبھی قصداً گناہ نہیں کیا اور نہ کبھی کوئی بے حیائی کا کام کیا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے کسی حکم میں جسارت کا ارادہ کیا تھا اور نہ کسی کو امان دے کر بے وفائی کی اور نہ اس نے جان بوجھ کر کسی مسلمان یا ذمی کے ساتھ ناانصافی کا معاملہ کیا اور نہ ہی میں اپنے کسی مقرر کردہ گورنر کے کسی ظلم پر راضی ہوا بلکہ میں نے اس پر نکیر کی اور میرے نزدیک کوئی چیز رضائے خداوندی سے زیادہ قابل ترجیح نہیں رہی۔ اے اللہ! میں یہ بات اپنے تزکیہ کے لیے نہیں کہہ رہا ہوں اے اللہ! تجھے میری اور میرے علاوہ کی ہر حالت کا علم ہے میں نے یہ تفصیل صرف اپنی والدہ کی تعزیت اور ان کی تسلی کے لیے بیان کی ہے پھر آپ کی والدۂ ماجدہ نے کمال صبر کا ثبوت دیتے ہوئے آپ کو دعائیں دیں اور جب چلتے ہوئے سینے سے چپٹا کر الوداع کہنے لگیں تو انہیں محسوس ہوا کہ عبداللہ بن زبیر لوہے کی زرہ پہنے ہوئے ہیں تو فرمایا بیٹے شہادت کے طلبگاروں کا یہ لباس نہیں ہوا کرتا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ امّاں جان! یہ میں نے صرف آپ کی خاطر داری اور تسکین قلب کے لیے پہنی تھی۔ والدہ نے فرمایا کہ اچھا اب اتار دو۔ چنانچہ آپ نے زرہ اتار دی اور والدہ سے آخری سلام لے کر مسجد حرام میں تشریف لائے پوری شجاعت اور بہادری کے ساتھ مسجد حرام کے دروازوں پر بھیڑ لگائے ہوئے دشمن کے فوجیوں کو بار بار تتر بتر کرتے رہے۔ حجاج کی طرف سے لگائی گئی توپوں کے گولے برابر آپ کے ارد گرد گرتے رہے لیکن آپ اپنے بچے کھچے ساتھیوں کو لے کر پوری استقامت کے ساتھ محاذ پر ڈٹے رہے۔ جمادی الاولیٰ ۷۳ھ کی سترہ تاریخ کی پوری رات آپ نے نماز میں گذار دی پھر کچھ دیر آرام کر کے فجر کے لیے بیدار ہوئے اور فجر میں مکمل ترتیل کے ساتھ سورۂ نٓ کی تلاوت فرمائی پھر آپ نے مختصر ترغیبی خطبہ دیا اور آخری مقابلے کے لیے نکل پڑے اور اس زور سے محاصرین پر حملہ کیا کہ وہ مقام حجون تک واپس لوٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اس دوران ایک اینٹ آپ کے چہرے پر لگی جس سے پورا چہرہ خون میں تر بہ تر ہو گیا اور آپ زخم کی تاب نہ لا کر زمین پر گر پڑے یہ دیکھ کر محاصرہ فوجی جلدی سے آپ کی طرف لپکے اور آپ کو شہید کر ڈالا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ۔ (البدایہ والنہایہ ۸/۷۳۴-۷۳۶)

شہادت کے بعد حجاج بن یوسف نے آپ کا سر مبارک کاٹ کر عبدالملک بن مروان کے پاس دارالخلافہ دمشق روانہ کر دیا اور بقیہ حصہ بدن سولی کے طور پر مقام حجون میں لٹکا دیا' والدہ ماجدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نڈھال قدموں سے اپنے شہید بیٹے کی لاش دیکھنے آئیں' مگر اس حال میں بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا کافی دیر تک بیٹے کے لیے دعائیں کرتی رہیں اور آنکھوں سے ایک قطرہ بھی آنسو کا نہ نکلا' مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حجاج بن یوسف نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو اپنے دربار میں بلانے کی بہت کوشش کی مگر آپ نے صاف منع کر دیا' پھر مجبور ہو کر حجاج خود ہی آپ کے پاس آیا' اور کہنے لگا' دیکھا میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پوری حاضر دماغی سے جواب دیا کہ میرا خیال ہے کہ تو نے اگرچہ میرے بیٹے کی دنیا خراب کر دی مگر اس نے تو تیری آخرت تباہ و برباد کر دی ہے۔ پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بنو ثقیف میں دو شخص پیدا ہوں گے انہی میں سے ایک بڑا جھوٹا ہو گا اور دوسرا سخت خونریزی کرنے والا ہو گا تو جھوٹے (مختار بن عبید) کو ہم نے دیکھ لیا اور خونریزی کرنے والا میرے خیال میں تو ہی ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی یہ گفتگو سن کر حجاج سے کچھ جواب نہ پڑا اور واپس لوٹ آیا۔ (ملخص' مسلم شریف ۲/۳۱۲' البدایہ والنہایہ ۸/۴۴۵)

سیّدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا وفات کے وقت حال

سیّدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وفات کے وقت رونے لگے' پوچھا گیا کہ رونے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: قسم بخدا میں موت کے ڈر یا دنیا کی رغبت کی وجہ سے نہیں رو رہا' بلکہ بات یہ ہے کہ ہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عہد لیا تھا کہ "دنیا سے تمہارا تعلق بس اتنا ہونا چاہیے جو ایک مسافر کو توشہ سے ہوتا ہے" (اب یہ ڈر ہے کہ کہیں اس عہد کی پاسداری میں کوئی کوتاہی نہ ہو گئی ہو) مگر جب آپ کا ترکہ دیکھا گیا تو کل ۳۰ درہم نکلے جبکہ آپ رضی اللہ عنہ اس وقت شہر مدائن کے گورنر تھے۔ (کتاب العاقبۃ/۶۴)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا آخری دم تک حدیثِ نبوی میں اشتغال

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کے قریب بیٹھا ہوا ایک شاگرد

رونے لگا۔ آپ نے رونے سے منع فرمایا اور کہا کہ: ”میں اللہ کے فیصلے پر دل و جان سے راضی ہوں“ پھر فرمایا کہ: ”جتنی حدیثیں مجھے معلوم تھیں سب بیان کر دیں بس ایک رہ گئی ہے“ چنانچہ وہ حدیث بھی بیان فرمادی (جس کا مضمون یہ ہے کہ ہر کلمہ گو جنت میں جائے گا) اس کے بعد روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (مشاہیر کے آخری کلمات ۶۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ پر حالت رجا کا غلبہ

صحابی جلیل، خادم رسول سیّدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت حاضرین سے ارشاد فرمایا:

”کل میدانِ محشر میں لوگ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کے ایسے نظارے دیکھیں گے جو کسی انسان کے خواب و خیال میں بھی نہ آئے ہوں گے“۔

یعنی آپ دنیا سے جاتے وقت اللہ کی رحمت سے ایسے پرامید تھے گویا آپ اپنی آنکھوں سے رحمت کا مشاہدہ فرما رہے تھا۔ (کتاب العاقبۃ ۶۶)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو وفات کے وقت بشارت

مفسر قرآن سیّدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو وفات کے جب دفن کیا جانے لگا تو ایک نہایت حسین و جمیل اور بے مثال سفید پرندہ نما کوئی شئی آ کر آپ کے کفن کے اندر چلی گئی اور پھر واپس نہ نکلی، عفان کہتے ہیں کہ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ پرندہ آپ کے علم و عمل (کی صورتِ مثالیہ) تھی، اور جب آپ کو قبر میں رکھا گیا تو کسی انجان شخص نے بلند آواز سے یہ آیت پڑھی، اور ایک روایت میں ہے کہ قبر سے یہ آواز آئی: یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ (الفجر: ۲۷ تا ۳۰)

(اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار کے جوارِ رحمت کی طرف چل، اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش، پھر ادھر چل کر تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا، اور میری جنت میں داخل ہو جا)۔ (البدایہ والنہایہ ۷/ ۲۰۸)

خلیفہ راشد سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بارگاہِ ذوالجلال میں

خلیفہ راشد سیّدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو آپ ہی کے ایک آزاد کردہ غلام نے ایک ہزار دینار کی لالچ میں آکر زہر دیدیا۔ آپ کو جب احساس ہوا! تو اس غلام کو بلایا اور اس سے وہ دینار لے کر بیت المال میں داخل فرمادیئے اور پھر کہا کہ بس اب تو جہاں چاہے بھاگ جا' اس لیے کہ اگر پکڑا گیا تو لوگ تجھے نہ چھوڑیں گے۔ پھر آپ سے کہا گیا کہ اپنی اولاد (جن کی تعداد بارہ تھی) کے لیے کچھ وصیت فرمادیجئے (کہ ان کی زندگی وسعت و عافیت میں گذرے) تو آپ نے فرمایا کہ: "میرا نگراں وہ خدا ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہی نیک لوگوں کا نگہبان ہے" اور میں ان بچوں کو کسی دوسرے کا حق ہرگز نہیں دوں گا' کیونکہ وہ دو حال سے خالی نہیں۔ ایک نیک صالح ہیں تو اللہ ان کا کارساز ہے اور اگر برے ہیں تو میں انہیں مال دیکر اللہ کی معصیت میں خود شریک نہیں ہونا چاہتا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی سب اولاد کو بلا کر ان سے بھی براہ راست یہی بات کہی اور ان سے تسلی کے کلمات فرمائے۔ مرض الموت میں بعض حضرات نے آپ کو رائے دی کہ آپ مدینہ منورہ تشریف لیجائیں تا کہ وفات کے بعد آپ کی تدفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس میں خالی جگہ میں ہو تو آپ نے صاف فرمادیا میں اپنے کو ہرگز اس جگہ کا اہل نہیں سمجھتا۔

پھر جب وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ مجھے بٹھادو' لوگوں نے بٹھادیا تو آپ نے تین مرتبہ یہ دعا فرمائی: "اے اللہ! میں ہی وہ ہوں جس کو تو نے حکم دیا اور میں نے حکم تعمیل میں کوتاہی کی' اور تو نے اپنے مجھے (بہت سی باتوں سے) منع فرمایا مگر میں ان کا مرتکب ہوگیا' لیکن لا الٰہ الا اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں"۔

پھر سر اٹھا کر ایک طرف تیز نظروں سے گھور کر دیکھا' لوگوں کے پوچھنے پر بتایا کہ میں ایسے لوگوں کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں جو نہ تو جنات ہیں اور نہ انسان ہیں' پھر کچھ ہی دیر میں آپ کی وفات ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (البدایہ والنہایہ ملخصاً ۹/۲۴۶)

امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سجدہ کی حالت میں وفات

خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے امام اعظم' عارف باللہ' حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کوفہ سے بغداد بلایا اور قاضی بننے کی پیش کش کی۔ آپ کے انکار کرنے پر اس نے قید خانہ میں ڈلوا دیا' اور ہر دن آپ کو باہر نکال کر نہایت بے دردی سے کوڑے لگائے جاتے جس سے آپ لہولہان ہو جاتے۔ دس دن تک برابر یہی عمل ہوتا رہا' پھر آپ کو زبردستی زہر پینے پر مجبور کیا گیا' چنانچہ ابھی قید خانہ میں رہتے ہوئے کل پندرہ دن ہی ہوئے تھے کہ آپ سختیوں کی تاب نہ لا کر اور زہر کے اثر سے سخت متاثر ہو کر ۷۰ سال کی عمر میں مظلومانہ حالت میں بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو گئے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون' ابو حسان زیادی کہتے ہیں کہ جب حضرت الامام نے اپنا آخری وقت محسوس فرمایا تو سجدہ میں چلے گئے اور اسی حالت میں آپ کی روح پرواز کر گئی' رحمہ اللہ تعالیٰ ورحمۃ واسعۃ۔

جنازہ قید خانہ سے باہر لایا گیا' بغداد کے قاضی حسن بن عمارہ نے غسل دیا' ابو رجاء جو غسل دینے میں شریک تھا کہتے ہیں کہ غسل کے وقت میں نے آپ کا بدن دیکھا جو انتہائی نحیف تھا' عبادت نے اسے پگھلا کر رکھ دیا تھا' ابھی لوگ غسل سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ہزاروں ہزار لوگ آپ کی زیارت کے لیے جمع ہو گئے' اندازاً پچاس ہزار افراد نے نمازِ جنازہ پڑھی' مجمع کی کثرت کی وجہ سے چھ مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور عصر سے قبل آپ کی تدفین ممکن نہ ہو سکی۔

(عقود الجمان: ۳۶۰_۳۶۱)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات

امام دار الہجرۃ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ جو مدینہ منورہ میں وفات کے اس قدر مشتاق تھے کہ عمر کے آخری حصہ میں مدینہ کے باہر اسفار کو قطعاً ترک فرما دیا تھا' کہ کہیں اور وفات نہ ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آرزو پوری فرمائی اور مدینہ میں وصال ہوا اور جنۃ البقیع میں دفن کی سعادت ملی' انتقال سے قبل شہادت کا کلمہ پڑھا' پھر یہ آیت پڑھتے رہے: للہ الامر من قبل ومن بعد۔ (حکم اللہ ہی کا ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی) پھر اسی رات وفات پا گئے' اس وقت

آپ کی عمر ۸۵ سال تھی۔ (البدایہ والنہایہ ۹/۶۰۳)

وفات کے وقت حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا حال

امام مزنی کہتے ہیں کہ مرض الموت میں حضرت امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوا' اور پوچھا کہ آپ نے صبح کیسے کی؟ تو حضرت نے فرمایا کہ میری صبح اس حال میں ہوئی کہ ''دنیا سے رحلت کو تیار ہوں' دوستوں اور احباب سے فرقت کا وقت ہے' اپنے برے اعمال سے ملاقات ہونے والی ہے' موت کا پیالہ پینے کے قریب ہوں اور اپنے پروردگار کی خدمت میں حاضر ہونے والا ہوں' اب مجھے معلوم نہیں کہ میری روح جنت کی طرف جائے گی کہ میں اسے مبارکباد دوں یا جہنم کی طرف جائے گی کہ میں اس کی تعزیت کروں''۔ (کتاب العاقبۃ: ۹۰)

پھر آپ نے چند اشعار پڑھے ایک شعر یہ تھا:

تعَاظَمنی ذَنبی فلمّا قرَنته ☆ بِعَوْكَ رَبی كَانَ عفُوك اَعْظَما

میں اپنے گناہ کو بہت عظیم سمجھتا ہوں' مگر جب اے پروردگار! اس کا مقابلہ تیری معافی سے کرتا ہوں تو تیری معافی یقیناً میرے گناہوں سے کہیں زیادہ عظیم ہے۔

(مشاہیر کے آخری کلمات ۶۲)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی سرخ روئی

''فتنۂ خلق قرآن'' کے موقع پر ایمانی جرأت اور اسلامی حمیت کی تابناک مثال قائم کرنے والی اسلامی تاریخ کی عظیم شخصیت حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے وفات سے قبل ایک وصیت لکھی جس میں اپنے وارثین کو گرانقدر نصیحتیں فرمائیں' پھر بچوں کو بلا کر پیار کیا اس کے بعد برابر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول رہے' مرض کی شدت کے دوران ایک مرتبہ آپ کی زبان سے یہ کلمات نکلے لا بعد' لا بعد (ابھی نہیں' ابھی نہیں) تو صاحبزادے نے پوچھا کہ حضرت یہ آپ کس سے فرما رہے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ گھر کے ایک کونے میں ابلیس انگلیاں دانتوں میں دبائے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے: فتنی یا أحمد یعنی اے! تم میرے ہاتھ سے نکل گئے' تو میں اس کو جواب دے رہا تھا کہ ابھی نہیں نکلا جب تک کہ اسلام پر وفات نہ ہو جائے۔

وفات سے کچھ پہلے آپ نے گھر والوں سے کہا کہ وضو کرائیں، چنانچہ آپ کو وضو کرایا گیا، آپ ذکر و دعا میں مشغول رہے اور وضو کی ہر ہر سنت کا خیال فرماتے رہے حتیٰ کہ انگلیوں میں خلال بھی کروائی پھر جیسے ہی وضو پورا ہوا آپ کی روح پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، جمعہ کے دن صبح کے وقت آپ کے وصال ہوا، آپ کی وفات خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، لوگ غم سے نڈھال ہو کر سڑکوں پر نکل آئے، جب جنازہ باہر آیا تو بغداد کے گلی کوچوں میں تاحد نظر آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے، لاکھوں افراد نے نمازِ جنازہ پڑھی، اور زبردست مجمع کی وجہ سے عصر کے بعد آپ کی تدفین عمل میں آسکی۔ (البدایہ والنہایہ ۱۰/۷۹۲)

تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اور اہل بدعت (قائلین خلق قرآن) کے درمیان فیصلہ ہمارے جنازے دیکھ کر ہوگا، چنانچہ یہ فیصلہ اس طرح ہوا کہ آپ کے مخالفین کے جنازوں میں تو بس گنتی کے لوگ شریک ہوئے کسی نے ان کا کوئی غم نہ منایا، جبکہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ کی نماز پڑھی گئی تھی تو اندازہ لگایا گیا کہ ۲۵ لاکھ افراد نے آپ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی، عبدالوہاب وراق کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت یا تاریخ اسلام میں اس سے بڑے کسی جنازہ کا ثبوت نہیں ملتا، اس دن اس عظیم مجمع کو دیکھ کر ۲۰ ہزار کے قریب غیر مسلم دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔ (البدایۃ والنہایۃ ۱۰/۷۹۲)

اللہ اکبر! یہ ہے اللہ والوں کا حال کہ وہ جب دنیا سے اٹھتے ہیں تو نہ جانے کتنے دلوں کی آہوں اور سسکیوں کے ساتھ ان کو دِل کی گہرائیوں سے خراجِ عقیدت پیش کیا جاتا ہے، جبکہ اکثر دُنیادار جب دنیا سے جاتے ہیں تو محدود افراد ہی پر ان کی جدائی شاق ہوتی ہے اور بس!

بعض صالحین کے حالاتِ وفات

① عظیم محدث اور استاد التعبیر امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ پر وفات کے وقت گریہ طاری تھا، اور فرما رہے تھے کہ: مجھے گذشتہ زندگی کی کوتاہیوں اور جنت میں جانے والے اعمال میں کمی اور جہنم سے بچانے والے اعمال کی قلت پر رونا آرہا ہے"۔ (کتاب العاقبۃ: ۶۹)

② مشہور فقیہ اور محدث ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ وفات کے وقت روتے ہوئے فرما رہے تھے "میں

اپنے ربّ کے قاصد کا منتظر ہوں' پتہ نہیں وہ مجھے جنت کی خوشخبری سنائے گا یا جہنم کی؟''

(کتاب العاقبۃ:۷۰)

③ حضرت ابو عطیہ المذبوح موت کے وقت گھبرانے لگے' لوگوں نے کہا کہ کیا موت سے گھبراتے ہیں؟ فرمایا: میں کیوں نہ گھبراؤں' یہ تو ایسا وقت ہے کہ مجھے پتہ نہیں کہ مجھے کہاں لے جایا جائے (جنت میں یا جہنم میں)۔ (کتاب العاقبۃ:۷۰)

④ حضرت فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ پر وفات کے قریب غشی طاری ہوئی' پھر جب افاقہ ہوا تو فرمایا: ''ہائے افسوس! سفر دور کا ہے اور توشہ بہت کم ہے''۔ (کتاب العاقبۃ:۷۰)

⑤ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال سے کچھ پہلے ہی قرآن پاک تلاوت کر کے ختم فرمایا۔ حاضرین نے کہا کہ ایسی شدت کے وقت بھی آپ نے تلاوت موقوف نہیں کی؟ تو آپ نے فرمایا: ''اس وقت سے زیادہ میرے لیے پڑھنے کا کونسا وقت ہوگا' اس وقت میرے اعمال نامے لپیٹے جا رہے ہیں پھر آپ نے تکبیر پڑھی اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

نیز آپ کو وفات سے پہلے جب کلمہ طیبہ کی تلقین کی گئی تو فرمایا کہ: ''یہ کلمہ میں بھولا ہی کب ہوں جو مجھے یاد دلایا جائے''۔ یعنی آپ کو ذکر خداوندی کا ملکہ یادداشت حاصل تھا جو تصوف و سلوک کا منتہائے مقصود ہے۔ (کتاب العاقبۃ:۷۰)

⑥ حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے وفات کے وقت آسمان کی طرف نظر آٹھائی پھر مسکرائے اور فرمایا: لمثل هذا فليعمل العملون' (ایسے ہی وقت کے لیے عاملین عمل کرتے ہیں)۔ (کتاب العاقبۃ:۷۰)

پانچویں فصل:

نزع کے عالم میں تیماردار کیا پڑھیں؟

جب آدمی پر نزع کا عالم طاری ہو' اور موت کی شدت شروع ہو جائے' تو اس وقت حاضرین کو سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت کرنی چاہیے۔ اس سے روح نکلنے میں سہولت ہوتی ہے۔

بعض ضعیف روایتوں میں بھی یہ مضمون وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ مَيِّتٍ يُقْرَأُ عِنْدَ رَاسِهٖ يٰسٓ إِلَّا هَوَّنَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ (كتاب العاقبة: ٧٠)

"جس مرنے والے کے سر کے قریب سورۂ یٰسین شریف پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر معاملہ آسان فرمادیتا ہے"۔

اور حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۂ رعد پڑھنے سے بھی مرنے والے کو سہولت اور آسانی نصیب ہوتی ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۳/۴۴۵)

اور مستحب ہے کہ نزع کے وقت میت کا رخ قبلہ کی جانب کر دیا جائے اور اس کے سامنے کلمہ طیبہ: لا الٰہ الا اللہ بلند آواز سے پڑھا جائے۔ مگر اسے باقاعدہ پڑھنے کا حکم نہ دیا جائے کہ کہیں وہ جھنجھلا کر انکار نہ کردے اور جب وہ ایک مرتبہ پڑھ دے تو بار بار پڑھنے پر بھی زور نہ ڈالیں۔ (درمختار ۲/ ۷۸۔۸۰) اور جب روح پرواز کر جائے تو اس کے جباڑوں کو کسی پٹی وغیرہ سے باندھ دیں اور اس کی آنکھیں بند کردیں اور آنکھ بند کرنے والا یہ دعا پڑھے۔ بسم اللہ وعلی ملة رسول الله۔ (شرح الصدور: ۴۷) پھر میت کے پاس خوشبو کا نظم کر دیا جائے اور ناپاک لوگ جنبی اور حائضہ عورتیں وغیرہ اس کے پاس سے ہٹ جائیں اور اعزاء واقرباء کو اس کی موت کی اطلاع دیدی جائے اور تجہیز و تکفین میں حتی الامکان جلدی کی جائے۔ (درمختار ۲/ ۳۸) اور میت کو جب تک غسل نہ دیدیا جائے اس وقت تک اس کے قریب بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت نہ کریں۔ غسل کے بعد کر سکتے ہیں اسی طرح گھر کے دوسرے کمرے میں بھی کر سکتے ہیں۔

(شامی ۳/ ۸۵)

تدفین میں جلدی کریں

جہاں تک ممکن ہو میت کی تدفین میں جلدی کرنی چاہیے۔ خواہ مخواہ انتظار میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

قَالَ اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ لَعَلَّهٗ قَالَ تُقَدِّمُوْنَهَآ عَلَيْهِ وَاِنْ تَكُ غَيْرُ ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِقَابِكُمْ۔

[بخاری: ١٣١٥، ابوداود: ٣١٨١، ترمذی: ١٠١٥، نسائی: ١٩٠٩، ابن ماجه: ١٤٧٧]

''جنازہ کو لے جانے میں جلدی کرو۔ اس لیے کہ اگر وہ اچھا آدمی ہے تو تم اس کو بہتر ٹھکانے تک جلدی پہنچاؤ گے اور اگر اچھا نہیں ہے تو تم اپنے کاندھوں سے برائی کا بوجھ دور کرو گے۔ (یعنی بہر صورت تعجیل بہتر ہے)

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے میت کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

وَعَجِلُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ اَهْلِهٖ۔

(ابو داؤد شریف ۲/۴۵۰، شامی ۳/۸۳)

''اور اس کی تیاری میں جلدی کرو کیونکہ کسی مسلمان کی لاش کا اس کے گھر والوں کے درمیان پڑے رہنا مناسب نہیں ہے''۔

اس تعجیل کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا جمعہ کی صبح کو انتقال ہو جائے تو محض اس وجہ سے جمعہ کی نماز تک جنازہ میں تاخیر کرنا مکروہ ہے کہ اس کی نمازِ جنازہ میں بڑا مجمع شریک ہو جائے گا، بلکہ جیسے ہی تیاری مکمل ہو نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کر دینا چاہیے۔ (درمختار ۳/۱۳۶)

نمازِ جنازہ اور تدفین میں شرکت کا ثواب

مسلمان کی نمازِ جنازہ اور تدفین میں شرکت کا بڑا عظیم ثواب احادیث طیبہ میں وارد ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی نمازِ جنازہ میں شریک ہو پھر تدفین تک شامل رہے تو اس کو دو قیراط کے برابر ثواب ملتا ہے اور ہر قیراط کی مقدار احد پہاڑ کے برابر ہوتی ہے۔ یہ عظیم اجر و ثواب سن کر حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما کو یقین نہیں آیا اور انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کی تصدیق کرائی جو انہوں نے اس کی تصدیق فرما دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ ہم نے بہت سے قیراط ضائع کر دیئے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اکثر نمازِ جنازہ میں شرکت کر کے واپس آ جاتے تھے دفن میں شریک نہ ہوتے تھے۔ (مسلم شریف ۱/۳۰۷)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مؤمن کو سب سے پہلا بدلہ یہ دیا جاتا ہے کہ اس پر نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ (نوادر الاصول ۱/۳۸۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ کثرت کے ساتھ جنازہ کی نمازوں اور تدفین میں شرکت کر کے اپنے کو زیادہ سے زیادہ اجر وثواب کا مستحق بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ عمل، بالخصوص اپنی موت کو یاد دلانے کا بہترین اور مؤثر ذریعہ ہے۔ دوسرے کا جنازہ دیکھ کر اپنا جنازہ اور اپنی موت بے اختیار یاد آجاتی ہے اور دِل بے اختیار بول اُٹھتا ہے کہ آج اس کی باری ہے کل ہماری باری ہوگی۔

جنازہ قبرستان میں

جب جنازہ قبرستان پہنچے تو ساتھ چلنے والوں میں سے کوئی شخص اس وقت تک بیٹھنے کی کوشش نہ کرے جب تک کہ جنازہ کی چارپائی کندھوں سے اتار کر نیچے زمین پر نہ رکھ دی جائے۔ (مسلم شریف ۱/۳۱۰) اس کے بعد میت کو قبر میں اتارنے کی تیاری کی جائے اور قبر میں اُتارنے والے حضرات میت کو رکھتے وقت: بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ (اللہ کے نام سے تجھے رکھتے ہیں اور اللہ کے رسول کے دین پر تجھے اللہ کے حوالہ کرتے ہیں) کا ورد کریں اور پھر میت کو کروٹ سے دائیں طرح قبلہ رو کر کے لٹادیں۔ (درمختار ۳/۱۴۱)

اس کے بعد قبر برابر کر کے اس پر مٹی ڈالی جائے۔ ہر شخص کا تین مٹھی مٹی ڈالنا مسنون ہے اور بہتر ہے کہ پہلی مٹھی ڈالتے وقت مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ؟ (اس مٹی سے ہم نے تم کو پیدا کیا) دوسری مٹھی ڈالتے وقت: وَفِيْهَا نُعِيْدُكُم۔ (اور اسی میں ہم تمہیں دوبارہ لوٹا رہے ہیں) اور تیسری مٹھی ڈالتے وقت: منها نُخرجكُم تَارَةً أُخرىٰ (اور اسی میں سے ہم (قیامت میں) تمہیں دوبارہ نکالیں گے) پڑھیں۔ (شامی ۳/۱۴۳)

اور دفن کے فوراً بعد حاضری کو لوٹنا نہیں چاہیے بلکہ کچھ دیر قبرستان میں رہ کر دعا اور ایصال ثواب میں مشغول رہنا مسنون ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کے قبرستان میں موجود رہنے سے مرنے والے کو انسیت اور ڈھارس نصیت ہوتی ہے ایک روایت میں ہے:

كَانَ النَّبِي ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلٰى قَبْرِهٖ وَقَالَ: اسْتَغْفِرُوْا

لِاَخِیْکُمْ وَاسْئَلُوا اللّٰهِ لَهُ التَّثْبِیْتَ فَاِنَّهُ الْاٰنِ یُسْأَلُ۔

(ابوداؤد شریف ۲/۴۵۹، شامی ۲/۱۴۳)

''آنحضرت ﷺ جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر وقوف فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو، اور اس کے لیے ثابت قدمی کی درخواست کروں کیونکہ ابھی اس سے سوال کیا جانے والا ہے''۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ دفن کے بعد قبر پر سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھنا مستحب ہے۔ (شامی ۲/۱۴۳) اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے انتقال کے وقت گھر والوں کو وصیت فرماتے ہوئے کہا کہ: جب میرا انتقال ہو جائے تو میرے جنازہ کے ساتھ نہ تو کوئی رونے والی عورت جائے اور نہ آگ ساتھ لی جائے۔ (کیونکہ یہ زمانۂ جاہلیت کی علامات تھیں) پھر جب تم مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر کچھ پانی کا چھڑکاؤ کر دینا، پھر جتنے وقت میں ایک اونٹ کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو تقسیم کیا جاتا ہے اتنے وقت تک تم لوگ میری قبر کے پاس ہی رہنا تاکہ میں تم سے انسیت حاصل کر سکوں اور یہ دیکھوں کہ میں اپنے ربّ کے قاصدوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔ (مسلم شریف ۱/۷۶)

قبروں کو پختہ بنانا یا ان کی بے حرمتی کرنا ممنوع ہے

قبروں کے متعلق شریعت اسلامیہ نے انتہائی اعتدال کا راستہ اپنایا ہے۔ شریعت نہ تو اس کی اجازت دیتی ہے کہ قبروں کو پختہ بنا کر ان کی حد سے زیادہ تعظیم کی جائے اور نہ ہی اس کی اجازت دیتی ہے کہ قبروں کی کسی طرح بے حرمتی کی جائے یا اس پر پیر رکھا جائے اور اس کو بیٹھنے کی جگہ قرار دیا جائے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنْ یُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ یُّقْعَدَ عَلَیْهِ وَاَنْ یُّبْنٰی عَلَیْهِ۔

[مسلم: ۲۲۴۵ ابوداود: ۳۲۲۶، ۳۲۲۵ ترمذی: ۱۰۵۲، نسائی ۲۰۲۶، ۲۰۶۷ ابن ماجہ: ۱۵۶۳]

''آنحضرتؐ نے قبروں کو پختہ بنانے اور اس پر بیٹھنے اور اس پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔''

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی نقل فرماتے ہیں:

لَاَنْ یَّجْلِسَ اَحَدُکُمْ عَلٰی جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِیَابَهٗ فَتَخْلُصَ اِلٰی جِلْدِهٖ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ

اَنْ یَّجْلِسَ عَلٰی قَبْرٍ۔ [مسلم شریف : ۱/۳۱۲]

''تم میں سے کوئی شخص انگارے پر بیٹھے جو اس کے کپڑے جلا کر کھال تک پہنچ جائے یہ اس بات سے بدرجہا بہتر ہے کہ وہ قبر کے اوپر بیٹھے (یعنی قبر پر بیٹھنے کے مقابلہ میں جل جانا بہتر ہے)۔''

اسلئے مسلمانوں کو ان دونوں باتوں کا خیال رکھنا لازم ہے۔ نہ تو قبروں کو پختہ بنا کر شرک و بدعت کی آماجگاہ بنائیں جیسا کہ آج کل بزرگانِ دین کے مزارات کے ساتھ کیا جا رہا ہے اور نہ ہی قبروں کی بے حرمتی کی جائے جیسا کہ اکثر شہری قبرستانوں میں یہ بے احتیاطی عام ہے۔

عورتوں کا قبروں پر جانا

قبرستان میں حاضری کا مقصد دراصل موت کی یاد ہے، لیکن اب جہالت اور بدعت نے قبرستان کو اچھی خاصی تفریح گاہوں میں تبدیل کر دیا ہے وہاں جا کر موت کو آج کوئی یاد نہیں کرتا بلکہ یا تو سیر و تفریح کے لیے وہاں جاتے ہیں یا پھر اپنی دنیوی اغراض لے کر جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ''پیر صاحب'' سے جو مانگ لیا وہ تو بس ملنا ہی ملنا ہے خاص کر خواتین کا بدعقیدگی کے ساتھ قبرستان اور بزرگوں کے مزارات پر جانا کسی طرح بھی درست نہیں۔

ذرا غور فرمایئے! جن عورتوں کو فتنہ کی وجہ سے مسجد میں باجماعت نماز تک سے رخصت دیدی گئی ہے انہیں مزارات پر جا کر منتیں ماننے کی کیسے اجازت دی جا سکتی ہے؟ یہ جگہیں فتنہ ہی نہیں بلکہ فتنہ کی آماجگاہ بنی ہوئی ہیں۔ (مستفاد شامی ۳/۱۴۱)

بہر حال ہمیں اعتدال کی راہ اپنانے کی ضرورت ہے اولیاء اللہ سے محبت اور ان کا احترام بھی ضروری ہے اور ساتھ میں شریعت کی حدود کی رعایت بھی لازم ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اہم اکابر امت کی محبت میں شریعت کو چھوڑ بیٹھیں اور آخرت میں وبال اور عذاب کے مستحق ہو جائیں۔ ہمیں اللہ سے شرم کرتے ہوئے ہر معاملہ میں اطاعت اور فرمانبرداری کا طریقہ اپنانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ پوری امت کو رائج خرافات سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

باب پنجم:

قبر کے حالات

- قبر میں سوال و جواب
- یہ بدن گل سڑ جائے گا
- قبر میں راحت وعذاب

پہلی فصل:

قبر میں سوال و جواب

حضرت برا ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری شخص کے جنازہ میں قبرستان میں حاضر تھے۔ ابھی قبر کی تیاری میں دیر تھی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما ہو گئے۔ ہم لوگ بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے' آپ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے (جیسا کہ کوئی غمزدہ شخص کرتا ہے) پھر آپ نے سر مبارک اٹھایا اور ہم سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے عذابِ قبر سے پناہ چاہو۔ دو تین مرتبہ یہی جملہ ارشاد فرمایا۔ پھر فرمایا کہ جب مؤمن بندہ کا دنیا سے رحلت اور آخرت میں حاضری کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے ایسے فرشتے اترتے ہیں جن کے چہرے سورج کی طرح چمکدار ہوتے ہیں' ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے' یہ فرشتے اس کے سامنے تاحد نظر بیٹھ جاتے ہیں' پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر فرماتے ہیں۔ اے مطمئن روح! چل اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف۔ پھر اس کی روح اس طرح سہولت سے نکل جاتی ہے جیسے مشکیزہ کا بند کھولنے سے اس کا پانی بآسانی نکل آتا ہے۔ چنانچہ ملک الموت اس روح کو اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں اور فوراً ہی ساتھ میں آئے ہوئے فرشتے اسے لے کر جنت کے کفن اور حنوط (خوشبو) میں لپیٹ دیتے ہیں تو اس سے اعلیٰ ترین مشک کی طرح خوشبو پھیل اٹھتی ہے' پھر وہ فرشتے اس روح کو لے کر چلتے ہیں تو جب بھی فرشتوں کی کسی جماعت پر ان کا گذر ہوتا ہے تو وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کس کی پاکیزہ روح ہے؟ تو وہ فرشتے نام بنام اس کا بہترین انداز میں تعارف کراتے ہیں' یہاں تک کے آسمان کے مقرر فرشتے اوپر والے آسمان تک اس روح کی مشایعت کرتے ہیں تاآنکہ اسے ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کا نام ''علیین'' میں لکھ دو اور اسے دوبارہ زمین کی طرف لے جاؤ' کیونکہ میں نے اسے زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور اسی میں اسے لوٹا رہا ہوں اور اسی قیامت کے

روز دوبارہ اسے اٹھاؤں گا۔ پھر اس کی روح اس کے بدن کی طرف لوٹا دی جاتی ہے اور دو فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے سوال کرتے ہیں: من ربك؟ (تیرا رب کون ہے؟) وہ جواب دیتا ہے: ربی اللّٰہ! (میرا رب اللہ ہے) پھر پوچھتے ہیں کہ: مادینك؟ (تیرا دین کیا ہے؟) وہ جواب دیتا ہے کہ: دینی الاسلام (میرا دین اسلام ہے) پھر آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کر کے (اس کی اصل صورت و کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے) پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہیں؟ تو وہ مؤمن جواب دیتا ہے کہ: هو رسول الله ﷺ (یہ اللہ کے سچے رسول ہیں) پھر فرشتے پوچھتے ہیں کہ تمہارا علم کیا ہے؟ تو مؤمن جواب دیتا ہے میں نے قرآن کریم پڑھا ہے اور اس پر ایمان لایا ہوں اور اس کی تصدیق کی ہے۔ اس سوال و جواب پر آسمان سے ندا آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا' لہٰذا اس کے لیے جنت کا فرش بچھا دو اور اسے جنتی لباس پہنا دو اور اس کی قبر میں جنت کا دروازہ کھول دو تا کہ جنت کی ہوا اور خوشبو اسے حاصل ہو سکے اور اس کے لیے اس کی قبر تا حد نظر وسیع کر دو' پھر اس مؤمن کے پاس ایک خوبصورت شخص اچھے لباس اور عمدہ خوشبو کے ساتھ حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ بشاشت انگیز خوشخبری قبول کرو یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا' وہ مؤمن اسے دیکھ کر پوچھتا ہے کہ تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو خیر لانے والے چہرہ کی طرح ہے تو وہ شخص جواب دیتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں (قبر کا یہ آرام دیکھ کر) مؤمن کہتا ہے کہ اے ربّ قیامت قائم فرما' قیامت قائم فرما' تا کہ میں جلدی اپنے مال و دولت اور گھر والوں سے ملاقات کر سکوں......۔

(مسند احمد ۲۸۷/٤ رقم: ۱۸٤٤۳' مصنف ابن ابی شیبہ ۵۷/۳' شرح الصدور ۹۲)

اور ترمذی شریف وغیرہ کی روایت میں ہے کہ جب مؤمن بندہ منکر نکیر کے سوالات کا صحیح جواب دے دیتا ہے تو اسکے لیے اسکی قبر ستر ہاتھ لمبی چوڑی کر دی جاتی ہے اور اسے روشن کر کے اس سے کہا جاتا ہے کہ سو جا! وہ شخص مارے خوشی کے جواب دیتا ہے کہ مجھے میرے گھر والوں کے پاس جانے دو کہ میں انہیں بتا آؤں (کہ میں کتنے مزے میں ہوں) تو فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ:

نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ لَا يُوْقِظُهٗ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهٖ حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مَضْجَعَهٗ ذٰلِكَ۔

(ترمذی شریف ۲۰۵/۲' بیهقی فی شعب الایمان' شرح الصدور ۱۸۷)

''تو اس دلہن کی طرح سو جا۔ جس کو صرف وہی شخص بیدار کرتا ہے جو اس کے نزدیک اس کے گھر والوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے (یعنی شوہر) اور (اس وقت تک سوتا رہے گا) جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی قیام گاہ سے دوبارہ نہ اُٹھائے''۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:
قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میت کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو واپس ہوتے ہوئے لوگوں کے جوتوں کی آواز وہ خود سنتا ہے پس اگر وہ مؤمن ہوتا ہے تو نماز اس کے سر کے پاس کھڑی ہو جاتی ہے اور زکوٰۃ دائیں جانب اور روزہ بائیں جانب اور اچھے کام اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے تو اگر عذاب سر کی طرف آتا ہے تو نماز کہتی ہے کہ میری طرف سے جانے کا راستہ نہیں ہے۔ دائیں طرف سے آتا ہے تو زکوٰۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے راستہ بند ہے' پھر بائیں طرف سے آتا ہے کہ تو روزہ اسی طرح کا جواب دیتا ہے اس کے بعد سامنے سے آتا ہے تو لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اس کے آڑے آجاتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جاؤ چنانچہ وہ بیٹھ جاتا ہے اور اس کے سامنے سورج اس طرح پیش کیا جاتا ہے جیسے وہ غروب ہونے والا ہو تو فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ ہم جو سوال کرتے ہیں اس کا جواب دو۔ تو وہ کہتا ہے کہ مجھے چھوڑو مجھے نماز پڑھنے دو۔ فرشتے کہتے ہیں کہ یہ بھی ہو جائے گا پہلے ہماری بات کا جواب دو۔ تو وہ کہتا ہے کیا ہے؟ کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق؟ وہ مؤمن جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں جو ہمارے پاس ہمارے رب کی طرف سے واضح دلائل لے کر تشریف لائے پس ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کی پیروی کی۔ اس جواب پر فرشتے خوشخبری سناتے ہیں کہ تو نے سچ کہا تیری زندگی اسی عقیدے پر گذری اور اسی پر تیری موت آئی اور ان شاء اللہ تعالیٰ اسی پر قیامت کے دن تجھے اٹھایا جائے گا اس کے بعد اسکے لیے قبر کو تاحد نظر وسیع کر دیا جاتا ہے یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (ابراهیم: ۲۷)

''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قول ثابت پر ثبات قدمی عطا فرماتا ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں''۔

اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ اس کے سامنے جہنم کا دروازہ کھولو چنانچہ اس کے لیے جہنم کا دروازہ کھول کر اس سے بتایا جاتا ہے کہ دیکھ اگر تو نافرمان ہوتا تو تیرا ٹھکانہ یہ ہوتا جس کی بناء پر اس کی خوشی اور مسرت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ اس کے سامنے جنت کا دروازہ کھول دو۔ چنانچہ جنت کا دروازہ کھول کر اس کو بتایا جاتا ہے کہ یہ ہے تمہارا ٹھکانہ اور وہ نعمتیں جو اللہ نے تمہارے لیے پہلے سے تیار کر رکھی ہیں انہیں دیکھ کر بھی اس کا دل بشاشت اور مسرت سے معمور ہو جاتا ہے پھر اس کا بدن تو مٹی کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور اس کی روح کو پاکیزہ روحوں میں جن کا مقام جنت کے درختوں میں بسیرا کرنے والے ہرے پرندوں کے اندر ہے، شامل کر دیا جاتا ہے۔ الیٰ آخرہ (رواہ الحاکم و قال صحیح علی شرط مسلم و لم یخرجاہ و وافقہ الذہبی)۔ (حاشیہ شرح الصدور: ۱۸۹)

مبشر، بشیر

عام طور پر روایت میں قبر سوال کرنے والے فرشتوں کا نام منکر، نکیر آیا ہے۔ لیکن بعض شافعی علماء سے منقول ہے کہ کافر سے سوال کرنے والے فرشتوں کا نام منکر نکیر ہے، جبکہ ایمان والے سے سوال کرنے والے فرشتوں کا نام مبشر، بشیر ہے (یعنی خوشخبری سنانے والے) واللہ تعالیٰ اعلم۔ (شرح الصدور: ۲۰۰)

قبر میں کافر منافق کا بدترین حال

اس کے برخلاف جو کافر اور منافق شخص مرنے کے قریب ہوتا ہے کہ پاس آسمان سے سیاہ چہرے والے فرشتے نازل ہوتے ہیں جن کے ہاتھ میں (بدبودار) ٹاٹ کے ٹکڑے ہوتے ہیں، وہ اس کے سامنے تاحد نظر بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت تشریف لا کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں: اے خبیث جان! اللہ کے عذاب اور غصہ کی طرف چل، یہ سن کر اس کی روح بدن میں ادھر ادھر بھاگتی پھرتی ہے۔ لہٰذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح سختی سے نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اُون کباب بھُوننے والی سیخ پر لپیٹا ہوا ہو اور پھر وہ سیخ پر لپیٹا ہوا ہو اور پھر وہ سیخ زور سے کھینچ لی جائے پھر ملک الموت اس روح کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور فوراً ہی

ساتھ آئے ہوئے فرشتے اسے لے کر ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں اور ان ٹاٹوں میں ایسی بدبو ہوتی ہے جو روئے زمین پر پائی جانے والی متعفن مردار لاش سے پھوٹتی ہے پھر وہ فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چلتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت پر سے ان کا گذر ہوتا ہے وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کون خبیث جان ہے؟ تو ساتھ والے فرشتے برے سے برے القاب اور ناموں سے اس کا تعارف کراتے ہیں تا آنکہ یہ فرشتے اسے لے کر آسمان کے دروازے تک پہنچ جاتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر دروازہ ان کے لیے کھولا نہیں جاتا' جیسا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔

(الاعراف: ۴۰)

''نہ کھولے جائیں گے ان کے لیے دروازے آسمان کے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ نہ گھس جائے اونٹ سوئی کے ناکے میں''۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام ''کتاب سجین'' میں لکھ دیا جائے جو سب سے نچلی زمین میں ہے۔ چنانچہ اس کی روح وہیں سے پھینک دی جاتی ہے اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ۔ (الحج: ۳۱)

''اور جس نے شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے۔ پھر اُچکتے ہیں اس کو اُڑنے والے مردار خور یا جاڈالا اس کو ہوا نے کسی دُور مکان میں''

اس کے بعد اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی یہ اور دو فرشتے اس کے پاس آ کر اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں' تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے' ہائے مجھے پتہ نہیں۔ پھر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ پھر یہی کہتا ہے ہائے' ہائے مجھے خبر نہیں پھر فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے؟ جو تیرے پاس بھیجا گیا تھا (یعنی حضور اکرم ﷺ) تو وہ جواب دیتا ہے ہائے' ہائے' مجھے علم نہیں۔ اس پر آسمان سے آواز آتی ہے کہ یہ میرا بندہ جھوٹا ہے (اسے سب پتہ ہے مگر لاعلمی ظاہر کر رہا ہے) لہٰذا اس کے نیچے آگ کے انگارے بچھا دو اور اس کے لیے

دوزخ کا دروازہ کھول دو چنانچہ دوزخ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اس کی سخت تپش اور لو آنے لگتی ہے اور اس پر قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں تک بھینچ کر اِدھر اُدھر چلی جاتی ہیں اور پھر اس کے پاس ایک شخص آتا ہے جو انتہائی بدصورت' بدبودار اور گندے کپڑوں میں ہوتا ہے وہ شخص اس منافق سے کہتا ہے کہ بری خبر سن لے یہی وہ دن ہے جس سے تجھے ڈرایا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ تو کون ہے؟ تیری صورت واقعی بری خبر سنانے والے کے مانند ہے' وہ جواب دیتا ہے کہ تیرا برا عمل ہوں' یہ سن کر (اس ڈر سے کہ قیامت میں مزید عذاب ہوگا) وہ کافر یہ کہتا ہے اے ربّ! قیامت قائم نہ فرما۔

(مسند احمد ٤/٢٨٧' ابن ابی شیبه ٣/٥٨' شرح الصدور ٣٩)

اور ایک روایت میں ہے کہ کافر منافق کے اردگرد خطرناک زہریلے سانپ چھوڑ دیئے جاتے ہیں جو برابر اسے کاٹتے اور ڈستے رہتے ہیں اور جب وہ چیختا ہے تو لوہے یا آگ کے ہتھوڑے سے اس کی پٹائی جاتی ہے۔ اعاذبا الله منه (ابن ابی شیبه ٣/٥٦)

اور اس پر مسلط ہونے والے سانپ بچھو اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی روئے زمین پر ایک پھونک بھی مار دے تو قیامت تک زمین میں کوئی سبزہ پیدا نہ ہو سکے۔ (مجمع الزوائد ٣/٥٤) بعض روایات میں ان اژدھوں کی تعداد ۹۹ وارد ہے اور ان میں ہر اژدھا سات سروں والا ہے۔ (مجمع الزوائد ۳/ ۵۵) اللّهم احفظنا منه۔

قبر میں کیا ساتھ جائے گا؟

قبر میں صرف انسان کا عمل ساتھ جائے گا۔ دنیوی راحت و آرام قبر کی زندگی میں کام نہیں آ سکتا جس طرح آدمی جب دوسرے ملک کے سفر پر جاتا ہے تو وہاں کی کرنسی اور وہاں چلنے والے نوٹ اور روپیوں کا انتظام ضروری ہوتا ہے اسی طرح علم برزخ اور عالم آخرت میں جانے سے قبل وہاں چلنے والی کرنسی کو حاصل کرنا لازم ہے اور وہاں کی کرنسی ایمانِ کامل اور عمل صالح ہے۔ اگر یہ دولت میسر ہے تو سفر آخرت کے ہر موڑ پر قبر کا مرحلہ ہو یا بعد کا آرام ہی آرام نصیب ہوگا اور اگر ایمان اور عمل صالح کا سرمایہ پاس نہیں ہے تو پھر محرومی ہی محرومی ہے اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے

اورمرنے کے بعد والی زندگی کے لیے عمل کرتا رہے۔ واقعی دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کی محدود اور عارضی زندگی میں جی لگانے کے بجائے آخرت کی دائمی زندگی کو بنانے پر مکمل محنت کی جائے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقَى وَاحِدٌ يَتْبَعُهُ اَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ اَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ۔

(بخاری شریف ۲/۹٦٤ مسلم شریف ۲/٤٠٧ ترمذی شریف ۲/٦٠)

''میت کے ساتھ تین طرح کی چیزیں جاتی ہیں جن میں سے دولوٹ آتی ہیں اور ایک ساتھ رہ جاتی ہے۔ میت کے ساتھ' اس کے گھر والے' اور اس کا مال اور اس کا عمل جاتا ہے' اس کے گھر والے اور مال تو لوٹ آتے ہیں اور عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے''۔

کتنا ہی قریبی عزیز ہو' اسے قبرستان میں چاروناچار چھوڑ کر آنا پڑتا ہے اور مال بھی قبر میں نہیں رکھا جاتا اور نہ اس سے کوئی نفع ملتا ہے بلکہ آنکھ بند ہوتے ہی مال خود بخود وارث کی ملکیت میں چلا جاتا ہے لیکن عمل ایسا پکا اور وفادار دوست ہے جو دنیا میں بھی ساتھ رہتا ہے قبر میں بھی ساتھ جاتا ہے اور میدانِ محشر میں بھی ساتھ رہے گا اور اپنے عامل کو اصل ٹھکانے (جنت یا جہنم) تک پہنچا کر دم لے گا' لہٰذا ابھی سے اچھے عمل سے دوستی کرنی چاہیے تاکہ وہ اچھے مقام تک ہمیں پہنچادے۔

دوسری فصل:

یہ بدن گل سڑ جائے گا

انسان کا یہ بدن مٹی سے بنا ہے اور مٹی ہی میں مل جائے گا' قبر میں جا کر خوبصورت آنکھیں جنہیں سرمہ اور کاجل سے سنوارا جاتا ہے اور یہ بال اور رخسار جنہیں حسین وجمیل بنانے کی تگ ودو کی جاتی ہے اور یہ پیٹ جس کی بھوک مٹانے کے لیے طرح طرح کے جتن کیے جاتے ہیں' یہی آنکھیں پھوٹیں گی اور ان کا پانی چہرے کے رخساروں پر بہہ پڑے گا' بال خود بخود گل کر

ٹوٹ جائیں گے، پیٹ بدبودار ہو کر پھٹ پڑے گا، قبر میں کیڑے اس مٹی کے بدن کو اپنی غذا بنا لیں گے، اس حالت کو انسان دنیا میں بھولے رہتا ہے مگر یہ حالت پیش آ کر رہے گی، اسی جانب متوجہ کرنے کے لیے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ارشاد فرمایا:

''روزانہ قبر فصیح و بلیغ زبان میں برملا یہ اعلان کرتی ہے کہ اے آدم کی اولاد! تو مجھے کیسے بھول گیا؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مسافرت کی جگہ ہوں، میرا مقام وحشت ناک ہے؟ اور میں کیڑوں کا گھر ہوں اور میں تنگ جگہ ہوں سوائے اس شخص کے لیے جس پر اللہ تعالیٰ مجھے وسیع فرما دے! پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر یا تو جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ یا جنت کی پھلواریوں میں سے ایک پھلواری ہے''۔

(مجمع الزوائد ٣/٤٦ شرح الصدور: ١٦٥)

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا تقاضا بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اپنی موت اور بدن کی بوسیدگی کو یاد رکھیں'' اس سے فکر آخرت پیدا ہوگی اور گناہوں سے بچنے کا داعیہ اُبھر کر سامنے آئے گا''۔

وہ خوش نصیب جن کا بدن محفوظ رہے گا؟

اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کا اعزاز میں اپنی بے مثال قدرت کا اس طرح بھی اظہار فرماتے ہیں کہ ان نیک بندوں کے جسموں کو سالہا سال گذرنے کے باوجود زمین میں جوں کا توں محفوظ فرما دیتے ہیں اور زمین ان پاکیزہ ابدان کو فنا کرنے سے عاجز رہتی ہے ان خوش نصیب اشخاص میں سب سے پہلا درجہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَامَ الْأَنْبِيَاءِ۔ (ابو داؤد شریف ١/١٥٠)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے ابدانِ طیبہ کو حرام کر دیا ہے''

اسی بناء پر اہلسنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ اپنی اپنی قبروں میں بلا کسی تغیر کے بعینہٖ موجود ہیں اور ان کو ایک خاص قسم کی حیات برزخی حاصل ہے۔

اور بعض شہداء اسلام کے بارے میں مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ان کے اجسام بھی

دفن کے سالہا سال بعد صحیح سالم پائے گئے (اگرچہ ہر شہید کے ساتھ ایسا ہونا لازم نہیں' کیونکہ شہید کو جو خاص حیاتِ برزخی حاصل ہے اس کے لیے یہی بدن بعینہٖ موجود ہونا لازم نہیں)۔

(مستفاد روح المعانی ۲/۲۱)

عبداللہ بن تامر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

امم سابقہ میں حضرت عبداللہ بن تامر رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے ظالم بادشاہ کے سامنے اظہارِ حق کیا اور پھر انہیں بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا گیا جس سے وہ شہید ہو گئے' اور ان کے ماننے والوں کو بادشاہ نے آگ کی خندقیں کھدوا کر ان میں جلا ڈالا' جس کا ذکر سورۂ بروج میں ہے ان کے بارے میں ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عبداللہ ابن تامر رضی اللہ عنہ کی قبر کسی طرح کھل گئی تو دیکھا گیا کہ ان کی لاش صحیح سالم ہے اور ان کا ہاتھ بدستور کنپٹی پر اسی طرح رکھا ہوا ہے جیسے شہادت کے وقت ہوگا۔ (ترمذی شریف ۲/۱۷۲)

غزوۂ اُحد کے بعض شہداء کا حال

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ (جو غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے تھے) کی قبر مبارک کسی ضرورت سے چھ مہینہ کے بعد کھول کر آپ کی نعش وہاں سے منتقل کی تو اس میں بالکل بھی کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی' پس چند بال مٹی آلود ہو گئے تھے۔

(اسد الغابہ ۳/۲۴۴)

اُحد میں شہید ہونے والے دو انصاری صحابہ حضرت عمرو بن الجموع اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا ایک مرتبہ ۳۰ سال کے بعد مدینہ منورہ میں سیلاب آیا جس سے ان حضرات کی قبر مبارک کھل گئی' چنانچہ لوگوں نے ان دونوں کی نعش وہاں سے منتقل کرنے کی کارروائی کی تو لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ ان کے جسم میں ذرہ برابر بھی تغیر نہ ہوا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا وہ کل ہی شہید ہوئے ہوں' اور ان میں سے ایک نے اپنا ہاتھ زخم کی جگہ پر رکھا ہوا تھا' جب اسے ہٹانے کی کوشش کی گئی تو وہ دوبارہ اپنی جگہ چلا گیا جیسا کہ پہلے تھا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

(اسد الغابہ ۳/۲۴۴' التذکرہ ۱۸۵' شرح الصدور ۴۱۲)

دیگر شہداء کے ساتھ بھی اس طرح واقعات ثابت ہیں، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ابن الجوزی کی تاریخ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بصرہ میں ایک ٹیلے سے سات قبریں ظاہر ہوگئیں، ان میں سات لاشیں تھیں، سب کے جسم صحیح سالم تھے اور ان کے کفنوں سے مشک کی خوشبو پھوٹ رہی تھی ان میں سے ایک شخص جوان تھا جس کے بالوں میں زلفیں تھیں، اور ان کے ہونٹوں پر ایسی تازگی تھی گویا ابھی پانی پیا ہو، اور اس کی آنکھیں سرمہ آلود تھیں اور اس کی کوکھ میں زخم کا نشان تھا، بعض لوگوں نے اس کے بال اُکھیڑنے چاہے مگر وہ ایسے ہی مضبوط تھے جیسے زندہ شخص کے ہوتے ہیں۔ (شرح الصدور: ۲۶۸)

قبر پر خوشبو اور روشنی

عبداللہ بن غالب رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ گذرے ہیں ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی، مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے ان کی قبر پر جا کر جو مٹی اٹھا کر سونگھی تو وہ بالکل مشک کی طرح تھی۔ (کتاب اللعاقبۃ: ۱۳۰)

ابو محمد عبداللہ الکبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ میں میں صحابیٔ رسول حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی قبر پر حاضر ہوا تو اچانک میرے بدن پر گلاب کے عرق کا چھڑکاؤ ہوا، جس سے میرے کپڑے تر ہو گئے۔ (کتاب العابۃ ۱/۱۳۰)

یہ ان حضرات کی کرامت ہے جو اللہ کی قدرت سے مستبعد نہیں۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب صالح بادشاہ نجاشی کا انتقال ہو گیا تو لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ ان کی قبر پر روشنی نظر آتی ہے۔ (کتاب العاقبۃ: ۱۳۰)

مؤذن محتسب کو بشارت

عام طور پر لوگ مسجد کے مؤذن کو بے حیثیت خیال کرتے ہیں، حتیٰ کہ بہت سے بے توفیق لوگ تو اس کام ہی کو حقارت سے دیکھتے ہیں حالانکہ یہ کام اتنا بلند اور پر عظمت ہے کہ جو شخص محض رضاء خداوندی کے لیے پابندی سے اذان کہتا ہے اللہ تعالیٰ میدانِ محشر میں اس کا سر اور گردن سب سے بلند فرمادے گا اور اس کا بدن دفن ہونے کے بعد کیڑوں کی غذا نہیں بنے گا۔ حضرت

مجاہد اپنے والد کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں:

المؤذنون اطول الناس اعناقًا یوم القیامۃ ولا یدو دون فی قبورھم۔

(مصنف عبدالرزاق ۱/۴۸۳)

''مؤذن حضرات قیامت کے دن سب سے لمبی گردنوں والے ہوں گے' اور قبروں میں ان کے جسموں میں کیڑے نہیں پڑیں گے''۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

المؤذن المحتسب کالشھید المتشحط فی دمہٖ وإذا مات لم یدود فی قبرہٖ۔

(مجمع الزوائد ۳/۲' شرح الصدور ۴۱۳)

''باعمل مؤذن اس شہید کے مانند ہے جو اپنے خون میں لتھڑا ہوا ہو' اور جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو قبر میں اس کے بدن میں کیڑے نہیں پڑتے۔''

بعض ضعیف روایات میں اسی طرح کی بشارت قرآن کریم میں کثرت اشتغال رکھنے والے اور گناہوں سے بالکلیہ احتراز کرنے والے کے متعلق بھی وارد ہیں۔ (شرح الصدور ۴۱۳)

تیسری فصل:

قبر میں راحت وعذاب برحق ہے

احادیث مشہورہ سے یہ بات پوری طرح ثابت ہے کہ قبر کی راحت وعذاب برحق ہے اور یہ ایسا غیبی اور ماورائے عقل عقیدہ ہے جس پر یقین کرنے کے لیے عقل کا سہارا لینا بے سود ہے کیونکہ اس کا تعلق دینوی زندگی سے ہے ہی نہیں' یہ برزخی زندگی کا معاملہ ہے جس کی اصل حقیقت تک ہماری ناقص عقل رسائی حاصل نہیں کرسکتی لہٰذا جس طرح ہم قرآن وسنت کے بتانے سے قیامت' آخرت' جنت اور جہنم پر یقین رکھتے ہیں اسی طرح قبر کے حالات کے متعلق بھی ہمیں وحی مقدس کی معلومات پر کامل یقین رکھنا چاہیے۔ جب صحیح سندوں اور معتبر راویوں کے حوالہ سے ہم تک یقینی علم پہنچ گیا تو اسے ماننے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں' محض عقلی موشگافیوں

اور اپنی ناقص عقل میں نہ آنے کی دہائی دیگر کسی ثابت شدہ نقلی عقیدہ کو جھٹلانے کا کوئی جواز نہیں۔

علمائے نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ قبر کے عذاب وراحت سے محض خاص قبر کی جگہ مراد نہیں بلکہ برزخی زندگی (موت سے قیامت قائم ہونے تک کا فاصلہ) مراد ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص سولی پر چڑھا کر چھوڑ دیا جائے' یا سمندر میں غرق ہو جائے' یا اسے پرندے اور درندے کھا جائیں' یا اُسے جلا کر ہوا میں اُڑا دیا جائے پھر بھی اللہ تعالیٰ اسے عذاب یا راحت عطا کرنے پر قادر ہے اور یہ حالات صرف روح پر ہی نہیں بلکہ بدن سمیت روح پر طاری ہوتے ہیں۔ تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے۔ (مستفاد شرح الصدور للسیوطی: ۲۴۷)

بعض بددین قسم کے لوگ قبر کے حالات پر طرح طرح کے اشکالات کرتے ہیں' مثلاً کہتے ہیں کہ اگر ہم قبر کھول کر دیکھیں تو ہمیں تو فرشتے نظر نہیں آتے اور نہ مؤمن کی قبر وسیع معلوم ہوتی ہے بلکہ اس کی لمبائی چوڑائی اتنی ہی ہوتی ہے جتنی دفن کے وقت تھی وغیرہ وغیرہ' لہٰذا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ ان پر عذاب اور راحت کا اثر ظاہر ہو؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی قدرتِ کاملہ سے ہرگز بعید نہیں ہے کہ وہ ہماری نظروں سے چھپا کر میت کے بدن اور روح کو راحت یا عذاب میں مبتلا کر دے اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو سونے والے شخص سونے کی حالت میں ان میں ایک تکلیف محسوس کرے اور دوسرا مسرت آمیز خواب دیکھے' تو جاگنے والے کو کچھ پتہ نہیں چل پاتا کہ یہ سونے والے کن حالات سے گذر رہے ہیں' اسی طرح میت پر جو حالات طاری ہوتے ہیں زندہ انسانوں کو عام طور پر ان کا کچھ پتہ نہیں چل پاتا۔ (التذکرہ فی احوال الموتی والآخرۃ ۱۴۰)

اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت پر مبنی ہے کیونکہ اگر اس طرح زندگی میں لوگوں کو قبر کا ہر عذاب دکھا دیا جاتا تو لوگ اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیتے ہیں' اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم لوگ دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا کہ وہ تمہیں قبر کے حالات پر مطلع فرما دے۔ (مسلم شریف ۲/۳۸۶)

اسی طرح جن مردوں کے جسم بظاہر متفرق ہو چکے مثلاً جلا کر راکھ کر دیئے گئے' یا انہیں پرندوں اور درندوں نے کھا لیا اُن پر بھی عذاب وراحت جاری ہونے میں کوئی استبعاد نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جو ان اجسام کو قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح اسے اس

پر بھی پوری قدرت ہے کہ وہ ان جسموں کے تمام اجزاء یا بعض اجزاء کو زندگی دے کر ان کو عذاب یا راحت میں مبتلا کر دے۔ (نووی علی مسلم ۲/۳۸۶)

الغرض اہل قبر کے حالات کا تعلق برزخ کی زندگی سے ہے، اسے دنیا کی زندگی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور اگر اس بارے میں قرآن وسنت کی واضح ہدایات ہمارے سامنے نہ ہوتیں تو ہمیں ان حالات کا کچھ بھی علم نہ ہو پاتا، اس لیے عافیت اور انصاف کا راستہ یہی ہے کہ صادق و امین پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاداتِ عالیہ پر کامل یقین رکھتے ہوئے برزخی حالات پر ایمان لایا جائے اور اس کے متعلق کسی قسم کا شک یا شبہ ذہن میں نہ رکھا جائے۔

عذابِ قبر سے پناہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک یہودی عورت نے ان کے پاس آ کر یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قبر کے عذاب سے بچائے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو میں نے آپ سے عذاب قبر کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نَعَمْ: عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ۔

''جی ہاں! قبر کا عذاب برحق ہے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی نماز پڑھتے تو اس کے بعد قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔ (بخاری شریف ۱/۱۸۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ۔

(بخاری شریف ۱/۱۸۴)

''اے اللہ! میں قبر کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں، اور جہنم کے عذاب سے اور زندگی اور موت کے فتنہ سے اور دجال کے فتنہ سے بھی پناہ چاہتا ہوں''۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں آپ کا گذر مشرکین کی چند قبروں پر ہوا، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰى فِىْ قُبُوْرِهَا فَلَوْ لَا اَنْ لَّا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِىْ اَسْمَعُ مِنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ ۔ (مسلم شریف ۲/۳۸۶)

''یہ لوگ عذاب قبر میں مبتلا ہیں، پس اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم لوگ دفن کرنا چھوڑ دو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی اسی طرح عذاب قبر کی آواز سنا دے جیسے میں سن رہا ہوں......''۔ الخ

پھر آپ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو عذاب قبر، عذابِ جہنم، شرور وفتن، اور دجال کے فتنہ سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی۔

جانور بھی قبر کا عذاب سنتے ہیں

احادیث وآثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبر کے حالات اور عذاب وغیرہ کی آوازیں اگرچہ انسان اور جنات سے پوشیدہ رہتی ہیں لیکن دیگر جانوران آوازوں کو سنتے ہیں اور ان حالات پر مطلع ہوتے ہیں چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جب منافق اور کافر سے قبر میں سوال ہوتا ہے اور وہ صحیح جواب نہیں دے پاتا تو فرشتے اس کو لوہے کے ہتوڑے سے اتنی زور سے مارتے ہیں کہ وہ بے اختیار چیخ اٹھتا ہے اور اس کی چیخ کی آواز انسان اور جنات کے علاوہ جو جاندار بھی اس کے قریب ہوتے ہیں سب سنتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

اِنَّ اَهْلَ الْقُبُوْرِ يُعَذَّبُوْنَ فِىْ قُبُوْرِهِمْ عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ ۔ (بخاری ۲/۹۴۲)

''بیشک قبر والوں کی ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے جس کو جانور سنتے ہیں''۔

ابوالحکم ابن برخان، اشبیلہ (اسپین) کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے وہاں کے قبرستان میں ایک مردہ کو دفن کیا پھر وہیں قریب بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، ایک جانور قریب ہی

گھاس چر رہا تھا' وہ قبر کے قریب آیا اور کان کھڑے کر کے کچھ سننے لگا پھر دور چلا گیا کچھ دیر کے بعد پھر قبر کے قریب آ کر سننے لگا' کئی مرتبہ اس نے یہ حرکت کی' ابوالحکم کہتے ہیں کہ یہ واقعہ سن کر مجھے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد یاد آ گیا کہ قبر کے عذاب کو جانور تک بھی سنتے ہیں۔

(کتاب الروح لابن القیم اردو/۱۱۰)

کن لوگوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا؟

صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض صورتوں میں مرنے والا انسان قبر کے سوال وجواب اور فتنوں سے خود بخود محفوظ رہتا ہے' یہ سہولت اور رخصت تین طرح کے اسباب سے متعلق ہوتی ہے:

① بعض اعمالِ صالحہ۔ ② کسی آفت سماوی کے ساتھ موت۔ ③ بعض خاص اوقات میں موت کا واقع ہونا۔ ہر ایک کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

① پہلا سبب

پہلے سبب یعنی اعمالِ صالحہ کے ضمن میں درج ذیل اعمال خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

(ا) شہادت فی سبیل اللہ: جو شخص اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے پوری بہادری کے ساتھ اپنی جان کا نذرانہ بارگاہ ایزدی میں پیش کر دے اس کو قبر کے فتنوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے' ایک روایت میں وارد ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ کیا بات ہے کہ شہید کو چھوڑ کر بقیہ ایمان والوں کو قبر کے فتنہ میں مبتلا کیا جاتا ہے؟ سوال کا مقصد یہ تھا کہ شہید کو اس عموم سے مستثنیٰ رکھنے کی وجہ کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا:

"کَفٰی بِبَارِقَةِ السُّيُوْفِ عَلٰى رَاسِهٖ فِتْنَةً۔ (نسائی شریف ۱/۲۸۹)

"شہید کے سر پر تلوار کی چمک دمک ہی فتنہ کے لیے کافی ہے (یعنی اس قربانی کی بدولت اسے قبر کے فتنے سے حفاظت نصیب ہوگئی ہے)"۔

(ب) اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنا: اسلامی سرحدوں کی حفاظت جس کی وجہ سے دارالسلام میں رہنے والوں کو امن وعافیت نصیب ہوتا ہے اللہ کی نظر میں نہایت عظیم الشان عمل ہے۔

لہٰذا جو شخص اسی حال میں حفاظت کرتے ہوئے وفات پائے اس کو قبر کے فتنوں سے اور سوال و جواب سے محفوظ کر دیا جاتا ہے' اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رِبَاطُ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ صِیَامِ شَہْرٍ وَّ قِیَامِہٖ وَاِنْ مَّاتَ جَرٰی عَلَیْہِ عَمَلُہُ الَّذِیْ کَانَ یَعْمَلُہٗ وَاُجْرِیَ عَلَیْہِ رِزْقُہٗ وَاَمِنَ الْفُتَّانَ۔ (مسلم شریف ۲/۱۴۲)

''ایک دن رات سرحد کی حفاظت پورے مہینے کے روزے اور رات بھر عبادت کرنے کے برابر ہے اور اگر اس حال میں اس کی موت آ جائے تو جو عمل وہ کر رہا تھا اس کا ثواب برابر جاری رہے گا اور اس کے لیے برابر رزق کا انتظام کیا جائے گا اور اسے قبر کے سوال کرنے والے فرشتوں سے اور وہاں کے فتنوں سے محفوظ رکھا جائے گا''۔

(ج) سورۂ ملک اور سورۂ الم سجدہ کا پابندی سے پڑھنا: بعض روایات سے یہ ثابت ہے کہ جو شخص سونے سے پہلے سورۂ ملک اور الم سجدہ پابندی سے پڑھے' تو اسے بھی قبر کے سوال و جواب سے محفوظ رکھا جاتا ہے''۔ (شرح الصدور: ۲۰۷)

۲ دوسرا سبب

اور سوال سے بچنے کا دوسرا سبب یعنی موت کی علت کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ملتی ہے کہ جو شخص پیٹ کی بیماری میں انتقال کر جائے تو وہ بھی قبر کے فتنے سے محفوظ رہے گا' مگر اس کے متعلق محدثین یہ فرماتے ہیں کہ اس راوی کو غلط فہمی ہوگئی ہے حدیث اصل میں مرابط (سرحد پر حفاظت کرنے والا) کے بارے میں ہے جسے راوی نے مریض کے متعلق کر دیا۔

(شرح الصدور: ۲۰۷)

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مرضِ طاعون میں وفات پانے والے کے متعلق بھی یہ بات لکھی ہے کہ اسے قبر کے فتنے سے محفوظ رکھا جائے اور وہ مرابط فی سبیل اللہ کے درجہ میں ہے' کہ جس طرح سرحد پر حفاظت کرنے والا صبر و استقامت کے ساتھ اپنی جگہ ڈٹا رہتا ہے اسی طرح طاعون میں مبتلا شخص بھی توکل علی اللہ کرتا ہے' اس مشابہت کی وجہ سے وہ بھی فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ (شرح الصدور ۲۰۸)

۳ جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینے میں وفات پانے والوں کو بشارت

تیسرے سبب کے طور پر احادیث شریفہ سے تین طرح کے اوقات ثابت ہیں۔

۱ جو شخص جمعہ کے دن یا رات میں رحلت کر جائے اس کو بھی قبر کے فتنوں سے محفوظ رہنے کی بشارت دی گئی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ۔

(ترمذی شریف ۱/۲۰۵)

''جو مسلمان شخص جمعہ کے دن یا اس کی رات میں انتقال کر جائے تو اللہ اس کو قبر کے فتنے سے محفوظ رکھتا ہے''۔

۲ بعض ضعیف روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک میں مرنے والوں سے قبر کا عذاب ہٹا لیا جاتا ہے۔ (شرح الصدور عن البیہقی ۲۵۴) واللہ تعالیٰ اعلم

۳ اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت اس مضمون کی نقل فرمائی ہے کہ جس شخص کی موت رمضان کے ختم پر یا عرفہ کے وقوف کے بعد یا اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد آئے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (التذکرہ ۱۷۳) واللہ تعالیٰ اعلم

عذابِ قبر سے نجات کیسے؟

خاص اوقات میں وفات تو انسان کے اختیار میں نہیں لیکن وہ اختیاری اعمالِ صالحہ جن کو احادیث میں عذاب قبر سے وقایہ قرار دیا گیا ہے ان کو اختیار کرنے کی کوشش ہر مسلمان کو کرنی لازم ہے، درحقیقت تمام ہی اعمالِ صالحہ اپنی اپنی جگہ عذاب قبر سے بچانے کا ذریعہ ہیں، بہت سی روایات اس پر دال ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کے اعمالِ صالحہ اسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور جدھر سے بھی عذاب آنے کی کوشش کرتا ہے، تو وہ عذاب سے رکاوٹ بن جاتے ہیں، نیز خصوصی طور پر ہر رات سورۂ ملک کا پڑھنا عذابِ قبر سے بچانے میں انتہائی مؤثر ترین عمل ہے اسی لیے اس صورت کا نام ہی "مانعه" اور "منجیه" پڑ گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والوں کے لیے عذاب سے بچانے کی سفارش کرتی ہے اور اس کی سفارش

قبول کی جاتی ہے اور اسی طرح کی فضیلت سورۂ الم سجدہ کے بارے میں بھی وارد ہے' نیز سورۂ زلزال جمعہ کی رات میں مغرب کے بعد دو رکعت نماز میں اس طرح پڑھنا کہ ہر رکعت میں پندرہ مرتبہ یہ سورت پڑھی جائے' اس عمل کو بھی عذابِ قبر سے بچنے کا موجب قرار دیا گیا ہے۔

(شرح الصدور: ۲۵۲ تا ۲۵۴)

علاوہ ازیں عذابِ قبر سے محفوظ رہنے کے لیے ان تمام اعمالِ سیئہ اور گناہ کے کاموں سے بچنا بھی لازم ہے' جن کو احادیث طیبہ میں عذاب کے اسباب میں شمار کرایا گیا ہے۔

عذابِ قبر کے عمومی اسباب

احادیث شریفہ میں نبی کریم ﷺ نے ان اسباب اور معاصی کی نشاندہی فرمادی ہے جن سے اکثر انسان عذابِ قبر کا مستحق بن جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کا گذر دو قبروں پر ہوا جنہیں دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے' اور کسی بڑے گناہ میں عذاب نہیں ہو رہا ہے (یعنی جسے تم بڑا سمجھتے ہو) ان میں سے ایک چغلی کرتا تھا اور دوسرا شخص پیشاب سے محفوظ نہیں رہتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ایک تر و تازہ شاخ منگوائی اور اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا ہر قبر پر گاڑ دیا' اور ارشاد فرمایا کہ امید ہے کہ ان کے خشک ہونے تک ان دونوں سے عذاب میں تخفیف کردی جائے گی۔ (بخاری شریف ۱/۱۸۴' مسلم شریف ۱/۱۴۱)

اِس حدیث میں عذابِ قبر کے جو اسباب بیان کئے گئے ہیں ان کے متعلق سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے' افسوس کی بات ہے کہ یہ دونوں ہی اسباب آج کثرت سے ہمارے معاشرہ میں رائج ہیں' غیبت' چغلی حتیٰ کہ بہتان تراشی کو گناہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح نئی تہذیب کے متوالے پیشاب کے قطرات سے طہارت کو فضول سمجھتے ہیں' کھڑے کھڑے پیشاب کر دینا اور پاکی اور استنجا کے بغیر زندگی گزارنا معیوب ہی نہیں رہا' اس معاملہ میں نئی تہذیب نے انسان کو بے عقل جانوروں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ اللّٰھم احفظنا منہ

آنحضرت ﷺ کا ایک عبرتناک خواب

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ صبح کی نماز پڑھ کر ہماری

طرف متوجہ ہوتے اور پوچھتے کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ تو اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ بیان کرتا اور آپ اس کی مناسب تعبیر ارشاد فرماتے‘ ایک دن آپ نے اسی طرح سوال فرمایا‘ تو ہم نے عرض کیا کہ ہم سے کسی نے کوئی خواب نہیں دیکھا ہے‘ تو اس پر آپ ﷺ نے اپنا طویل خواب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو سنایا کہ آپ کو دو شخص ہاتھ پکڑ کر لے گئے اور امت کے گنہگاروں پر برزخی زندگی میں جو عذاب ہو رہے ہیں ان کا تفصیل سے مشاہدہ کرایا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے ایک دوسرا شخص لوہے کا زنبور لیے ہوئے کھڑا ہے اور وہ اس زنبور سے بیٹھے ہوئے شخص کے ایک کلّے کو گدی تک چیر دیتا ہے‘ پھر دوسرے کلّے کے ساتھ یہی معاملہ کرتا‘ اتنے میں پہلا کلا صحیح ہو جاتا ہے‘ برابر اس کے ساتھ یہی برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ بعد میں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ جس کا کلا چیرا جا رہا ہے وہ جھوٹا شخص ہے‘ جس پر اعتماد کرتے ہوئے لوگ اس کی بات دنیا جہاں میں پھیلا دیتے ہیں۔

② ایک شخص کو آپ نے دیکھا کہ وہ گدی کے بل لیٹا ہوا ہے اور ایک دوسرا شخص اس کے سر کے پاس بڑا سا پتھر لیے ہوئے کھڑا ہے جس سے وہ لیٹے ہوئے شخص کے سر کو کچل دیتا ہے پتھر لڑھک کر کچھ دُور چلا جاتا ہے تو اتنے میں کہ اسے وہ اٹھا کر لائے اس کا سر پھر ویسا ہی صحیح سالم ہو جاتا ہے پھر اس کو مارتا ہے اور یہی سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ اس کے متعلق تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ وہ عالم دین تھا جو نہ تو رات میں علمی مشغولیت میں رہتا تھا اور نہ دن میں اس پر عمل کرتا تھا۔

③ اسی خواب میں آپ ﷺ نے ایک بڑا گڑھا دیکھا جو آگ کے تنور کے مانند تھا‘ جس کا اوپری حصہ تنگ تھا اور نچلا حصہ بہت کشادہ تھا جس میں آگ دہک رہی تھی‘ اس میں ننگے مرد و عورت تھے جو جل بھن رہے تھے‘ جب آگ کی لپیٹیں بلند ہوتیں تو ہوا و پر آ کر نکلنے کے قریب ہو جاتے پھر نیچے تہہ میں چلے جاتے ان کے متعلق پوچھنے سے پتہ چلا کہ یہ حرام کار اور زنا کار لوگ ہیں قیامت تک ان کے ساتھ یہی معاملہ جاری رہے گا۔

④ اسی طرح آپ ﷺ نے دیکھا کہ خون کی نہر کے بیچ میں ایک شخص کھڑا ہے اور اس کے

کنارے پر دوسرا شخص ہاتھ میں پتھر لیے ہوئے موجود ہے' جب نہر والا شخص باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ شخص پتھر مار کر اسے اپنی جگہ لوٹا دیتا ہے اس کے متعلق جب آپ نے دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ یہ سود خور شخص ہے' قیامت تک اسے خون کی نہر میں رہنا پڑے گا۔ (اعاذنا الله منها۔ (بخاری شریف ۱/ ۱۸۵ ملخصًا)

نبی کا خواب بھی چونکہ وحی کے درجہ میں ہوتا ہے لہٰذا خواب میں جو حالتیں دکھائی گئی ہیں ان کے واقعی ہونے میں کسی شک یا شبہ کا امکان نہیں ہے' یہ برزخ کے حالات ہیں جو مذکورہ جرائم میں مبتلاء لوگوں کے ساتھ قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ان اسباب سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

ناجائز مقاصد سے زیب وزینت کرنے والوں کو عذاب

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے کچھ مردوں کو دیکھا جن کی کھالیں قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں' میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ وہ مرد لوگ ہیں جو حرام (اجنبی عورتوں) کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے زیب وزینت کیا کرتے تھے اور فرمایا! کہ میں ایک بدبودار کنواں دیکھا جس میں سے چیخ و پکار کی آواز آرہی تھی' میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ اس میں وہ عورتیں ہیں جو ایسے مردوں کو رجھانے کے لیے زیب وزینت کرتی تھیں جو ان کے لیے حلال نہیں ہیں۔

(شرح الصدور عن الخطیب وابن عساکر/ ۲۳۱)

غور کیجئے کیا آج یہ برائی معاشرہ میں عام نہیں ہے؟ نئی تہذیب کے متوالے مادر پدر آزاد نوجوان لڑکے اور لڑکیاں حرام کاری کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کو تیار ہیں' عورتیں گھر میں رہتے ہوئے اپنے شوہر کے لیے زیب وزینت شاذ ونادر کرتی ہیں اور تقریبات یا بازاروں کے سیر وتفریح کے لیے پورا میک اپ کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یہ سب آخرت کے عذاب سے بےفکری کی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کے تقاضوں کے قطعاً خلاف ہیں۔

نماز بے وقت پڑھنے والے کی سزا

اسی خواب سے متعلق بعض روایتوں میں یہ تفصیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو

دیکھا جس کی کھوپڑی کو ایک بڑے پتھر سے اس زور سے مارا جاتا ہے کہ اس کا مغز نکل کر باہر آ جاتا ہے اور پتھر دور جا گرتا ہے۔ جب آپ نے اس بدنصیب شخص کے بارے میں سوال کیا تو معلوم ہوا کہ یہ وہ شخص ہے جو عشاء کی نماز سرے سے پڑھتا ہی نہ تھا اور دیگر نمازیں بھی وقت سے بے وقت پڑھتا تھا لہٰذا قیامت تک اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہے گا۔ العیاذ باللہ

(شرح الصدور/۲۳۲)

چغل خور کی سزا

پھر آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک بڑے قینچے سے اس کے کلے چیرے جا رہے ہیں، اس کے متعلق معلوم کیا تو بتایا گیا کہ یہ شخص لوگوں کی چغلیاں کھاتا تھا جس سے لوگوں میں فتنہ فساد برپا ہو جاتا تھا۔ (شرح الصدور/۲۳۲)

سود خور کی بدترین سزا

پھر آپ نے دیکھا کہ خون کی ایک نہر ہے جو اس طرح گرمی سے کھول رہی ہے جیسے آگ پر رکھی ہوئی دیگچی کھولتی ہے۔ اس نہر میں کچھ ننگے لوگ ہیں، اور نہر کے کنارے پر فرشتے ہیں جن کے ہاتھوں میں مٹی کے ڈھلیے ہیں، نہر کے لوگوں میں جب بھی کوئی باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو فرشتے اس کے منہ پر اس زور سے ڈھیلا کھینچ کر مارتے ہیں کہ وہ شخص پھر نہر کی تہہ میں گر جاتا ہے۔ ان لوگوں کے متعلق آپ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ اُمت کے سود خور ہیں، ان کو قیامت تک یہی عذاب دیا جاتا رہے گا۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔ (شرح الصدور/۲۳۲)

سفر معراج سے متعلق بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے جیسے (انسان کے رہنے کے) گھر ہوتے ہیں، اور ان میں سانپ تھے جو باہر سے نظر آ رہے تھے، میں نے کہا: جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ سود کھانے والے بدنصیب لوگ ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف: ۲۴۶)

یہ ہے حرام کمائی کا بدترین وبال! اس لیے ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اپنی آمدنی خالص حلال رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

زنا کاروں کا انجام

اور امت کے زنا کاروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں دیکھا کہ وہ ننگے ہونے کی حالت میں آگ کے بڑے کمرے میں ہیں اور وہاں سے اتنی سخت بدبو اور تعفن اٹھ رہا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ناک شدید بدبو کی وجہ سے بند کرنی پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہ لوگ زنا کار مرد و عورت ہیں اور یہ شدید ناقابل برداشت بدبو ان کی شرم گاہوں سے آ رہی ہے۔ اعاذ نااللہ منہ

(شرح الصدور/۲۳۳)

اور سفر معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک خوان میں تازہ حلال گوشت رکھا ہے اور دوسری طرف دوسرے طشت میں سڑا ہوا گوشت موجود ہے مگر لوگ حلال گوشت چھوڑ کر حرام سڑا ہوا بدبودار گوشت کھا رہے ہیں، ان لوگوں کے بارے میں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حلال راستہ کو چھوڑ کر حرام طریقہ اختیار کرتے ہیں (مثلاً مرد کے پاس حلال اور طیب بیوی موجود ہے مگر وہ اسے چھوڑ کر ایک زانیہ بدکار فاحشہ کے ساتھ شب باشی کرتا ہے، یا عورت کے پاس حلال شوہر موجود ہے مگر وہ اس کے پاس نہ رہ کر غیروں کے ساتھ رات گزارتی ہے)۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے پستانوں کے ذریعہ لٹکا دی گئی ہیں اور وہ چیخ و پکار کر کے اللہ سے فریاد کر رہی ہیں ان کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ بھی زنا کار عورتیں ہیں۔

اللّٰھم احفظنا منہ۔ (دلائل للبیھقی ۲/۳۹۲-۳۹۳)

لواطت کرنے والوں کی بدترین سزا

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک سیاہ ٹیلہ ہے جس پر کچھ مخبوط الحواس لوگ موجود ہیں، ان کے پیچھے کے راستہ سے دہکتی ہوئی آگ ڈالی جا رہی ہے جو ان کے جسموں سے ہو کر منہ ناک کان اور آنکھوں کے راستہ سے خارج ہو رہی ہے۔ اس ہولناک عذاب میں مبتلا لوگوں کے بارے میں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ کہ لواطت کرنے والے (یعنی مرد ہو کر مرد ہی سے جنسی خواہش پوری کرنے والے غلیظ) لوگ ہیں، اس کام کو کرنے والے اور کرانے والے دونوں عذاب میں گرفتار ہیں۔ العیاذ باللہ۔ (شرح الصدور/۲۳۲)

بے عمل واعظوں کا انجام

معراج کے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایسے لوگوں پر بھی ہوا جن کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، کاٹنے کے بعد فوراً وہ اپنی اصلی حالت پر آجاتے تھے اور پھر انہیں کاٹا جا رہا تھا، برابر یہی سلسلہ جاری تھا، آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ امت کے بے عمل، فتنہ میں مبتلا واعظ ہیں (جو دوسروں کو تو نصیحت کرتے تھے مگر خود اس پر عمل نہیں تھے) (دلائل النبوۃ ۲/ ۳۹۸ مشکاۃ شریف ۴۳۸)

قومی مال میں خیانت کرنے والوں کو عذاب قبر

حضرت رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بقیع کے قبرستان سے گذرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اُف' اُف'' فرمایا' مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید آپ مجھ سے یہ ناگواری کا کلمہ فرما رہے ہیں چنانچہ میں نے فوراً عرض کیا کہ حضرت! مجھ سے کیا خطاء ہوئی؟ حضرت نے فرمایا: کہ کیا مطلب؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت نے مجھے دیکھ کر ''اُف'' فرمایا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں دیکھ کر میں نے یہ کلمہ نہیں کہا بلکہ اس قبر والے فلاں شخص کو میں نے فلاں قبیلہ کی زکوۃ وصول کرنے کے لیے عامل بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے وہاں ایک کرتہ خیانت کر کے چھپالیا تھا' اب اسی جیسا آگ کا کرتہ اسے قبر میں پہنا دیا گیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

(مسند احمد ۶/ ۳۹۲' شرح الصدور/ ۲۲۸)

یہ روایت قومی وملی کام کرنے والوں کے لیے سخت خطرہ کا پتہ دیتی ہے اگر مالی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی برتی جائے تو قبر میں ہولناک عذاب کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا خوف وخشیت عطا فرمائے۔ (آمین)

قبر کے عذاب کا عام لوگوں کو مشاہدہ

اگر چہ اللہ تعالیٰ کا عام دستور یہی ہے کہ عذابِ قبر کا مشاہدہ عام جناتوں اور انسانوں کو نہیں ہوتا' لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ عبرت کے لیے احوال ظاہر کر دیتے ہیں' چنانچہ مواعظ وعبر کی کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات موجود ہیں جن میں قبر کے حالات کے مشاہدہ کا ذکر ہے' اور قدرت

خداوندی سے یہ امر بعید بھی نہیں ہے کیونکہ وہ بعض لوگوں پر حالات منکشف کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ ذیل میں ہم اس طرح کے چند واقعات نقل کرتے ہیں تاکہ ان کے مطالعہ سے عبرت حاصل ہو سکے۔

دھوکے باز کو عذابِ قبر

① عبدالحمید ابن محمود مغولی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں حاضر تھا' کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم حج کے ارادہ سے نکلے ہیں' جب ہم ذات الصفاح (ایک مقام کا نام) میں پہنچے تو ہمارے ایک ساتھی کا انتقال ہو گیا' چنانچہ ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کی' پھر قبر کھودنے کا ارادہ کیا' جب ہم قبر کھود چکے تو ہم نے دیکھا کہ ایک بڑے کالے ناگ نے پوری قبر کو گھیر رکھا ہے۔ اس کے بعد ہم نے دوسری جگہ قبر کھودی تو وہاں بھی وہی سانپ موجود تھا' اب ہم میت کو ویسے ہی چھوڑ کر آپ کی خدمت میں آئے ہیں کہ اب ہم کیا کریں؟ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ سانپ اس کا وہ بدعمل ہے جس کا وہ عادی تھا' جاؤ اسے اسی قبر میں دفن کر دو' اللہ کی قسم اگر تم اس کے لیے پوری زمین کھود ڈالو گے پھر بھی وہ سانپ اس کی قبر میں پاؤ گے' بہر حال اسے اسی طرح دفن کر دیا گیا' سفر سے واپسی پر لوگوں نے اس کی بیوی سے اس شخص کا عمل پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا یہ معمول تھا کہ وہ غلہ بیچتا تھا اور روزانہ بوری میں سے گھر کا خرچ نکال کر اس میں اسی مقدار کا بھس ملا دیتا تھا۔ (گویا کہ دھوکہ سے بھس کو اصل غلہ کی قیمت پر فروخت کرتا تھا)۔ (بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ شرح الصدور/ ۲۳۹)

غسل جنابت نہ کرنے کی سزا

② ابان بن عبداللہ البجلی کہتے ہیں کہ ہمارے ایک پڑوسی کا انتقال ہو گیا' چنانچہ ہم اس کے غسل اور تجہیز و تکفین میں شریک رہے' مگر جب ہم اسے قبرستان لے کر پہنچے تو اس کے لئے جو قبر کھودی گئی تھی اس میں بلی جیسا ایک جانور نظر آیا' لوگوں نے اسے وہاں سے نکالنے کی بہت کوشش کی مگر وہ وہاں سے نہیں ہٹا' مجبور ہو کر دوسری قبر کھودی گئی تو اس میں بھی وہی جانور موجود ملا' تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا' عاجز آ کر لوگوں نے اسی کے ساتھ اس شخص کو دفن کر دیا۔ ابھی قبر برابر ہی کی گئی تھی کہ قبر سے ایک زبردست دھماکہ کی آواز سنی گئی' لوگوں نے اس کی بیوی کے

پاس آ کر اس شخص کے حالات معلوم کئے تو پتہ چلا کہ وہ جنابت سے غسل نہیں کرتا تھا۔

(شرح الصدور/۲۴۴)

نماز چھوڑنے اور جاسوسی کی سزا

۳ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ مدینہ میں رہنے والے ایک شخص کی بہن کا انتقال ہو گیا' بھائی نے کفن دفن کا انتظام کیا پھر اسے یاد آیا کہ دفن کرتے وقت اس کی ایک تھیلی قبر میں رہ گئی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ایک ساتھی کو لے کر قبرستان گیا اور قبر کھود کر اپنی تھیلی نکالی پھر اپنے ساتھی سے کہا کہ تم ذرا ہٹ جاؤ میں بغلی قبر کی اینٹ ہٹا کر اپنی بہن کو دیکھنا چاہتا ہوں' اس نے جیسے ہی اینٹ ہٹائی تو دیکھا کہ پوری قبر آگ کے شعلوں میں گھری ہوئی ہے' اس نے جلدی سے قبر بند کی اور اپنی والدہ کے پاس آ کر بہن کا حال معلوم کیا' تو والدہ نے بتایا کہ وہ نماز دیر کر کے پڑھتی تھی اور بلا وضو بھی ٹرخا لیتی تھی اور جب پڑوسی سو جاتے تو وہ کمروں کے دروازوں پر کان لگا کر ان کے چھپے ہوئے راز حاصل کیا کرتی تھی۔ (شرح الصدور/۲۴۶)

ابو جہل کو عذابِ قبر

۴ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں بدر کے قریب سے گزر رہا تھا' میں نے اچانک دیکھا کہ ایک شخص زمین سے نکلا جس کی گردن میں ایک زنجیر ہے اور اس کے ایک سرے کو ایک کالے شخص نے تھام رکھا ہے' وہ نکلنے والا آدمی مجھ سے خطاب کر کے پانی مانگنے لگا' مگر کالے شخص نے فوراً کہا کہ اسے پانی مت پلانا' یہ کافر ہے' پھر اسے کھینچ کر زمین میں داخل کر دیا' میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر پورا قصہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا واقعی تم نے اسے دیکھا ہے! یہ اللہ کا دشمن ابو جہل تھا قیامت تک اس کو یہی عذاب ہوتا رہے گا۔

(التذکرہ:۱۵۴' شرح الصدور)

قبر میں جاری نفع بخش اُمور

قبر کے زمانہ میں نفع پہنچانے والے امور دو طرح کے ہیں' ایک تو وہ خاص اعمالِ صالحہ ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّامِنْ ثَلٰثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْعِلْمٍ

يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ۔ [مسلم ۲ / ۴۱ ترمذی : ۱۳۷۶، نسائی : ۳۶۵۳]

''جب انسان مر جاتا ہے تو اس سے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن تین اعمال کا ثواب بعد میں بھی جاری رہتا ہے: ① صدقہ جاریہ۔ ② نفع بخش علم۔ ③ نیک اولاد جو والد کے لئے دعائے خیر کرے۔''

اس حدیث میں صدقہ جاریہ مثلاً مساجد و مدارس کی تعمیر اور علم نافع جس میں علمی تصنیفات اور شاگردوں کے ذریعہ علمی فیضان کی تمام صورتیں داخل ہیں اور صالح اولاد کو مسلسل ثواب کا سبب قرار دیا گیا ہے جو نہایت اہم بشارت ہے، ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ان اعمال کو اختیار کرے تا کہ قیامت تک اس کے لئے ثواب جاری رہنے کا انتظام ہو سکے، اسی طرح ایک اور روایت میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَّمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ۔

''جو شخص کوئی اچھا طریقہ اختیار کرے تو اسکو اسکا بدلہ ملے گا اور جو لوگ اس دینی طریقہ پر عمل کریں گے انکے ثواب میں کسی کٹوتی کے بغیر اس موجد خیر کو بھی اسکا ثواب ملتا رہے گا......''

اسی بناء پر آنحضرت ﷺ نے امت کے ہر فرد کو تلقین فرمائی ہے کہ وہ خیر کے دروازے کو کھولنے والا اور شر کے دروازے کو بند کرنے والا بن جائے۔

ایصالِ ثواب

دوسری چیز جو میت کو قبر میں نفع دیتی ہے وہ میت کو غیروں کی طرف سے پہنچنے والا ثواب ہے۔ جس طرح زندگی میں کسی تحفے تحائف سے آدمی کو مسرت اور بشاشت حاصل ہوتی ہے اور وہ ان سے دنیا میں نفع اندوز ہوتا ہے اسی طرح قبر میں جب میت کے پاس روحانی تحفے بصورتِ اجر و ثواب پہنچتے ہیں تو اسے مسرت حاصل ہوتی ہے اور وہ ان تحائف سے لطف اندوز ہوتا ہے، دعائے خیر، صدقہ، خیرات اور حج کا ثواب میت کو پہنچنے پر امت کا اتفاق ہے۔ (نووی علی مسلم مقدمہ ۱/۱۳)

اور اس بارے میں صحیح احادیث بھی وارد ہیں، اسی پر قیاس کرتے ہوئے علماء حنفیہ اور جمہور

اہلسنّت والجماعت کا مؤقف یہ ہے کہ دیگر عبادات نماز' روزہ اور قرآنِ کریم کی تلاوت وغیرہ کا ثواب بھی میت کو پہنچایا جاسکتا ہے۔ (شرح فقہ اکبر للملا علی قاری ۲۲۵'۲۲۶)

علامہ شامیؒ نے بحر الرائق اور بدائع الصنائع سے نقل کیا ہے کہ:

"من صام او صلى او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز و يصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة۔" (شامی ۳/۱۴۲)

''جو شخص روزہ رکھے یا نماز پڑھے یا صدقہ دے اور اس کا ثواب دوسرے مردہ یا زندہ شخص کو پہنچا دے تو یہ جائز ہے اور اہلسنّت والجماعت کے نزدیک ان اعمال کا ثواب مذکورہ لوگوں تک پہنچتا ہے۔''

بہر حال میت کو ثواب پہنچانے کی فکر کرنی چاہیے تاہم اس میں کسی عمل یا وقت کی تخصیص نہ ہو بلکہ جب موقع ہو اور جیسی ضرورت ہو ثواب کی نیت کر لی جائے مثلاً روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا کہ حضرت میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے تو ان کے لئے کونسا صدقہ افضل رہے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی (یعنی ان کی طرف سے عام مسلمانوں کے لئے پانی کا نظم کر دیا جائے) چنانچہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک کنواں کھدوایا اور پھر اعلان کر دیا کہ اس کا ثواب ان کی والدہ امّ سعد رضی اللہ عنہا کے لئے ہے۔ (مسند احمد ۶/۷' سنن اربعہ' شرح الصدور ۸/ ۳۹۸)

اسی طرح جیسی ضرورت ہو ایصالِ ثواب کر دیا جائے' آج کل جو جاہلوں نے ایصالِ ثواب اور نیاز کے خاص طریقوں کی تعیین کر رکھی ہے ان کا شرعاً ثبوت نہیں ہے' مروجہ تیجے' دسویں اور چالیسویں وغیرہ کی رسمیں یقیناً بدعت ہیں' ان کا ترک لازم ہے' ایصالِ ثواب بلا التزام اور بغیر کسی تعیین و تخصیص کے ہونا چاہیے۔

بعض مشائخ اور علماء نے قبر پر حاضری کے وقت بعض سورتیں مثلاً سورۂ یٰسین' سورۂ فاتحہ' سورۂ اخلاص' سورۂ تکاثر وغیرہ پڑھ کر ثواب پہنچانے کی تلقین فرمائی ہے لیکن ان سورتوں کی تعیین بھی لازم نہیں بلکہ کچھ بھی پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔

باب ششم:

قیامت کے احوال

- قیامت ضرور آئے گی
- دوبارہ زندگی اور میدانِ محشر میں اجتماع
- حوضِ کوثر
- شفاعتِ کبریٰ
- حساب کتاب کا آغاز
- میزان عمل
- رحمتِ خداوندی

پہلی فصل:

قیامت ضرور آئے گی

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو خاص وقت تک کے لئے آباد کیا ہے ایک دن وہ ضرور آنے والا ہے جب دنیا کی ساری رونقیں سیکنڈوں میں کافور ہو جائے گی اور سارا نظامِ کائنات لپیٹ دیا جائے گا۔ ذرّات کا تو کہنا کیا ناقابل تسخیر بڑے بڑے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑے اُڑے پھریں گے، سورج اور چاند اور ہزاروں سال سے روشنی دینے والے ستارے بے نور ہو جائیں گے، اس وقت کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدن پر کپکپی چڑھ جاتی ہے، قرآن وحدیث میں قیامت کے تعارف اور اس پر یقین رکھنے پر بہت زور صرف کیا گیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ قیامت کا استحضار اور تصور ہی انسان کو برائیوں سے محفوظ رکھنے پر مجبور کر سکتا ہے، جبکہ قیامت سے غفلت شعاری انسان کو بے راہ روی کا شکار بنا دیتی ہے۔ بہت سے اہل مذاہب اسی لئے گمراہ ہوئے کہ ان کے یہاں قیامت کا تصور ہی نہیں، وہ دنیا کی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے رہے اور جب اگلی زندگی کا انہوں نے تصور ہی قائم نہ کیا تو اس کے لئے تیاری کے بھی کوئی معنی باقی نہ رہے۔ اسی لئے اسلام کے بنیادی اور اہم ترین عقائد میں سے قیامت اور آخرت پر ایمان لانا بھی ہے۔ قرآنِ کریم کی آیاتِ مبارکہ اور احادیث طیبہ اس سلسلہ کی تفصیلات سے بھری پڑی ہیں۔

قیامت کب آئے گی؟

قیامت کا یقینی وقت تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ج ”بے شک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم۔“

اور حدیث جبرئیل میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ”قیامت کب آئے گی؟“ تو آپ نے فرمایا: ”اس بارے میں میرا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے“ (یعنی جس طرح پوچھنے والے کو اس کی خبر نہیں اسی طرح مجھے بھی اس کا حقیقی وقت معلوم نہیں)۔ (مسلم شریف ۱/۲۹) تو ظاہر ہے کہ جب حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم نہیں تو دنیا میں اور کس کو

یہ علم ہوسکتا ہے۔

قیامت کی دس قریبی علامتیں

البتہ احادیث شریفہ میں قیامت سے پہلے کی بہت سی علامتیں بتائی گئی ہیں' ان میں دو طرح کی علامتیں ہیں' ایک تو مطلق علامتیں مثلاً معاشرہ میں پھیل جانے والے منکرات' بے حیائیاں' فحاشیاں' بددیانتی اور نااہلوں کا حکومتوں پر قبضہ وغیرہ اور دوسرے قریبی علامتیں' جن کے وجود کے بعد بس دنیا کی زندگی اب اور تب کی رہ جائے گی اور ان سب کے تحقق کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

حضرت حذیفہ ابن اسید غفاری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔اسی دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لے آئے اور سوال فرمایا کہ کیا گفتگو چل رہی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم قیامت کے متعلق تذکرہ میں مشغول تھے' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس علامات نہ دیکھ لو' وہ علامتیں یہ ہیں:

① دخان

یہ ایک خاص قسم کا دھواں ہوگا' جو مشرق و مغرب میں ۴۰ دن تک برابر پھیلا رہے گا' جس کے اثر سے کافروں پر مدہوشی طاری ہو جائے گی اور اہل ایمان کو صرف نزلہ' زکام جیسی تکلیف ہوگی۔ (مرقاۃ ۵/ ۱۸۷)

② دجال

ایک آنکھ سے کانا' کریہہ صورت دجال ظاہر ہوگا جس کی پیشانی پر 'ک' 'ف' 'ر' لکھا ہوگا۔ جسے ہر شخص پڑھ لے گا چاہے پڑھا ہوا ہو یا نہ ہو۔ یہ عجیب و غریب شعبدے دکھا کر لوگوں کو گمراہ کرے گا اور مکہ مدینہ کے علاوہ پوری دنیا میں گھوم جائے گا۔ سارے شیاطین' یہودی اور اسلام دشمن طاقتیں اس کے ساتھ ہوں گی۔ وہ ۴۰ دن دنیا میں رہے گا' جن میں پہلا دن ایک سال کے برابر' دوسرا ایک مہینہ کے برابر' تیسرا ایک ہفتہ کے برابر اور بقیہ عام دنوں کے برابر ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا پیچھا کریں گے اور ان کو دیکھ کر وہ ایسا پگھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں پگھلنے لگتا ہے۔ تا آنکہ "بابِ لد" پر جا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کر ڈالیں گے)۔

(ابن ماجہ، کتاب الفتن حدیث: ۴۰۷۷)

③ دابۃ الارض

یہ ایک محیر العقول جانور ہوگا (جس کی اصل صورت و کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے) جو صفا پہاڑی سے نکل کر پوری دنیا میں گھوم جائے گا، اس کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی، وہ انگوٹھی سے ہر مؤمن کے چہرے پر ایمان کی مہر لگا دے گا اور عصا سے کافر پر کفر کا نشان لگا دے گا، اس کے بعد کافر الگ اور مؤمن بالکل الگ ہو جائیں گے، کسی کا ایمان و کفر چھپا ہوا نہ رہے گا)۔ (روح المعانی ۲۰/۲۲۔۲۴، المفہم ۷/۲۴۳)

④ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

قیامت کے بالکل قریبی زمانہ میں ایک دن سورج مشرق سے نکلنے کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا اور پھر لوٹ کر مغرب ہی میں غروب ہو جائے گا۔ اس علامت کے ظہور کے بعد توبہ کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا کیونکہ ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔)

(مسلم شریف مع المفہم للقرطبی ۷/۲۲۴، فتح الباری ۱۴/۴۳۲)

⑤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق متواتر نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور وہاں زندہ موجود ہیں اور مقررہ وقت پر دنیا میں نزول فرمائیں گے اور آپ کے ہاتھوں کانا دجال جہنم رسید ہوگا۔ (مسلم شریف ۲/۴۰۱)

⑥ یاجوج وماجوج کا خروج

یہ بھی اللہ کی عجیب وغریب مخلوق ہے، دجال کے قتل ہو جانے اور پوری دنیا میں اسلام کا پھریرا لہرانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی حیات میں کروڑوں کی تعداد میں یاجوج ماجوج

پوری دنیا کے چپہ چپہ پر اتر آئیں گے، یہ اتنی بڑی تعداد میں ہوں گے کہ تمام میٹھے پانی کے چشمے پی پی کر بالکل صاف کر دیں گے اور تمام دنیا کے جانوروں کو کھا جائیں گے اور جب انہیں کوئی نظر نہ آئے گا تو اپنے تیر آسمان کی جانب چلا کر یوں کہیں گے کہ ہم نے سب دنیا والوں کو ختم کر دیا اب آسمان والوں کا نمبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تیروں کو خون کے رنگ میں رنگ کر واپس لوٹا دے گا جس پر وہ اس غلط فہمی میں پڑ جائیں گے کہ ہم نے آسمان والوں کو بھی ختم کر ڈالا ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے حق میں بد دعا کریں گے جس کے نتیجہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو ایک خطرناک بیماری میں مبتلا کر کے مار ڈالے گا اور پوری زمین ان کی نعشوں سے پٹ جائے گا اور سخت بدبو اٹھ پڑے گی پھر اللہ تعالیٰ بڑے بڑے پرندوں کو بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں ڈال دے گے پھر اللہ تعالیٰ تیز ترین بارش سے روئے زمین کو دھو ڈالے گا اور زمین اپنے تمام خزانوں کو اگل دے گی حتیٰ کہ ایک ایک انار ایک بڑی جماعت کے لئے اور ایک اونٹنی کا دودھ تمام گھر والوں کے لئے کافی ہو جائے گا لیکن یہ رونق چند سالہ ہوگی پھر ایک ایسی عمدہ ہوا چلے گی جس سے تمام اہل ایمان کی روح قبض کر لی جائے گی اور روئے زمین پر سوائے کفار کے کوئی باقی نہ رہے گا۔ (کتاب الفتن/۳۵۶ ـ ۳۶۸ التذکرہ/۸۰۷تا۸۱۷، مسلم شریف ۲/۲۰۲، ۲/۴۰۲)

⑦، ⑧، ⑨ زمین دھنسنے کے تین واقعات

جن میں سے ایک واقعہ مشرق میں، دوسرا مغرب میں، تیسرا جزیرۃ العرب میں پیش آئے گا۔

⑩ یمن میں آگ

اور سب سے اخیر میں یمن کی جانب سے ایک آگ اٹھے گی جو لوگوں کو سمیٹ کر محشر کی جانب لے جائے گی (بعض روایتوں میں اس آگ کے حجاز سے نکلنے کا ذکر ہے تو ممکن ہے کہ دونوں جگہ سے آگ نکل کر لوگوں کو سمیٹ دے اور یہ واقعہ اس وقت پیش آئے گا جب روئے زمین پر کوئی مسلمان باقی نہ رہے گا۔ (مسلم شریف مع اکمال المعلم لقاضی عیاض ۸/۴۴۲)

علامت کی ترتیب

حدیث بالا میں جو علامتیں بیان کی گئی ہیں وہ بالترتیب نہیں ہیں بعض دیگر احادیث میں بالترتیب علامات بیان ہوئی ہیں مگر ان میں بھی اختلاف ہے' اس لئے اس موضوع کی تمام روایات کو سامنے رکھ کر محققین علماء نے یہ رائے قائم فرمائی ہے کہ یہ علامت دو طرح کی ہیں:

اوّل تمہیدی علامات ہیں جن کی ابتداء زمین دھنسنے کے واقعات سے ہوگی اس کے بعد دجال کا ظہور' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول' دخان اور یاجوج ماجوج کی آمد کے واقعات پیش آئیں گے۔

دوسرے وہ علامتیں ہیں جن کا تعلق نظام کائنات کی تبدیلی سے ہے اس سلسلہ کی ابتداء سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے ہوگی' اس علامت کو دیکھ کر چونکہ ہر آدمی کو اللہ کی قدرت پر یقین آ جائے گا اس لئے اب توبہ اور ایمان کا دروازہ بند ہو جائے گا' اور اسی دن شام کو ''دابۃ الارض'' نکلے گا جو کافر اور مؤمن کے درمیان حتمی طور پر امتیاز کر دے گا' پھر کچھ عرصہ کے بعد ایک خاص ہوا چلے گی جسے محسوس کر کے ہر مؤمن وفات پا جائے گا اور روئے زمین پر کوئی مؤمن باقی نہیں رہے گا' اس کے بعد سب سے آخری علامت کے طور پر ایک آگ کا ظہور ہوگا جو تمام باقی ماندہ انسانوں کو سمیٹ کر سرزمین شام میں جمع کر دے گی' یہیں میدانِ محشر بپا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے:

قَالَ اطَّلَعَ النَّبِیُّ ﷺ عَلَیْنَا وَنَحْنُ نَتَذَا کَرُ فَقَالَ مَاتَذَاکَرُوْنَ قَالُوْا نَذْکُرُ السَّاعَةَ قَالَ اِنَّهَا لَنْ تَقُوْمَ حَتّٰی تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشَرَ اٰیَاتٍ فَذَکَرَ الدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ وَالدَّآبَّةَ وَطُلُوْعَ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا وَنُزُوْلَ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَیَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ وَثَلٰثَةَ خُسُوْفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِیْرَةِ الْعَرَبِ ''وَاٰخِرُ ذٰلِکَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْیَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ اِلٰی مَحْشَرِهِمْ''۔

[ابو داود : ٤٣١١، ترمذی : ٢١٨٣، ٢١٨٣آ، ٢١٨٣ب، ٣١٨٣ج، ٣١٨٣د، ابن ماجہ : ٤٠٤١، ٤٠٥٥]

''......اوران دس علامتوں میں سے آخری علامت ایک آگ ہوگی جو یمن سے نمودار ہوگی اورلوگوں کوان کے محشر (ملک شام) کی طرف کھدیڑ دے گی۔''

مذکورہ بالا ترتیب سے کافی حد تک روایات کا تعارض ختم ہو جاتا ہے۔

(مستفاد فتح الباری ۱۴/ ۴۲۹، المفہم شرح مختصر مسلم للقرطبی ۷/ ۲۳۹_۲۴۳)

قیامت سے پہلے لوگوں کا شام میں اجتماع

قیامت کے بالکل قریب پرفتن زمانہ میں لوگوں کو جبری طور پر سرزمین شام میں سمیٹ دیا جائے گا اور مختلف انداز میں لوگ سمٹ کر یہاں جمع ہو جائیں گے، بخاری شریف کی روایت ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی ثَلَاثِ طَرَائِقَ رَاغِبِیْنَ رَاهِبِیْنَ وَاثْنَانِ عَلٰی بَعِیْرٍ وَّثَلَاثَةٌ عَلٰی بَعِیْرٍ وَّ اَرْبَعَةٌ عَلٰی بَعِیْرٍ وَعَشْرَةٌ عَلٰی بَعِیْرٍ وَتَحْشُرُ بَقِیَّتَهُمُ النَّارُ تَبِیْتُ مَعَهُمْ حَیْثُ بَاتُوْا وَتَقِیْلُ مَعَهُمْ حَیْثُ قَالُوْا وَتُصْبِحُ مَعَهُمْ حَیْثُ اَصْبَحُوْا وَتُمْسِیْ مَعَهُمْ حَیْثُ اَمْسَوْا۔ (بخاری شریف ٢/ ٩٦٥، حدیث : ٦٥٢٢)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو تین طریقوں پر جمع کیا جائے گا، کچھ لوگ تو (عافیت کی) رغبت کرنے والے اور (بدامنی سے) ڈرنے والے ہوں گے اور کچھ دو ایک اونٹ اور تین ایک اونٹ پر اور چار ایک اونٹ پر اور دس ایک اونٹ پر ہوں گے اور بقیہ لوگوں کو آگ سمیٹ کر لے چلے گی، اگر وہ لوگ دوپہر میں کہیں آرام کریں گے تو آگ بھی وہیں ٹھہری رہے گی اور رات کو جہاں سوئیں گے تو آگ ان کے ساتھ ہوگی اور صبح شام ہر وقت آگ ان کے ساتھ ساتھ رہے گی''۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں حضرت علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے مذکورہ حدیث کو قیامت سے پہلے کے واقعہ پر محمول فرمایا ہے، اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ جب حقیقی یا فتنہ کی آگ بھڑکے گی تو ایک جماعت (جسے راغبین وراہبین کہا گیا ہے) تو آرام سے سواریوں پر سوار ہو کر سابقہ خطرات سے ڈرتے ہوئے اور آگے کی عافیت کی امید رکھ

کر ملک شام پہنچے گی اور دوسرے (جن کی طرف ایک سواری پر کئی کئی کے سوار ہونے کے عنوان سے اشارہ کیا گیا ہے) وہ لوگ ہوں گے جو پہلے سے سستی کرنے کی وجہ سے بروقت الگ الگ سواری نہ پاسکیں گے اور ایک اونٹنی پر کئی کئی لوگ نمبروار ایک ساتھ بیٹھ کر محشر کی زمین کی طرف روانہ ہوں گے۔ اس وقت سواریوں کی ایسی قلت ہو جائے گی کہ آدمی ایک اونٹنی خریدنے کے لئے اپنا شاندار باغ تک دینے کو تیار ہو جائے گا (جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے) اور تیسرے وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس سواری ہی نہ ہوگی تو انہیں آگ ہنکا کر پیدل یا گھسیٹ کر محشر کے مقام پر جمع کردے گی۔

اس کے برخلاف جن روایات میں مذکورہ حشر کی صورت کے ساتھ قیامت کے دن کا قصہ آیا ہے تو وہ اس وقت پر محمول کرنا اولیٰ ہوگا جب حساب وغیرہ کے بعد جنت یا جہنم کی طرف لے جائیں گے تو اس وقت اہل ایمان سوار ہوں گے اور کفار کے چہروں کے بل گھسیٹ کر نہایت ذلت سے جہنم میں ڈال دیا جائے گا' واللہ اعلم۔ (فتح الباری ملخصاً ۱۴/۴۶۲-۴۶۵)

قیامت کن لوگوں پر قائم ہوگی؟

قیامت کے قیام کے وقت روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا باقی نہ رہے گا۔ پوری دنیا میں کفر و شرک کا دَور دَورہ ہوگا حتی کہ زمانۂ جاہلیت کی طرح عرب میں بھی بت پرستی عام ہو جائے گی اور لوگ جانوروں کی طرح بے حیائیوں اور بدکاریوں میں برسرعام مبتلا ہو جائیں گے۔ علامہ مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الفتن میں اس کی تفصیل اس طرح نقل فرمائی ہے:

"فیکون الذین یحشرون الی الشام لا یعرفون حقا ولا فریضة ولا یعملون بکتاب اللہ تعالٰی ولا سنة نبیه یرفع عنهم العفاف والوقار و یظهر فیهم الفحش ولا یعرف الرجل امراته ولا المراة زوجها یتهارجون هم والجن مائة سنة تهارج الحمیر والکلاب یقع علی المراة من الجن والانس و تتهارج الرجل بعضهم بعضًا و یعبدون الاوثان و ینسون اللہ تعالٰی فلا یعرفونه حتی ان القائل لیقول لصاحبه مافی السماء من اله شرار الاولین والاخرین۔" (کتاب الفتن/ ۳۸۰)

''پس جو لوگ شام کی طرف سمٹ جائیں گے، وہ کسی حق اور فرض کو نہ پہچانیں گے اور کتاب و سنت پر عامل نہ ہوں گے، حیاء اور وقار مروت سے محروم ہوں گے، ان میں عریانیت پھیل جائے گی، شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو نہ پہچانے گی، انسان و جنات سو سال تک گدھوں اور کتوں کی طرح برسر عام زنا کاری کریں گے، آدمی جناب و انسان عورت۔ سے مجامعت کریں گے اور مرد مرد سے اپنی خواہش پوری کریں گے اور بتوں کی پوجا کریں گے اور اللہ تعالیٰ کو بالکل بھول جائیں گے، حتیٰ کہ ایک دوسرے سے کہے گا کہ آسمان میں کوئی خدا نہیں ہے، یہ لوگ اوّلین و آخرین میں سب سے بدترین لوگ ہوں گے۔''

اس کے بعد اچانک قیامت آ جائے گی اور پھر کسی بھی کام کے لئے ایک سیکنڈ کی بھی مہلت نہ ملے گی، ارشادِ خداوندی ہے:

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ـ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ـ [السباء : ۲۹، ۳۰]

اور کہتے ہیں کب ہے وعدہ یہ اگر تم سچے ہو، آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے وعدہ ہے ایک دن کا نہ دیر کرو گے اس سے ایک گھڑی نہ جلدی۔''

اور بخاری شریف کی روایت میں ہے:

وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ بَيْنَهُمَا ثَوْبَهُمَا فَلَا يَتَبَايَعَانِهٖ وَلَا يَطْوِيَانِهٖ وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهٖ فَلَا يَطْعَمُهٗ وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يَلِيْطُ حَوْضَهٗ فَلَا يَسْقِيْ فِيْهِ وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ اَحَدُكُمْ اُكْلَتَهٗ اِلٰى فِيْهِ فَلَا يَطْعَمُهَا ـ (بخاری شریف ۲/۹۶۳، حدیث ۶۵۰۶)

(اور ضرور قیامت قائم ہوگی جبکہ دو شخص آپس میں اپنے کپڑے پھیلانے کو تیار ہوں گے مگر نہ اسے بیچ پائیں گے اور نہ لپیٹ پائیں گے اور قیامت آ جائے گی جبکہ ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ نکال کر لائے گا مگر اسے پی نہ پائے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی جبکہ ایک شخص اپنے حوض کی لپائی کر رہا ہوگا مگر اس میں جانوروں کو پانی نہ پلا پائے گا اور ضرور قیامت آ جائے گی کہ ایک شخص لقمہ منہ میں لینا چاہتا ہوگا مگر منہ تک نہ لے جا سکے گا (کہ قیامت آ جائے گی۔)

جب صور پھونکا جائے گا

اللہ تعالیٰ اپنے ایک مقربہ فرشتے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو قیامت کا صور (ایک ایک سینگ جس میں پھونک مارنے سے آواز نکلے گی) پھونکنے پر مامور فرما رکھا ہے اور یہ فرشتہ صور پھونکنے کے لئے بس اشارۂ خداوندی کا منتظر ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَيْفَ اَنْعَمُ وَصَاحِبُ الصُّوْرِ قَدِ الْتَقَمَ الْقَرْنَ وَاسْتَمَعَ الْاَذْنَ مَتٰى يُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ ـ

(رواه الترمذی ۲/۶۹، فتح الباری ۱۴/۴۴۸)

''میں کیسے مطمئن رہ سکتا ہوں جبکہ صور کا ذمہ دار (فرشتہ) صور منہ میں ڈال کر کان اللہ کی طرف لگائے ہے کہ کب صور پھونکے جانے کا حکم جاری ہو جائے۔''

چنانچہ جب مقررہ وقت آئے گا اور حضرت اسرافیل علیہ السلام رب العالمین کے حکم سے پہلا صور پھونکیں گے تو اس کی دہشت ناک آواز سے ہر شخص بے ہوش ہو جائے گا۔ حاملہ عورتیں مارے ڈر کے اپنے حمل گرا دیں گی، مائیں اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی، آسمان پھٹ پڑیں گے، پہاڑ اُڑے اُڑے پھریں گے، چاند سورج بے نور ہو جائیں گے۔ الغرض سارا نظام تہہ و بالا ہو جائے گا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ (۱۳) وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً (۱۴) فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (۱۵) وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ (۱۶)

(الحاقۃ)

''پھر جب پھونکا جاوے صور میں ایک بار پھونکنا اور اٹھائی جاوے زمین اور پہاڑ پھر کوٹ دیئے جائیں ایک بار پھر اس دن ہو پڑے وہ ہو پڑنے والی اور پھٹ جائے آسمان، پھر وہ اس دن بکھر رہا ہے۔''

اس دن اللہ تعالیٰ زمین اور آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے ہاتھ میں رکھے گا اور فرمائے گا:

اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ ـ ''میں ہی بادشاہ ہوں، کہاں گئے دنیا کے بادشاہ!''

اس کے بعد چالیس سال تک پورا عالم ویران رہے گا۔ (فتح الباری ۱۴/۴۵۰)

دوسری فصل:

دوبارہ زندگی اور میدانِ محشر میں اجتماع

پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا' جس کی وجہ سے تمام مردے زندہ ہو اٹھیں گے اور بے اختیار میدانِ محشر کی طرف چل پڑیں گے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ (۵۱) قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ (۵۲) إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ (۵۳) [یٰس]

''اور پھونکی جاوے صور پھر تبھی وہ قبروں سے اپنے ربّ کی طرف پھیل پڑھیں گے' کہیں گے اے خرابی ہماری! کس نے اٹھا دیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے' یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمٰن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے' بس ایک چنگھاڑ ہوگی' پھر اسی دم وہ سارے ہمارے پاس پکڑے چلے آئیں گے۔''

اور اس دن سب سے پہلے ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آئیں گے' آپ فرماتے ہیں:

فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ فَإِذَا مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔ [بخاری شریف ۲/۹۷۲' رقم: ۶۵۷۱]

''لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے پھر میں سب سے پہلے ہوش میں آؤنگا' تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا ایک کونہ پکڑے کھڑے ہیں' پس مجھے نہیں معلوم کہ آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہونے والوں میں تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بیہوشی سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔''

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ ابو العباس سے نقل فرماتے ہیں کہ جب پہلی مرتبہ صور پھونکا

جائے گا تو جو لوگ زندہ ہوں گے وہ مر جائیں گے اور حضرات انبیاء علیہم السلام جو اگرچہ پہلے سے وفات پا چکے ہیں مگر ان کو ایک خاص برزخی زندگی حاصل ہے تو وہ اس صور پھونکے جانے پر بیہوش ہو جائیں گے، پھر جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غشی سے افاقہ فرمائیں گے اور جب آپ دربارِ خداوندی میں پہنچیں گے تو دیکھیں گے کہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے ہی سے عرشِ ایزدی کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ تو آپ کو اس بارے میں تردد ہو گیا کہ آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس موقع پر بیہوشی سے محفوظ رکھا گیا (کیونکہ وہ طور پر تجلی کے وقت دنیا میں بیہوش ہو چکے تھے) یا یہ کہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بیہوشی سے افاقہ کی فضیلت عطا کی گئی ہے۔ بہر حال یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک جزئی فضیلت ہے اس سے کلی فضیلت لازم نہیں آتی۔ (التذکرہ للقرطبی ۱۹۱۔۱۹۲، روح المعانی ۲۴/۲۹)

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ کہ آنحضرت جس وقت اپنے روضۂ اقدس سے باہر تشریف لائیں گے تو ستّر ہزار فرشتے بھی اعزاز کے طور پر آپ کے ساتھ ہوں گے اور آپ کے دائیں بائیں سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

(التذکرہ/۲۱۴)

بعد ازاں جنت البقیع (مدینہ منورہ) اور جنت المعلیٰ (مکہ معظّمہ) کے مدفون حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوس میں شامل ہو کر میدانِ محشر کی طرف چلیں گے۔

اللہ کی عظمت وجلال کا زبردست مظاہرہ

انسان جب مر جاتا ہے تو اس کا بدن اگرچہ گل سڑ جائے اور فنا ہو جائے لیکن اس کی ریڑھ کی ہڈی کے نیچے ایک دانہ بہرحال کہیں نہ کہیں اللہ کے علم میں محفوظ رہتا ہے اور اسی دانہ پر اللہ تعالیٰ دوبارہ جسم عطا فرما کر مخلوقات کو زندگی عطا فرمائے گا۔ ہر شخص کو ساٹھ ہاتھ کا بدن عطا کیا جائے گا۔ اس دن سب بے ختنہ اور بے لباس ہوں گے اور سب بارگاہِ ربّ العزت کی طرف بے اختیار دوڑ پڑیں گے۔

دنیا کے تمام متکبرین کا غرور ٹوٹ جائے گا۔ امیر و غریب، غلام اور آقا، حاکم اور رعایا سب احکام الحاکمین کے سامنے عاجزی کے ساتھ حاضر ہوں گے۔ دہشت اور ہیبت کے مارے کسی کو

دَم مارنے کی ہمت نہ ہوگی' نفسانفسی کا عالم ہوگا اور جو جتنا بڑا اللہ کا مجرم ہوگا اتنی ہی زیادہ ذلت و نکبت اور دہشت ناک گھبراہٹ اس پر طاری ہوگی' اس ہولناک دن کا ایک منظر قرآنِ کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ (١٥) يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ ج لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ط لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ط لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (١٦) اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ط لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (١٧) وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ط مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ (١٨) [الغافر]

''تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے جس دن وہ لوگ نکل کھڑے ہوں گے' چھپی نہ رہے گی اللہ پر ان کی کوئی چیز' کس کا راج ہے اس دن؟ اللہ کا ہے' اکیلا ہے دباؤ والا' آج بدلہ ملے گا ہر جی کو جیسا اس نے کمایا بالکل ظلم نہیں آج ۔ بے شک اللہ جلد لینے والا ہے حساب اور خبر سنا دیجئے اس نزدیک آنے والے دن کی جس وقت دل پہنچیں گے گلوں کو' تو وہ دبا رہے ہوں گے' کوئی نہیں گنہگاروں کا دوست اور نہ سفارشی کہ جن کی بات مانی جائے ۔''

اللہ اکبر! اس دن کے تصور ہی سے دِل کانپ اٹھتا ہے اور بدن پر کپکپی چڑھ جاتی ہے' وہاں دنیا کا منصب' مال و دولت اور خاندان کچھ کام نہ آئے گا' کامران صرف اور صرف وہی ہوگا جس نے اس دن کے آنے سے پہلے ہی احکم الحاکمین کی خوشنودی حاصل کرنے کا انتظام کر رکھا ہوگا۔ اے ربّ کریم! ہم سب کو اس دن کی سختیوں سے امان عطا فرما۔ آمین' ثم آمین۔

میدانِ محشر کی زمین

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (٤٨) وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ (٤٩) سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (٥٠) لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (٥١)

[ابراھیم]

''جس دن بدلی جائے اس زمین سے اور زمین بدلے جائیں آسمان اور لوگ نکل کھڑے ہوں سامنے اکیلے زبردست کے اور دیکھے تو گنہگاروں کو اس دن باہم جکڑے ہوئے زنجیروں میں کرتے ان کے ہیں گندھک کے اور ڈھانکے لیتی ہے ان کو آگ تا کہ بدلے دے اللہ ہر ایک جی کو اس کی کمائی کا بے شک اللہ جلد کرنے والا ہے حساب۔''

اس زمین وآسمان کی تبدیلی کے متعلق حضرات علماء کی تین مختلف تشریحات ہیں:

① بہت سے حضرات نے فرمایا کہ یہ تبدیلی حقیقی اور ذاتی ہوگی اور موجودہ زمین کی جگہ ایسی زمین بچھائی جائے گی جس پر کسی معصیت کا صدور نہ ہوا ہوگا' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک موقوف روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے اس اعتبار سے یہ تبدیلی دونوں صور پھونکنے کے درمیانی عرصہ میں پیش آئے گی' یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکے جانے پر تو تمام زمین وآسمان بکھر جائیں گے' اس کے بعد حشر قائم ہونے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ نئے آسمان اور نئی زمین پیدا فرمادے گا اور اسی نئی زمین پر حشر بپا ہوگا۔ (فتح الباری ۱۴/ ۴۵۷)

② بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ آسمان اور زمین کی تبدیلی حقیقی نہیں ہوگی بلکہ اس کی صفات بدل دی جائیں گی' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ قیامت کے دن زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ دیا جائے گا اور اسی پر خلائق کو جمع کیا جائے گا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ زمین کے تمام پہاڑوں اور عمارتوں کو برابر کر کے بالکل چٹیل میدان میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ (فتح الباری ۱۴/ ۴۵۸)

③ اور تیسری رائے یہ ہے کہ زمین اور آسمان کی تبدیلی پہلے مرحلہ میں صور پھونکے جانے پر تو محض صفات کے اعتبار سے ہوگی اور پھر انہیں لپیٹ کر ان کی جگہ دوسری زمین اور آسمان قائم کر دیئے جائیں گے۔ (التذکرہ فتح الباری ۱۴/ ۴۵۶)

موجودہ زمین کو روٹی بنا دیا جائے گا

بخاری شریف میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تَكُوْنُ الْاَرْضُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خُبْزَةً وَّاحِدَةً يَّكْفَؤُهَا الْجَبَّارُ بِيَدِهٖ كَمَا يَكْفَأُ اَحَدُكُمْ خُبْزَتَهٗ فِي السَّفَرِ نُزُلًا لِّاَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ فَاَتٰى رَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ قَالَ بَارَكَ الرَّحْمٰنُ

عَلَيْكَ اَبَا الْقَاسِمِ اَلَآ اُخْبِرُكَ بِنُزُلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ بَلٰى قَالَ تَكُوْنُ الْاَرْضُ خُبْزَةً وَّاحِدَةً كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَنَظَرَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِاِدَامِهِمْ قَالَ بَلٰى قَالَ اِدَامُهُمْ بَالَامٌ وَّنُوْنٌ قَالُوْا وَمَا هٰذَا قَالَ ثَوْرٌ وَّنُوْنٌ يَّاْكُلُ مِنْ زَائِدَةِ كَبِدِهِمَا سَبْعُوْنَ اَلْفًا ۔ [بخاری : ۶۵۲۰]

’’قیامت کے دن زمین ایک روٹی بن جائے گی‘ جسے اللہ تبارک وتعالیٰ (برابر کرنے کے لئے) اپنے دستِ مبارک سے اس طرح الٹے پلٹے گا جیسے تم میں سے کوئی آدمی سفر میں (جاتے وقت) اپنی روٹی کو الٹتا پلٹتا ہے (یہی روٹی) اہل جنت کے لئے پہلے ناشتہ کی جگہ پیش کی جائے گی‘ پھر ایک یہودی شخص نے آ کر کہا‘ اے ابوالقاسم! اللہ رحمٰن ورحیم آپ پر برکت نازل فرمائے کیا میں آپ کو قیامت کے دن اہل جنت کی ضیافت کے بارے میں نہ بتاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیوں نہیں؟ تو اس نے کہا کہ زمین روٹی بن جائے گی جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا‘ یہ سن کر آنحضرت ﷺ ہماری طرف دیکھ کر مسکرائے تا آنکہ آپ ﷺ کے سامنے کے دانت ظاہر ہو گئے‘ پھر اس یہودی نے کہا کہ میں آپ کو اہل جنت کے سالن کے بارے میں نہ بتاؤ؟ ان کا سالن بیل اور مچھلی کا ہوگا (جو اتنے بڑے ہوں گے) کہ ان کے کلیجہ کے زائد حصہ سے ستر ہزار افراد نوش کریں گے۔‘‘

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میدانِ محشر میں اہل ایمان جنتی بھوکے نہیں رہیں گے بلکہ اسی زمین کو ان کے لئے روٹی بنا دیا جائے گا اور یہ گویا کہ اللہ کی طرف سے اعزازی ناشتہ ہوگا اور اللہ کی قدرتِ کاملہ سے یہ ہرگز بعید نہیں ہے‘ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ویستفاد منه ان المؤمنین لا یعاقبون بالجوع من طول زمان الموقف بل یقلب الله لهم بقدرته طبع الارض حتی یاکلونها من تحت اقدامهم ماشاء الله بغیر علاج ولا کلفة ویکون معنی قوله نزلا لاهل الجنة ای الذین یصیرون الی الجنة اعم من کون ذلك یقع بعد الدخول الیها او قبله‘ والله اعلم۔“

(فتح الباری ۱۴ / ۴۵۵)

''اور اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ قیامت کے دن میدانِ محشر کے لئے لمبے عرصہ میں اہل ایمان کو بھوکا نہیں رکھا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ان کے لئے زمین کی حقیقت و ماہیت بدل دے گا۔ چنانچہ مؤمنین اپنے اپنے قدموں کے نیچے سے بغیر کسی تکلیف اور مشقت کے جو اللہ چاہے گا کھائیں گے اور زمین کے اہل جنت کے لئے ناشتہ ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ ان لوگوں کو دیا جائے گا جو عنقریب جنت میں پہنچنے والے ہیں' گویا کہ یہ لفظ عمومی معنی میں ہے جنت میں داخلہ سے پہلے کے لئے اور بعد کے لئے بھی۔ واللہ اعلم۔

اس سلسلہ میں محدثِ کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ محشر میں لوگوں کے قدم تین جگہ الگ الگ وقت میں ہوں گے' اوّلاً سب محشر کی زمین پر ہوں گے' پھر سب پل صراط پر جائیں گے جن میں سے کچھ جہنم میں گر جائیں گے اور بقیہ بچ کر جنت کی زمین پر پہنچ جائیں گے' جب سب لوگ محشر کی زمین سے ہٹ جائیں گے اور یہ زمین خالی ہو جائے گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس زمین کو روٹی بنا کر جنت میں داخل ہونے والوں کو پہلی مہمانی کے طور پر پیش فرمائے گا' واللہ اعلم۔ (فیض الباری ۴/۴۳۲) مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ دنیا کی زمین تو روڑے اور پتھروں پر مشتمل ہے' اسے اہل جنت کیسے کھا سکتے ہیں؟ تو اس کا حل فرماتے ہوئے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس دن زمین کو چھان کر کثیف چیزیں علیحدہ کرلی جائیں گی اور لطیف اشیاء کو روٹی کی شکل دی جائے گی۔ یہی مقتضائے عقل ہے کیونکہ زمین میں ہر طرح کی استعدادیں موجود ہیں اور ان میں امتیاز کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ بھی دشوار نہیں۔

(معارف الاکابر ۲۶۶' بحوالہ حسن العزیز ۱/۱۴۶)

میدانِ محشر کی عزت وذلت

میدانِ محشر میں تمام اوّلین و آخرین کروڑ یا کروڑ اور ارب ہا ارب جنات و انسان سب بیک وقت جمع ہوں گے اور ہر شخص ایک دوسرے کو دیکھتا ہوگا اور ہر کارروائی کا مشاہدہ کرتا ہوگا' اس دن جسے عزت ملے گی اس سے بڑھ کر کوئی عزت نہیں اور جو بدنصیب اس دن ذلیل ہو

جائے گا اس سے بڑھ کر کائنات میں کوئی ذلت نہیں' ذرا غور فرمایئے دنیا میں اگر کسی کو کامیابی مل جائے تو آخر کتنے لوگوں کو اس کی خبر ہو پاتی ہے اس خبر ہونے کی آخری حد یہ ہے کہ دنیا میں موجود بس زندہ لوگوں کو پتہ چل جائے لیکن جو لوگ قبر میں جا چکے یا جو بعد میں پیدا ہوں گے انہیں اس کامیابی کی کچھ خبر نہ مل پائے گی۔ اس معنی کو یہ عزت بھی بہت محدود ہے' اس کے برخلاف جب میدانِ محشر میں کسی خوش نصیب بندے کی کامیابی کا اعلان ہوگا اور برسرِ عام اس کا اعزاز واکرام کیا جائے گا تو تمام اولین وآخرین اس سے باخبر ہوں گے اور عزت کا دائرہ اتنا وسیع ہوگا جس کا لفظوں میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا' لہٰذا وہاں کی عزت ہی حقیقتاً عزت کہے جانے کے لائق ہے۔ یہی حال وہاں کی ذلت کا ہے' دنیا کی بڑی سے بڑی ذلت بھی محدود ہے لیکن خدانخواستہ میدانِ محشر کی ذلت سے واسطہ پڑ جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں ہو سکتی' اسی لئے قرآنِ کریم میں جا بجا میدانِ محشر میں کافروں کی ذلت ناک حالت کے مناظر بیان فرمائے ہیں' چند آیات ملاحظہ ہوں:

① وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ۚ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ (۴۲) مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ (۴۳)

[ابراهيم]

"اور ہرگز مت خیال کر کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف' ان کو تو ڈھیل دے رکھی ہے اس دن کے لئے کہ پتھرا جائیں گی آنکھیں' دوڑتے ہوں گے اوپر اٹھائے اپنے سر' پھر کر نہیں آئیں گی ان کی طرف ان کی آنکھیں اور دل ان کے اڑ گئے ہوں گے۔"

② وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۚ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۚ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۔ [بنی اسرائیل : ۹۷]

"......اور اٹھائیں گے ہم ان کو قیامت کے دن' چلیں گے منہ کے بل' اندھے اور گونگے اور بہرے۔"

③ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی (۱۲۴) قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا (۱۲۵) قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی (۱۲۶) [طٰهٰ]

''اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملنی ہے گزران تنگی کی اور لائیں گے اس کو ہم قیامت کے دن اندھا' وہ کہے گا اے ربّ کیوں اٹھالایا تو مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھنے والا' فرمایا یونہی پہنچی تھیں تجھ کو ہماری آیتیں' پھر تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیں گے۔''

④ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ (۱۲) [الٓمّٓ سجدة]

''اور کبھی تو دیکھے جس وقت کہ منکر اپنے ربّ کے سامنے سر ڈالے ہوئے ہوں گے (اور کہہ رہے ہوں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو بھیج دے کہ ہم کریں بھلے کام' ہم کو یقین آ گیا۔''

⑤ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا (۱۰۲) یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا (۱۰۳) نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا (۱۰۴) [طٰهٰ]

''جس روز صور میں پھونک ماری جاوے گی اور ہم اس روز مجرم لوگوں کو اس حالت سے جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی' چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے کہ تم لوگ صرف دس روز رہے ہو گے جس کی نسبت وہ بات کریں گے' اس کو ہم خوب جانتے ہیں جبکہ ان سب میں کا زیادہ صائب الرائے یوں کہتا ہوگا کہ نہیں! تم ایک ہی روز رہے ہو۔''

یہ تو چند مناظر بیان کئے گئے ہیں ورنہ اس دن بے ایمانوں اور بے عملوں کو جس بدترین ذلت کا سامنا ہوگا اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور اس کے بالمقابل اہل ایمان جس عزت و تکریم سے نوازے جائیں گے وہ بھی ناقابل بیان ہے' اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہاں کی رسوائی سے بچائے اور حقیقی عزت سے نوازے۔ آمین

میدانِ محشر میں سب سے پہلے لباس پوشی

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے' وہ فرماتے ہیں:

قَامَ فِينَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا بِمَوْعِظَةٍ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّكُمْ تَحْشُرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ اَلَا وَاِنَّ اَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلَا وَاِنَّهٗ سَيُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ اُمَّتِيْ فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اَصْحَابِيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ قَالَ فَيُقَالُ لِيْ اِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ وَفِيْ حَدِيْثِ وَكِيْعٍ وَّمُعَاذٍ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ ۔[بخاری : ۳۳۴۹' ۳۴۴۷' ۴۶۲۵' ۴۶۲۶' ۴۷۴۰' ۶۵۲۶' ترمذی : ۴۲۲۳' ۳۱۶۷' نسائی : ۲۰۸۶ بخاری شریف ۲/۹۶۶' رقم ۲۵۲۶]

''......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ تم سب کو ننگے پیر' ننگے بدن' ختنہ کے بغیر جمع کیا جائے گا (ارشادِ خداوندی ہے) جیسے ہم نے پہلی مرتبہ بنایا اسی طرح ہم دوبارہ پیدا کردیں گے اور مخلوقات میں جسے قیامت کے دن سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو قبطی کپڑوں کا لباس پہنایا جائے گا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش کی دائیں جانب دھاری دار جوڑا زیب تن کرایا جائے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ اعزاز سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کئے جانے کی وجہ کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

① علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ جب آپ کو نمرود نے آگ میں ڈالنے کا حکم دیا تو آپ کو اللہ کے راستے میں بے لباس کیا گیا اس کی جزاء کے طور پر سب سے پہلے آپ کی لباس پوشی کرائی جائے گی۔

② علامہ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چونکہ روئے زمین پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ اللہ سے خوف کرنے والا کوئی نہ تھا اس لئے آپ کو لباس پہنانے میں جلدی کی جائے گی تاکہ آپ کا دِل مطمئن ہو جائے۔

③ اور بعض آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دن لوگوں پر فضیلت ظاہر کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے گا۔

اور اس اعزازی معاملہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی مطلق فضیلت حاصل ہو، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جوڑا پہنائے جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جوڑے سے زیادہ شاندار ہوگا' تو اگرچہ اولیت نہ ہو لیکن اس کی عمدگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کا پتہ دیتی ہے۔ (فتح الباری ۱۴/ ۴۶۸)

محشر میں پسینہ ہی پسینہ

میدانِ محشر کی ہولناک حالتوں میں سے ایک حالت یہ بھی ہوگی کہ اس دن ہر بدعمل شخص اپنی بدعملی کے بقدر پسینے میں شرابور ہوگا اور اس قدر پسینہ نکلے گا کہ محشر کی زمین میں ستّر ہاتھ تک نیچے چلا جائے گا' بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَعْرِقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الْأَرْضِ سَبْعِيْنَ ذِرَاعًا وَ يُلْجِمُهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ اٰذَانَهُمْ۔ [بخاری شریف ۲ /۹۶۷ حدیث: ۶۵۳۲]

''قیامت کے دن لوگ پسینہ میں شرابور ہوں گے' یہاں تک کہ ان کا پسینہ زمین سے ستّر ہاتھ تک نیچے اتر جائے گا اور ان کو پسینہ لگام کی طرح چپٹ جائے گا' یہاں تک کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔''

اور مسلم شریف میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

تُدْنَى الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰى تَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ قَالَ سُلَيْمُ

بْنُ عَامِرٍ فَوَاللّٰهِ مَآ اَدْرِیْ مَا یَعْنِیْ بِالْمِیْلِ اَمَسَافَةَ الْاَرْضِ اَوِالْمِیْلَ الَّذِیْ تُکْتَحَلُ بِهِ الْعَیْنُ قَالَ فَیَکُوْنُ النَّاسُ عَلٰی قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِی الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَنْ یَّکُوْنُ اِلٰی کَعْبَیْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ یَّکُوْنُ اِلٰی رُکْبَتَیْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ یَّکُوْنُ اِلٰی حَقْوَیْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ یُّلْجِمُهُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا قَالَ وَاَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِیَدِهٖ اِلٰی فِیْهِ۔

[مسلم شریف ۲/۲۸۴، حدیث: ۷۲۰۶۔ الترغیب والترهیب ٤ / ۲۰۹۔ ترمذی: ۲٤۲۱]

''قیامت کے دن سورج مخلوقات سے بالکل قریب آ جائے گا یہاں تک کہ لوگوں سے اس کا فاصلہ ایک میل کے بقدر رہ جائے گا۔ سلیم بن عامر فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے میل سے زمین کی مسافت مراد لی ہے یا وہ میل (سرمہ کی سلائی) مراد ہے جس سے آنکھ میں سرمہ لگایا جاتا ہے' آگے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کچھ لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کا پسینہ ٹخنوں میں ڈوبا ہوا ہوگا' کچھ کا گھٹنوں تک ہوگا' کچھ کا پیٹھ تک ہوگا اور کوئی پورا ہی پسینہ میں ڈوبا ہوا ہوگا اور آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے منہ کی طرف اشارہ فرمایا (یعنی پسینہ منہ تک پہنچ رہا ہوگا۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایک ہی میدان میں جبکہ بھیڑ اتنی زیادہ ہوگی کہ ہر شخص کو صرف اپنا قدم ہی ٹکانا میسر آئے گا لوگ اپنی اپنی بداعمالیوں کے بقدر پسینوں میں ڈوبے ہوں گے یہ ایسی ہولناک صورت ہے کہ عقل انسانی اس کا تصور کرنے سے بھی عاجز ہے مگر اس پر ایمان لانا ضروری اور لازم ہے۔ (فتح الباری ۱۴/۴۸۱)

اس ہولناک دن میں کچھ اللہ کے مخصوص بندے ایسے بھی ہوں گے جن کو سورج کی گرمی ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچا سکے گی اور وہ اس دن بھی امن وامان اور عافیت میں ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے: ''ولا یضرحرها یومئذ مومنا ولا مؤمنة'' یعنی اس دن سورج کی گرمی سے مؤمن مرد وعورت کو کوئی تکلیف نہ ہوگی اس سے مراد کامل مؤمنین ہیں جیسے حضرات انبیاء' صدیقین اور شہداء کہ ان کو میدانِ محشر میں کسی تکلیف کا سامنا نہ ہوگا۔

(فتح الباری ۱۴/۴۸۱، ۴۸۰ التذکرہ ۲۷۶۔۲۷۵)

محشر کے دن کی طوالت

محشر کا دن عام دنیا کے دنوں کی طرح نہیں ہوگا بلکہ دنیا کے دنوں کے اعتبار سے اس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی جیسا کہ قرآنِ کریم میں سورۂ معارج میں ارشاد فرمایا گیا ہے نیز متعدد احادیث میں بھی یہ مقدار وارد ہے۔ (تفسیر ابن کثیر کامل: ۱۳۷۸)

اس طوالت کی وجہ سے کافروں اور بدعملوں کا حال خراب سے خراب تر ہو جائے گا اور وہ دن کاٹے نہیں کٹے گا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے اس طویل ترین دن کو اہل ایمان کے لئے ایک فرض نماز گزرنے کے بقدر ہلکا فرما دے گا۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

يُخَفَّفُ الْوُقُوْفُ عَنِ الْمُؤْمِنِ حَتّٰى يَكُوْنَ كَصَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ۔

"محشر میں وقوف کا زمانہ مؤمن پر اتنا مختصر کر دیا جائے گا جیسا کہ ایک فرض نماز کا وقت ہوتا ہے۔"

اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ قیامت کا دن مؤمن کے لئے دنیا کے ایک دن کی چھوٹی سے چھوٹی ایک ساعت کے بقدر ہو جائے گا۔ (فتح الباری ۱۴/ ۵۴۷)

یعنی صلحاء مؤمنین اس دن اتنی عافیت سے ہوں گے کہ انہیں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو میدانِ محشر میں ایسی ہی عافیت عطا فرمائے۔ (آمین)

تیسری فصل:

حوضِ کوثر

میدانِ محشر میں جبکہ پیاس کی شدت حد سے تجاوز کر رہی ہوگی تو حضرات انبیاء علیہم السلام کو الگ الگ حوض عطا کیا جائے گا تاکہ وہ اپنے مؤمن امتیوں کو پانی پلائیں اور ان کی پیاس بجھائیں، اس دن سب سے بڑا حوض اور پینے والوں کا سب سے بڑا مجمع ہمارے آقا جناب رسول اللہ ﷺ کے حوضِ کوثر پر ہوگا اور آپ وہاں بنفس نفیس تشریف فرما ہو کر اپنی امت کو سیراب

فرمائیں گے۔ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَاِنَّهُمْ يَتَبَاهُوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُوْا رِدَةً وَاِنِّىْ اَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً۔

''ہر نبی کا الگ حوض ہوگا اور وہ اس بات پر فخر کریں گے کہ کس کے پاس کتنے زیادہ پینے والے آتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ میں ہی ان میں سب سے زیادہ سیراب کرنے والا ہوں گا (میرے ہی پاس سب سے زیادہ پینے والے لوگ آئیں گے)۔

آنحضرت ﷺ کا حوض انتہائی عظیم الشان ہوگا' اس کی وسعت اور خوبی بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

حَوْضِىْ مَسِيْرَةُ شَهْرٍ وَّزَوَايَاهُ سَوَاءٌ وَّمَاءُهٗ اَبْيَضُ مِنَ الْوَرَقِ وَرِيْحُهٗ اَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَكِيْزَانُهٗ كَنُجُوْمِ السَّمَآءِ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ لَا يَظْمَأُ بَعْدَهٗ اَبَدًا۔

[مسلم شریف ۲/۲۴۹' رقم : ۲۲۹۲' بخاری : ۶۵۷۹'۶۵۹۳'۷۰۴۸]

''میرے حوض کی مسافت ایک مہینہ چلنے کے برابر ہے اندازاً (سات سو کلومیٹر) اور اس کے چاروں اطراف برابر ہیں اور اس کا پانی چاندی سے زیادہ سفید ہے اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ عمدہ ہے اور اس کے آگے آب خورے آسمان کے ستاروں کی طرح (ان گنت) ہیں لہٰذا جو اس کو پی لے گا وہ پھر کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔''

اور ایک روایت میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس کے پانی کے ذائقہ کے متعلق استفسار پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنِّىْ لَبِعُقْرِ حَوْضِىْ اَذُوْدُ النَّاسَ لِاَهْلِ الْيَمَنِ اَضْرِبُ بِعَصَاىَ حَتّٰى يَرْفَضَّ عَلَيْهِمْ فَسُئِلَ عَنْ عَرْضِهٖ فَقَالَ مِنْ مَقَامِىْ اِلٰى عَمَّانَ وَسُئِلَ عَنْ شَرَابِهٖ فَقَالَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ وَ اَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ يَغُتُّ فِيْهِ مِيْزَابَانِ يَمُدَّانِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ اَحَدُهُمَا مِنْ ذَهَبٍ وَّ الْاٰخَرُ مِنْ وَّرِقٍ۔ [مسلم شریف ۲/۲۵۱۔ حدیث : ۵۹۹۰]

''......وہ دودھ سے بھی زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے اور اس میں جنت سے دو پرنالے آکر گر رہے ہیں ایک سونے کا پرنالہ ہے اور دوسرا چاندی کا۔''

پہچان کیسے ہوگی؟

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اپنے حوضِ کوثر کی صفات بیان فرمارہے تھے، درمیان میں یہ بھی فرمایا کہ میں اس دن حوض پر کھڑے ہوکر غیر امتیوں کو اس طرح ہٹا رہا ہوں گا جیسے کوئی شخص اپنے ذاتی جانوروں کے پانی پلانے کی جگہ سے غیروں کے جانوروں کو ہنکاتا ہے۔ یہ سن کر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی حیرت سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس دن (اتنے بڑے عظیم مجمع اور بھیڑ میں) ہمیں پہچان لیں گے؟ تو آنحضرت ﷺ نے خوشخبری سنائی:

نَعَمْ لَكُمْ سِيمَا لَيْسَتْ لِاَحَدٍ مِّنَ الْاُمَمِ تَرِدُوْنَ عَلَيَّ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ۔ [مسلم : ۵۸۱ ـ ابن ماجه : ۴۲۸۲]

”جی ہاں! تمہاری ایسی نشانی ہوگی جو کسی اور امت کے لئے (اس طرح کی) نہ ہوگی، تم میرے حوض پر وضو کے اثر سے چمکتے اعضاء کے ساتھ آؤ گے۔“

معلوم ہوا کہ کثرت سے اور اہتمام سے وضو کرانا میدانِ محشر میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے امتیاز کا سبب ہوگا اور اس کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ ہر امتی کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔

سب سے پہلے حوضِ کوثر سے سیراب ہونے والے

ویسے تو ہر امتی ان شاء اللہ حوضِ کوثر سے سیراب ہوگا لیکن کچھ خوش نصیب اور سعادت مند حضرات ایسے ہوں گے جن کو سب سے پہلے سیراب ہونے کا اعزاز ملے گا، ان کی صفات بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَوَّلُ النَّاسِ وُرُوْدًا عَلَيْهِ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ الشُّعْثُ رُؤُوْسًا الَّذِيْنَ ثِيَابًا الَّذِيْنَ لَا يَنْكِحُوْنَ الْمُتَنَعِّمَاتِ وَلَا يُفْتَحُ لَهُمُ الدَّارُ۔

”سب سے پہلے حوضِ کوثر پر آنے والے مہاجر فقراء حضرات ہوں گے جو (دنیا میں) پراگندہ بال والے اور میلے کچیلے کپڑے والے ہوں گے، جو ناز ونعم میں رہنے والی عورتوں سے نکاح نہیں کرتے اور گھر کے دروازے ان کے لئے کھولے نہیں جاتے (ان کی دنیوی

بے سروسامانی کی وجہ سے)۔''

یعنی ان کی بے کسی دیکھ کر کوئی ناز و نعم میں پلنے والی عورت ان سے نکاح کرنے پر تیار نہ ہوگی اور اگر وہ کسی کے دروازے پر جائیں گے تو ان کے لئے لوگ دروازے کھولنا بھی پسند نہ کریں گے' دنیا میں تو ان کا یہ مسکنت کا حال ہوگا اور آخرت میں ان کا وہ اعزاز و اکرام ہوگا کہ سب سے پہلے حوضِ کوثر پر بلائے جائیں گے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ یہ عاجزی اور مسکنت قربِ خداوندی کا ذریعہ ہے۔

بے عمل اور بدعتی حوضِ کوثر سے دھتکارے جائیں گے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ستر ہزار فرشتے اس کام پر مقرر ہوں گے کہ کوئی کافر یا غیر مستحق انبیاء علیہم السلام کے حوض سے سیراب نہ ہونے پائے۔ (التذکرہ: ۳۴۸) چنانچہ حوضِ کوثر پر بھی بڑی تعداد میں فرشتوں کا پہرا ہوگا' اسی درمیان یہ صورت پیش آئے گی کہ بعض لوگ جو ظاہری نشانیوں سے مسلمان معلوم ہوتے ہوں گے حوضِ کوثر کی طرف بڑھ رہے ہوں گے' مگر فرشتے انہیں دور ہی سے روک لیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر فرشتوں سے فرمائیں گے کہ یہ تو میرے آدمی ہیں (انہیں کیوں روکتے ہو) تو فرشتے جواب دیں گے کہ حضرت! آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا (برے) عمل کئے ہیں' یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں دھتکار دیں گے۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ وَّرَدَ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ اَبَدًا وَّلَيَرِدَنَّ عَلَيَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنِيْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَيَقُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا عَمِلُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِّمَنْ بَدَّلَ بَعْدِيْ۔

[بخاری: ۷۰۵۰' ۷۰۵۱۔ مسلم شریف ۲/ ۲۴۹۔ حدیث: ۵۹۶۹]

''میں حوضِ کوثر پر تمہارا منتظر رہوں گا' جو وہاں حاضر ہوگا وہ اس کا پانی پئے گا اور جو پانی پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا اور میرے سامنے کچھ ایسے لوگ آئیں گے جنہیں میں جانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے' پھر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ کر دی جائے گی تو

میں کہوں گا کہ وہ تو میرے لوگ ہیں' تو جواب میں کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے پیچھے کیا کیا کارستانیاں کی ہیں؟ تو میں کہوں گا بربادی ہے' بربادی ہے اس شخص کے لئے جس نے میرے بعد دین میں تبدیلی کا ارتکاب کیا۔''

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے معتبر علماء کی رائے یہ ہے کہ جو شخص بھی نعوذ باللہ دین سے ارتداد اختیار کرے گا یا دین میں کوئی نئی بدعت ایجاد کرے گا جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہ ہو تو وہ قیامت کے روز حوضِ کوثر سے دھتکار دیئے جانے والوں میں شامل ہوگا اور ان میں سب سے شدت کے ساتھ ہٹائے جانے والوں میں وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پیدا کیا ہوگا اور ان کے راستہ سے الگ راہ اختیار کی ہوگی جیسے خوارج' رافضی اور معتزلہ جیسے گمراہ فرقے جنہوں نے دین کے اندر تبدیلی کی کوشش کی' اسی طرح وہ ظالم حکمران بھی حوضِ کوثر سے دھتکارے جائیں گے جنہوں نے اہل حق کے ساتھ ظلم و ناانصافی اور قتل و غارت گری کا معاملہ کیا ہوگا اور وہ اپنی رعایا پر ظلم و ستم میں حد سے تجاوز کر گئے ہوں گے' نیز وہ برسرِ عام معاصی و منکرات کے عادی لوگ بھی حوض سے دور رکھے جائیں گے جو احکامِ خداوندی کا استخفاف کرتے ہوں گے' یہی حال دیگر اہل بدعت اور اربابِ زیغ و ضلال کا ہوگا' پھر اگر وہ دین میں صرف عملی طور پر تبدیلی کے مرتکب ہوں گے اور عقیدہ ان کا زیادہ خراب نہ ہوگا تو انہیں بعد میں مغفرت کے بعد حوضِ کوثر سے سیرابی کا موقع مل سکے گا اور اس اعتبار سے اگرچہ ان کی پہچان اعضاء وضو کی روشنی سے ہو جائے گی مگر پھر بھی وہ اپنی بدعملی کی وجہ سے ابتداء میں دھتکارے جانے کے مستحق ہوں گے' لیکن اگر عقیدہ ہی میں ناقابل تلافی فساد ہوگا' جیسے کہ دورِ نبوی کے پائے جانے والے منافقین جو دل میں کفر چھپا کر محض زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے تھے' تو انہیں کبھی بھی حوضِ کوثر سے سیرابی کا موقع فراہم نہ ہوگا' پہلے ان کی ظاہری صورت دیکھ کر بلائیں گے مگر حقیقت سامنے آنے اور پردہ فاش ہو جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سُحْقًا سُحْقًا کہہ کر انہیں وہاں سے دھتکار دیں گے۔ العیاذ باللہ۔ (التذکرہ فی احوال الموتی والآخرۃ ۳۵۲)

ایک اشکال کا جواب

یہاں ایک اشکال یہ کیا جا سکتا ہے کہ حدیث میں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر صاحب ایمان امتی

حوضِ کوثر سے پانی پئے گا اور جو ایک مرتبہ پانی پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہو گا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ حوض پل صراط سے پہلے ہو گا' یعنی حوض سے پانی پینے کے بعد بھی اہل کبائر کے جہنم میں جانے کا فیصلہ ہو گا اور پل صراط سے گزرتے ہوئے انہیں جہنم میں کھینچ لیا جائے گا تو یہ بات بظاہر سمجھ میں نہیں آتی کہ جب حوضِ کوثر سے پانی پی لیا اور اس کی وجہ سے پیاس ہمیشہ کے لئے بجھ گئی تو پھر اب کسی بدکردار اور ظالم یا بدعتی کو جہنم میں کیسے بھیجا جائے گا اور کیا جہنم کی خطرناک آگ میں جا کر بھی وہ پیاس سے محفوظ رہے گا؟

اس کا جواب دیتے ہوئے شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ جن اہل کبائر کا جہنم میں جانا مقدر ہو گا اور وہ حوضِ کوثر کا پانی نوش کر چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں پیاس کے علاوہ دیگر طریقوں سے عذاب دے گا' حوضِ کوثر کا پانی نوش کرنے کی وجہ سے وہ آئندہ پیاس کے عذاب سے محفوظ رکھے جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (التذکرہ ۳۵۴)

بہرحال ہمیں اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم کسی ایسی بدعملی اور بدعقیدگی میں ہرگز مبتلا نہ ہوں جو ہمیں حوضِ کوثر سے محروم کر کے میدانِ محشر میں بدترین رسوائی اور ذلت سے دوچار کر دے۔ بالخصوص ہر مسلمان کو بدعت اور ضلالت سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور کتاب وسنت اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال اور اجماع امت پر مضبوطی سے عامل رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو گمراہی اور بدعات سے محفوظ رکھے اور میدانِ محشر میں اعزاز کے ساتھ حوضِ کوثر سے سیرابی کا اپنے فضل وکرم سے موقع عطا فرمائے۔ آمین

چوتھی فصل:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعتِ کبریٰ

میدانِ محشر کی طویل ہولناکیوں کی وجہ سے لوگ پریشان ہوں گے اور تمنا کریں گے کہ جلد حساب کتاب کے مرحلہ سے نبٹ کر لوگ اپنے اپنے مقام پر پہنچیں اور انتظار کی زحمت ختم ہو

چنانچہ وہ ربّ العالمین کے دربار میں سفارش کرانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کا وسیلہ تلاش کریں گے، سب سے پہلے سیّدنا حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کی درخواست کریں گے، مگر وہ معذرت کریں گے، پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ بھی معذرت پیش کریں گے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کریں گے وہ سب حضرات سفارش کی ہمت نہ کر پائیں گے، اخیر میں سیّد الاولین والاخرین، امام الانبیاء والمرسلین سرورِ کائنات، فخر دوعالم، شفیع اعظم، صاحب مقام محمود، سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے:

يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَغَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ اشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ أَلَا تَرٰى مَا نَحْنُ فِيْهِ أَلَا تَرٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَأَنْطَلِقُ فَاٰتِيْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَقَعُ سَاجِدًا لِّرَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيَّ وَيُلْهِمُنِيْ مِنْ مَّحَامِدِهٖ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَّمْ يَفْتَحْهُ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ ثُمَّ يُقَالَ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ اشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَرْفَعُ رَأْسِيْ فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَّا حِسَابَ عَلَيْهِ مِنْ بَابِ الْأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيْمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَّصَارِيْعِ الْجَنَّةِ لَكَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرٍ أَوْ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَبُصْرٰى۔

[مسلم شریف ۱/۱۱۱ حدیث: ۴۸۰ ۔ بخاری: ۳۳۶۱، ۳۳۴۰، ۴۷۱۲، ترمذی: ۲۴۳۴]

''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اللہ کے رسول اور خاتم النّبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے سب گناہوں کی معافی کا اعلان فرمایا (یعنی آپ کو کسی پوچھ گچھ کا خطرہ نہیں ہے) آپ اپنے پروردگار کے روبرو ہماری سفارش فرمائیے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں اور ہمارا حال کہاں تک پہنچ گیا ہے۔......'' الخ

ان لوگوں کی درخواست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمائیں گے اور عرشِ خداوندی کے نیچے جا کر پروردگارِ عالم کے دربار میں سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اللہ ربّ العالمین اسی وقت آپ کے

دل پر اپنی حمد وثناء کے ایسے شاندار الفاظ اور تعبیرات کا القاء فرمائیں گے جو اس سے پہلے کسی کے خواب وخیال اور تصور میں بھی نہ آئے ہوں گے۔ ایک عرصہ دراز تک (جس کا علم اللہ ہی کو ہے) آپ سجدہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء فرماتے رہیں گے، پھر رحمت خداوندی کو جوش آئے گا اور آواز دی جائے گی۔

یَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ اشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ [مسلم شریف ۱/ ۱۱۱]

''اے محمد! سر اٹھایئے، مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا، سفارش فرمایئے آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔''

چنانچہ آپ ﷺ سر اٹھائیں گے اور سب سے پہلے اپنی امت کا حساب کتاب جلدی شروع کئے جانے کی درخواست کریں گے۔ (فتح الباری ۱۴/ ۵۳۵)

حساب کتاب شروع کرانے کی سفارش یہی آنحضرت ﷺ کا بلند ترین مقام محمود ہے جس کا تذکرہ قرآنِ کریم کی آیت: ﴿عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ [بنی اسرائیل: ۷۹] میں کیا گیا ہے۔ (فتح الباری ۱۴/ ۵۲۰)

شفاعت کی اقسام

مشہور شارحِ حدیث قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شفاعت کی پانچ قسمیں ہیں:

① میدانِ محشر کی ہولناک نجات اور حساب کتاب شروع کرانے کی شفاعت، یہ ہمارے آقا جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے (جیسا کہ اوپر ذکر گزرا)۔

② بہت سے اہل ایمان کو بلا حساب کتاب جنت میں داخل کرانے کی شفاعت، یہ بھی آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔

③ بہت سے ایسے اہل ایمان کے لئے شفاعت جن کو جہنم کی سزا سنائی جا چکی ہوگی مگر ابھی وہ جہنم میں نہ گئے ہوں گے (یہ شفاعت نبی اکرم علیہ السلام بھی فرمائیں گے اور بعض دیگر نیک اعمال والے اپنے متعلقین کے لئے کریں گے جیسے حفاظِ قرآن اور شہید وغیرہ)۔

④ ان مؤمنوں کے لئے شفاعت جو اپنی بدعملیوں کی وجہ سے جہنم میں جا چکے ہوں گے، ان میں سے بتدریج ہر ایک کو انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور دیگر مؤمنوں کی سفارش سے جہنم سے خلاصی

دی جائے گی۔

۵ جنتیوں کے لئے درجات میں اضافہ کی شفاعت۔

۶ آنحضرت ﷺ کا اپنے چچا ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کی شفاعت فرمانا۔

۷ آنحضرت ﷺ کا جنت میں سب سے پہلے اپنی امت کو داخل کرانے کی شفاعت فرمانا۔

۸ آنحضرت ﷺ کا ان لوگوں کے متعلق جنت میں داخلہ کی سفارش فرمانا جن کی نیکیاں اور برائیاں بالکل برابر ہوں، جنہیں اصحابِ اعراف کہا جاتا ہے۔

۹ آنحضرت ﷺ کا اس شخص کے متعلق سفارش فرمانا جس نے صرف کلمہ پڑھا لیکن کوئی عمل صالح اس کے اعمال نامہ میں نہ ہو۔ (فتح الباری ۱۴/۵۲۳)

اس طرح شفاعت کی کل اقسام ۹ ہو گئیں۔ عام طور پر احادیث شفاعت میں راویوں نے درمیانی واقعات کی کڑیاں چھوڑ دی ہیں اور حدیث پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی مرحلہ ہی میں گنہگار امتیوں کے جہنم سے نکالنے کا عمل شروع ہو جائے گا" حالانکہ ایسی بات نہیں، بلکہ پہلے شفاعت کبریٰ ہوگی، جس کے بعد حساب کتاب، وزنِ اعمال وغیرہ کے مراحل پیش آئیں گے، تا آنکہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے اور پھر بالآخر گنہگاروں کو نکالنے کے لئے آنحضرت ﷺ شفاعت فرمائیں گے جسے قبول کیا جائے گا اور کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ امتی بھی جہنم میں باقی نہ رہے گا۔ (فتح الباری ملخصاً ۱۴/۵۳۵، ۵۳۶)

پانچویں فصل:

حساب کتاب کا آغاز

آنحضرت ﷺ کی شفاعت کبریٰ کے بعد ربّ ذوالجلال کی طرف سے حساب کتاب کی کارروائی کا آغاز ہوگا۔ اس سلسلہ کا سب سے پہلا اقدام یہ ہوگا کہ تمام لوگوں کے اعمالنامے خود ان کے ہاتھوں میں پہنچا دیئے جائیں گے، نیک لوگوں کے اعمالنامے ان کے دائیں ہاتھوں میں عطا ہوں گے، اسی لئے ان کو اصحاب الیمین کہا جاتا ہے اور برے لوگوں کے اعمالنامے ان کے

بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اسی لئے ان کو اصحاب الشمال کہا جاتا ہے۔ایک مرفوع روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

"الکتب کلھا تحت العرش فاذا کان یوم الموقف بعث اللہ ریحًا فتطیرھا بالایمان والشمائل اول خط فیھا اقرا کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبًا۔"

[التذکرہ: ۳۹۱]

''اعمالنامے سب عرش کے نیچے محفوظ ہیں' جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک خاص ہوا چلائے گا جو اعمالناموں کو اڑا کر (حسب اعمال) انہیں لوگوں کے دائیں یا بائیں ہاتھوں میں پہنچادے گی' ان اعمال ناموں میں اوپر یہ جملہ لکھا ہوگا ''تو ہی پڑھ لے کتاب اپنی' تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا۔''

اس مرحلہ میں تو نیک لوگوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ ہوگا جبکہ کفار اور بدعمل (اصحاب الشمال) لوگوں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔قرآنِ کریم نے اس وقت کا منظر اس طرح بیان فرمایا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَهْ (۱۹) اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ (۲۰) فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ (۲۱) فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ (۲۲) قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ (۲۳) کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ (۲۴) وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ (۲۵) وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ (۲۶) یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ (۲۷) مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ (۲۸) هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ (۲۹) خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ (۳۰) ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ (۳۱) ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْهُ (۳۲) اِنَّهٗ کَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ (۳۳) وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (۳۴) فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ (۳۵) وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ (۳۶) لَّا یَاْکُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ (۳۷)

''سو جس کو ملا اس کا لکھا ہوا' داہنے ہاتھ میں وہ کہتا ہے لیجیو' پڑھو میرا لکھا' میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب' سو وہ ہیں من مانی زندگی میں' اونچے باغ میں جس کے

میوے جھکے پڑے ہیں، کھاؤ پیو جی بھر کر، بدلہ اس کا جو آگے بھیج چکے ہو تم پہلے دنوں میں اور جس کو ملا اس کا لکھا، بائیں ہاتھ میں وہ کہتا ہے کیا اچھا ہوتا جو مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ کیا ہے حساب میرا، کسی طرح وہی موت ختم کر جاتی، کچھ کام نہ آیا مجھ کو میرا مال، برباد ہوئی مجھ سے میری حکومت، اس کو پکڑو پھر طوق ڈالو پھر ایک زنجیر میں جس کی لمبائی ستر گز ہے اس جکڑ دو، وہ تھا کہ یقین نہ لاتا تھا اللہ پر، جو سب سے بڑا ہے اور تاکید نہ کرتا تھا فقیر کے کھانے پر، سو کوئی نہیں آج اس کا یہاں دوست دار اور نہ کچھ ملے گا کھانا مگر زخموں کا دھوون، کوئی نہ کھائے اس کو مگر وہی گنہگار۔

اور سورۂ کہف میں حساب کتاب کے وقت کی حالت اس طرح بیان کی گئی ہے:

وَعُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا (۴۸) وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (۴۹) [الکھف]

''اور سامنے آئیں تیرے رب کے صف باندھ کر، آ پہنچے تم ہی ہمارے پاس جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلی بار، نہیں تم تو کہتے تھے کہ نہ مقرر کریں گے ہم تمہارے لئے کوئی وعدہ اور رکھا جائے گا حساب کا کاغذ، پھر تو دیکھے گنہگاروں کو ڈرتے ہیں اس سے جو اس میں لکھا ہے اور کہتے ہیں ہائے خرابی! کیسا ہے یہ کاغذ؟ نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات، جو اس میں نہیں آ گئی اور پائیں گے جو کچھ کیا ہے سامنے اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر۔''

شروع شروع میں کفار و منافقین اور بدعمل اعمالنامے دیکھ کر کچھ حجت اور بحث کی کوشش کریں گے لیکن خود ان کے اعضاء و جوارح ہی ان کے خلاف گواہی دیں گے جس کے بعد کسی کٹ حجتی کا موقع ہی نہ رہے گا، نیز یہ بھی تمنا کریں گے کہ انہیں ایک مرتبہ دنیا میں بھیج دیا جائے مگر اس سے بھی انکار کر دیا جائے گا۔ اس دن ان سرکشوں کی رسوائی نا قابل بیان ہوگی، سر جھکے ہوئے ہونگے، چہرے سیاہ ہونگے، آنکھیں نیلی ہو جائیں گی اور دہشت اور گھبراہٹ کے مارے چیخ و پکار مچا رہے ہوں گے۔ اللّٰھم احفظنا منہ۔

سب سے پہلے کس چیز کا حساب ہوگا؟

دنیوی معاملات اور حقوق میں سب سے پہلے ناحق قتل کا حساب ہوگا' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَوَّلُ مَا یُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِی الدِّمَاءِ۔ [ابن کثیر : ۳۴۹]

''سب سے پہلے قیامت کے روز خونِ ناحق کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔''

ایک حدیث میں وارد ہے کہ مقتول اپنے قاتل کو کھینچ کر عرشِ خداوندی کے سامنے لائے گا اور عرض کرے گا کہ پروردگارِ عالم! اس سے پوچھئے کہ اس نے مجھے کس وجہ سے قتل کیا ہے؟ اور ایک روایت میں ہے کہ ''اگر تمام زمین اور آسمان والے سب مل کر کسی ایک مسلمان کو قتل کریں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں ڈال دے گا'' اور ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کو قتل کرنے میں تعاون کرے اگرچہ ایک لفظ بول کر بھی' تو وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا کہ یہ اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔

(ابن کثیر:۳۴۹)

اس لئے قتل ناحق سے احتراز لازم ہے' اگر کوئی شخص کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرے جس سے وہ جانی سزا کا مستحق ہو جائے پھر بھی کسی عام آدمی کو اس پر سزا جاری کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ سزا جاری کرنے کی ذمہ داری اسلامی حکومت کی ہوتی ہے جہاں واقعی اسلامی نظام قائم ہوگا وہیں ثبوتِ شرعی کے بعد سزا جاری ہو سکتی ہے' ورنہ نہیں' اگر اس بات کا خیال نہ رکھا جائے تو پھر کسی شخص کی جان بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔

نماز کا حساب

اور عبادات میں سب سے پہلے پوچھ گچھ نماز کے متعلق ہوتی' ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَوَّلُ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ الصَّلٰوةُ فَاِنَّ صَلُحَتْ صَلُحَ سَائِرُ عَمَلِهٖ وَاِنْ فَسُدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهٖ۔ (الترغیب والترهیب ۱/۱۵۰)

''قیامت کے دن سب سے پہلے آدمی کی نماز کا حساب لیا جائے گا اگر نماز درست نکلی تو بقیہ اعمال بھی درست نکلیں گے اور نماز میں خرابی نکلی تو بقیہ اعمال بھی خراب ہوں گے۔''

درج بالا حدیث سے نماز کی اہمیت کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے' اس کے علاوہ بھی آیاتِ قرآنیہ اور احادیث طیبہ میں نماز کی فضیلت اور عظمت انتہائی تاکیدی انداز میں بیان ہوئی ہے' نماز کو دین کا ستون کہا گیا اور اس کے بلا عذر چھوڑنے والے کو کافروں اور منافقوں کے مشابہ قرار دیا گیا' اس لئے امت مسلمہ کے ہر فرد پر لازم ہے کہ وہ نمازی بنے اور اپنے گھر والوں اور ملنے جلنے والوں کو بھی نماز کا عادی بنائے تاکہ میدانِ محشر کی رسوائیوں سے حفاظت ہو سکے۔

مظالم اور حق تلفیوں کا بدلہ

میدانِ محشر میں کوئی ظالم بچ کر نہ جا سکے گا بلکہ اسے ظلم کا بدلہ دینا ہی پڑے گا اور وہاں روپیہ پیسہ سے ادائیگی نہ ہوگی بلکہ ظلم اور حق تلفی کے بدلہ میں نیکیاں دی جائیں گی اور جب نیکیاں باقی ہی نہ رہیں گی تو مظلوم کی برائیاں ظالم پر لاد دی جائیں گی' یہ منظر بڑا عبرتناک اور حسرتناک ہوگا' آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَتْ لَهٗ مَظْلِمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ شَيْءٌ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ اِنْ كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهٖ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيْهِ۔

''جس شخص نے اپنے بھائی کی مالی یا ذاتی یا کوئی ناانصافی کی ہو تو اس دن کے آنے سے پہلے آج ہی معاف کرالے جب دینار و درہم نہ ہونگے (کہ ان سے حق چکایا جائے بلکہ) اگر اس کے پاس اعمالِ صالحہ ہونگے تو وہ مظلوم اپنے حق کے بقدر نیکیاں لے لے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں گی۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تم مفلس اور قلاش کسے سمجھتے ہو؟ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم میں مفلس تو اسے کہا جاتا ہے جس بیچارے کے پاس درہم اور سامان کچھ بھی نہ ہو تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِيْ يَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِصَلٰوةٍ وَّ صِيَامٍ وَّ زَكٰوةٍ وَّ يَاْتِيْ قَدْ شَتَمَ

هٰذَا وَ قَذَفَ هٰذَا وَ اَكَلَ مَالَ هٰذَا وَ سَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔ [مسلم شریف ۲/ ۳۲۰‘ التذکرہ ۳۰۸]

''میری امت میں مفلس وہ ہوگا جو قیامت کے دن نماز‘ روز اور زکوٰۃ (وغیرہ) لے کر آئے گا (مگر) اس نے کسی کو گالی دی ہوگی‘ کسی کا مال اڑایا ہوگا اور کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو اس کی نیکیاں اس اس کو اور اس کو بانٹی جائیں گی پھر جب اس کی نیکیوں کا ذخیرہ حقوق والوں کے حق ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائے گا تو ان کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی اور پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اللھم احفظنا منه۔

ابن ماجہ میں ایک عبرت ناک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ سرزمین حبشہ میں تم نے سب سے حیرت انگیز بات کیا دیکھی؟ تو بعض نوجوان کھڑے ہوئے اور انہوں نے قصہ سنایا کہ ہم ایک مرتبہ حبشہ میں سڑک کے کنارے بیٹھے تھے کہ ہمارے سامنے سے ایک بڑھیا گزری جس نے سر پر ایک مٹکا اٹھا رکھا تھا‘ محلّہ کے چند شریر لڑکے اس کے پیچھے لگ گئے اور اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ بیچاری گر پڑی اور اس کا منہ پھٹ گیا‘ تو اس نے شریر لڑکوں کو خطاب کر کے کہا کہ: اے بدتمیز! یاد رکھ جب اللہ ربّ العالمین کرسی نصب فرما کر اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا اور آدمی کے ہاتھ پیر اپنے کالے کرتوتوں کو خود ہی بیان کر دیں گے‘ اسی دن تو دیکھ لینا کہ میرا اور تیرا معاملہ اللہ ربّ العالمین کے سامنے کیسا ہوگا؟ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صَدَقَتْ، صَدَقَتْ، كَيْفَ يُقَدِّسُ اللّٰهُ اُمَّةً لَا يُؤْخَذُ لِضَعِيْفِهِمْ مِنْ شَدِيْدِهِمْ۔

[ابن ماجہ ۲۹۹ مطبع رشیدیہ‘ التذکرہ: ۳۱۰]

''اس نے سچ کہا‘ اس نے سچ کہا‘ وہ امت کیسے باعزت ہو سکتی ہے جو اپنے کمزوروں کے لئے طاقتوروں سے مؤاخذہ نہ کرے۔''

قیامت کے دن انسانوں کے علاوہ جانوروں تک سے بھی حساب لیا جائے گا‘ ایک حدیث

میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلَى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَآءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ۔

"قیامت کے دن تم حق داروں تک ان کے حق ضرور پہنچائے جائیں گے، حتیٰ کہ بے سینگ کی بکری کے لئے سینگ والی بکری سے قصاص لیا جائے گا۔"

اس لئے آخرت پر یقین رکھنے والے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ دنیا ہی میں لوگوں کے حقوق کے تمام حساب کتاب صاف کر لے اور یہاں سے اس حال میں رخصت ہو کہ اس پر کسی کا کوئی حق نہ ہو، ورنہ یہ حقوق آخرت میں بڑی رسوائی کا سبب بن جائیں گے۔

ناحق زمین غصب کرنے والوں کا انجام

بالخصوص جائیداد غصب کرنے والے کے متعلق احادیث صحیحہ میں سخت ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں، مشہور مستجاب الدعوات صحابی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِّنْ اَرْضٍ ظُلْمًا طَوَّقَهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ۔

"جو شخص ایک بالشت زمین بھی ناجائز طور پر دبا لے تو یہ حصہ ساتوں زمین سے نکال کر اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔"

اس حدیث کی تشریح میں حضراتِ محدثین نے درج ذیل اقوال ارشاد فرمائے ہیں:

① ساتوں زمین سے مٹی نکال کر اسے اٹھانے کا حکم دیا جائے گا، جسے وہ اٹھا نہ سکے گا۔

② یہ ساری مٹی نکال کر اس کے گلے میں واقعی طوق بنا کر ڈال دی جائے گی اور اسی اعتبار سے اس کی گردن کو موٹا بھی کر دیا جائے گا۔

③ اسے غصب شدہ زمین کے نیچے ساتوں زمین تک کھودنے کا حکم دیا جائے گا اور کھودتے کھودتے زمین کی حیثیت اس کے گلے میں طوق کے مانند ہو جائے گی۔

④ اس غصب کے گناہ کا وبال اس کی گردن پر لاد دیا جائے گا۔

(نووی علی مسلم ۲/۳۳، تکملہ فتح الملہم ۱/۶۷۴)

بہر حال یہ سب معنی متصور ہیں اوران سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے' افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں میں ذرا ذرا سی جگہوں' نالیوں اور راستوں پر مقدمہ بازیوں کی کثرت ہے' جتنے روپیہ کی جگہ نہیں ہوتی اس سے کئی گنا رقم فریقین کی مقدمہ بازیوں اور رشوتوں میں خرچ ہو کر تباہ ہو جاتی ہے مگر مقدمہ کا ایسا جنون ہوتا ہے کہ کسی طرح کوئی فریق مصالحت پر آمادہ نہیں ہوتا۔ آج یہ مقدمہ بازی بڑی اچھی لگتی ہے۔ کل قیامت کے دن جب یہی ناحق قبضہ بدترین رسوائی اور ذلت کا سبب بنے گا' تب آنکھیں کھلیں گی' اس لئے عقلمندی اور عاقبت اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی طاقت اور دولت فضول ضائع کرنے کے بجائے قناعت کا راستہ اختیار کریں اور آخرت کی ذلت سے حفاظت کا انتظام کریں' اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقل سلیم عطا فرمائے۔ آمین۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کا برا حال

جو لوگ صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں' ان کا حال بھی میدانِ محشر میں بڑا عبرتناک ہوگا' ایک طویل حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَامِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّلَا فِضَّةٍ لَّا يُؤَدِّىْ مِنْهَا حَقَّهَآ اِلَّآ اِذَاكَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ صُفِّحَتْ لَهٗ صَفَائِحُ مِنْ نَّارٍ فَاُحْمِىَ عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهٗ وَجَبِيْنُهٗ وَظَهْرُهٗ كُلَّمَا بَرَدَتْ اُعِيْدَتْ لَهٗ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى سَبِيْلَهٗ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِمَّآ اِلَى النَّارِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْاِبِلُ قَالَ وَلَا صَاحِبُ اِبِلٍ لَّا يُؤَدِّىْ مِنْهَا حَقَّهَا وَمِنْ حَقِّهَا حَلَبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا اِلَّا اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ اَوْ فَرَمَا كَانَتْ لَا يَفْقِدُ مِنْهَا فَصِيْلًا وَّاحِدًا تَطَؤُهٗ بِاَخْفَافِهَا وَتَعَضُّهٗ بِاَفْوَاهِهَا كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ اُوْلَا هَارُدَّ عَلَيْهِ اُخْرَاهَا فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى سَبِيْلَهٗ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَى النَّارِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَالْبَقَرُ وَ الْغَنَمُ قَالَ وَلَا صَاحِبُ بَقَرٍ وَّ لَاغَنَمٍ لَّا يُؤَدِّىْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا كَانَ

يَوْمُ الْقِيٰمَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ لَّا يَفْقِدُ مِنْهَا شَيْئًا لَيْسَ فِيْهَا عَقْصَآءُ وَلَا جَلْحَاءُ وَلَا عَضْبَاءُ تَنْطَحُهُ بِقُرُوْنِهَا وَتَطَؤُهُ بِاَظْلَافِهَا كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ اُوْلٰهَا رُدَّ عَلَيْهِ اُخْرٰهَا فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى سَبِيْلَهُ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَى النَّارِ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْخَيْلُ قَالَ الْخَيْلُ ثَلَاثَةٌ هِيَ لِرَجُلٍ وِّزْرٌ وَّهِيَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَّهِيَ لِرَجُلٍ اَجْرٌ فَاَمَّا الَّتِيْ هِيَ لَهُ وِزْرٌ فَرَجُلٌ رَّبَطَهَا رِيَآءً وَفَخْرًا وَّنِوَآءً عَلٰى اَهْلِ الْاِسْلَامِ فَهِيَ لَهُ وِزْرٌ وَّاَمَّا الَّتِيْ هِيَ لَهُ سِتْرٌ فَرَجُلٌ رَّبَطَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ فِيْ ظُهُوْرِهَا وَلَا رِقَابِهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ وَّاَمَّا الَّتِيْ هِيَ لَهُ اَجْرٌ فَرَجُلٌ رَّبَطَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فِيْ مَرْجٍ وَرَوْضَةٍ فَمَا اَكَلَتْ مِنْ ذٰلِكَ الْمَرْجِ اَوِ الرَّوْضَةِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا كُتِبَ لَهُ عَدَدَ مَا اَكَلَتْ حَسَنَاتٌ وَّكُتِبَ لَهُ عَدَدَ اَرْوَاثِهَا وَاَبْوَالِهَا حَسَنَاتٌ وَّلَا تَقْطَعُ طِوَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا اَوْ شَرَفَيْنِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ عَدَدَ اٰثَارِهَا وَاَرْوَاثِهَا حَسَنَاتٍ وَّلَا مَرَّ بِهَا صَاحِبُهَا عَلٰى نَهْرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَا يُرِيْدُ اَنْ يَّسْقِيَهَا اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ عَدَدَ مَاشَرِبَتْ حَسَنَاتٍ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْحُمُرُ قَالَ مَآ اُنْزِلَ عَلَيَّ فِي الْحُمُرِ شَيْءٌ اِلَّا هٰذِهِ الْاٰيَةُ الْفَاذَّةُ الْجَامِعَةُ: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ (۹۹ / الزلزال:۷'۸) [بخاری : ۲۳۷۱' ۲۳۴۶' ۲۸۶۲' ۴۹۶۲' ۷۳۵۶' نسائی : ۳۵۶۵' مسلم شریف ۱/۳۱۸' التذکرہ : ۳۴]

''جو بھی سونے' چاندی کا مالک ان کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گا تو قیامت کے روز اس کے مال کے پتھر بنا کر جہنم کی آگ میں تپائے جائیں گے' جن سے اس کے پہلو' پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا' جب وہ پتھر ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انہیں دوبارہ (گرم) کیا جائے گا' یہ معاملہ اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے اور اس کو یہ عذاب برابر ہوتا رہے گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا' پھر یہ دیکھ لے گا کہ اس کا ٹھکانا جنت ہے یا جہنم......'' الخ

اسی حدیث میں ہے کہ حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم نے اونٹوں اور گایوں اور بکریوں کے مالک مالداروں کے انجام کے بارے میں دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ان جانوروں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ چھانٹ چھانٹ کر میدانِ محشر میں بڑے بڑے اور نوکدار سینگوں والے جانوروں کے ذریعہ اس نادہندہ مالک کو پیروں سے روندوائے گا اور سینگوں سے زخمی کرائے گا اور یہ سلسلہ حساب کتاب مکمل ہونے تک برابر جاری رہے گا' اعاذنا اللہ منہ۔ (مسلم شریف ۱/ ۳۱۸)

نیز ایک حدیث میں ہے کہ بے زکوٰۃ والا میدانِ محشر میں خطرناک زہریلے اژدہے کی شکل میں آکر اپنے مالک کا پیچھا کرے گا۔ تا آنکہ اس کے ہاتھ پکڑ کر چبا جائے گا۔

(مسلم ۱/ ۳۲۰) اللّٰہم احفظنا منہ۔

مالداروں کے لئے بالخصوص یہ احادیث عبرتناک ہیں' زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام لازم ہے' ورنہ اس کی نحوست دنیا میں ظاہر ہوتی ہے اور آخرت میں بھی اس کی سزا بھگتنی پڑے گی' یہ مال اللہ تعالیٰ کی امانت ہے' اگر اس میں سے مقررہ فرض حصہ مستحق کے حوالہ کر دیا جائے گا تو بقیہ پورا مال محفوظ ہو جاتا ہے اور اگر اس حصہ کی ادائیگی میں کوتاہی کی جائے تو پھر انجام بخیر نہیں' لہٰذا چند روزہ دنیوی نفع کی خاطر آخرت کی دائمی رسوائی کو مول لینا دانشمندی نہیں ہے۔

قومی مال میں خیانت کرنے والوں کا انجام

اسی طرح جو شخص ''غلول'' یعنی قومی وملی مشترک مال میں خیانت کا مرتکب ہوگا اس کو بھی بڑی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا' قرآنِ کریم میں ہے:

وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ۔

''اور جو خیانت کرے گا وہ خیانت کردہ چیز لے کر قیامت میں حاضر ہوگا۔''

اور حدیث میں فرمایا گیا کہ جس شخص نے جس چیز میں خیانت کی ہوگی وہ اسی کو اپنی گردن پر لاد کر میدانِ محشر میں آئے گا' اگر (مثلاً) اونٹ لیا ہوگا تو وہ گردن پر چڑھ کر آواز نکال رہا ہوگا' اور گھوڑا چرایا ہوگا تو وہ سر پر ہنہنا رہا ہوگا' الی آخرہ۔ (مسلم شریف ۲/ ۱۲۲) اس لئے ملی اور قومی درجہ کے فنڈ (مثلاً مساجد اور مدارس کے مالیہ) کو بلا استحقاق اپنے استعمال میں لانا سخت خطرہ کی چیز

ہے جو لوگ ایسی ذمہ داری پر فائز ہیں ان کو بالخصوص مالی معاملات میں انتہائی احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے ورنہ آخرت کی جوابدہی سے بچ نہیں سکیں گے' اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کی جوابدہی سے محفوظ رکھے' آمین۔

تکبر کرنے والوں کی ذلت ناک حالت

جو لوگ دنیا میں متکبرین بن کر رہے ہوں گے' قیامت کے دن ان کی ذلت اور بے وقعتی کا عالم یہ ہوگا کہ انہیں زمین پر رینگنے والی چیونٹوں کی صورت میں میدانِ محشر میں لایا جائے گا کہ انہیں لوگ اپنے پیروں سے روندیں گے' ارشادِ نبوی ہے:

يَبْعَثُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اُنَاسًا فِيْ صُوْرَةِ الذَّرِ يَطَؤُهُمُ النَّاسُ بِاَقْدَامِهِمْ فَيُقَالَ : مَا هٰؤُلَاءِ فِيْ صُوَرِ الذَّرِّ فَيُقَالُ هٰؤُلَاءِ الْمُتَكَبِّرُوْنَ فِي الدُّنْيَا۔

(رواه البزار الترغيب والترهيب ٤ / ٢٠٨)

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کچھ لوگوں کو ذلیل چیونٹیوں کی شکل میں اٹھائے گا' جن کو لوگ اپنے پیروں سے روندر ہے ہوں گے انہیں کہا جائے گا کہ یہ لوگ چیونٹیوں کی شکل میں کیوں ہیں؟ تو جواب ملے گا کہ یہ دنیا میں غرور و تکبر کرنے والے تھے۔''

یعنی جو لوگ دنیا میں دوسروں کو حقیر سمجھ کر ان کے ساتھ ذلت انگیز برتاؤ کرتے تھے ایسے متکبرین کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی اوقات بتا دے گا اور سارے عالم کے پیروں تلے روند کر انہیں ذلیل فرمائے گا' اس لئے اپنے آپ کو عظیم ذلت سے بچانے کا راستہ صرف یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کی فکر کریں' تواضع و عاجزی کی زندگی گزاریں اور تکبیر کے اثرات سے بھی پوری طرح بچنے کی کوشش کریں' اللہ تعالیٰ ہم سب کو تواضع کی دولت سے نوازے اور آخرت کی ذلت اور رسوائی سے محفوظ رکھے۔ آمین

غداری اور بدعہدی کرنے والے کی رسوائی

غداری کرنا اور عہد کر کے توڑنا بھی اسلام میں بدترین گناہ ہے' ایسے غدار اور بدعہد لوگوں کو میدانِ محشر میں سخت رسوائی کا سامنا ہوگا' بدعہد کی بر سر عام رسوائی اور فضیحت کے لئے اس کے

پیچھے ایک علامتی جھنڈا اُس کی چھوٹی بڑی غداری کے بقدر لگا دیا جائے گا' جسے دیکھتے ہی لوگ پہچان لیں گے کہ یہ غدار ہے' ارشادِ نبوی ہے:

اِذَا جَمَعَ اللّٰہُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یُرْفَعُ لِکُلِّ غَادِرٍ لِّوَاءٌ فَقِیْلَ ھٰذِہٖ غَدْرَۃُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ۔ [بخاری: ٦١٧٧' مسلم ٢/٨٣' حدیث ٤٥٢٩' التذکرۃ: ١: ٣٤١]

''جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا تو ہر غدار کے لئے (علامت کے طور پر) الگ جھنڈا لگا دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کے بیٹے فلاں شخص کی غداری (کی علامت) ہے۔

اس لئے غداری اور عہد شکنی سے بچنا بھی لازم ہے' یہ ایسا جرم ہے کہ آخرت میں تو اس کی سزا ہے ہی' دنیا میں بھی غداروں کو ہمیشہ ذلت اور حقارت ہی سے یاد کیا جاتا ہے اور صدیاں گذرنے کے باوجود بھی ان پر لعن طعن کا سلسلہ جاری رہتا ہے' غداری اور بدعہدی کسی کے ساتھ جائز نہیں حتیٰ کہ اگر غیر مسلم سے بھی کوئی معاہدہ کرلیا گیا ہے تو اس کی پاسداری بھی لازم ہوتی ہے۔

چھٹی فصل:

میزانِ عمل

قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے عظیم الشان عدل و انصاف کے مظاہرہ کے لئے مخلوقات کے اعمال تولنے کے لئے ''ترازو'' قائم فرمائے گا' ارشادِ خداوندی ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا ؕ وَاِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِھَا ؕ وَکَفٰی بِنَا حٰسِبِیْنَ۔ [الانبیاء: ٤٧]

''اور وہاں قیامت کے روز ہم میزانِ عدل قائم کریں گے' سو کسی پر اصلاً ظلم نہ ہوگا اور اگر کسی کا عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو وہاں حاضر کردیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔''

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۸) وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ (۹) [الاعراف]

''اور اس روز وزن بھی واقع ہوگا، پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا، بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے۔''

اس عظیم ترازو کے ایک ایک پلہ میں دنیا جہاں کی وسعتیں سما جائیں گی اور سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تولنے کے ذمہ دار مقرر ہوں گے۔ (فتح الباری ۱۶/ ۶۵۹، قرطبی عن حذیفۃ ۶/ ۲۰۱)

یہ بڑا نازک وقت ہوگا، جس کی نیکیوں کا پلہ جھک جائے گا وہ عظیم سرخروئی سے سرفراز ہوگا اور جس کی نیکیوں کا پلہ ہلکا رہ جائے گا یعنی اس کی برائیاں غالب ہوں گی تو اس کی ذلت ونکبت ناقابل بیان ہوگی۔ ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

يُؤْتٰى بِابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُوْقَفُ بَيْنَ كِفَّتَيِ الْمِيْزَانِ وَ يُوَكَّلُ بِهٖ مَلَكٌ فَإِنْ ثَقُلَ مِيْزَانُهٗ يُنَادِي الْمَلَكُ بِصَوْتٍ يَسْمَعُ الْخَلَائِقُ سَعِدَ فُلَانٌ لَا يَشْقٰى بَعْدَهَا أَبَدًا وَإِنْ خَفَّ مِيْزَانُهٗ نَادَى الْمَلَكُ بِصَوْتٍ يَسْمَعُ الْخَلَائِقُ شَقِيَ فُلَانٌ شَقَاوَةً لَا يَسْعَدُ بَعْدَهَا أَبَدًا۔ [قرطبی ۶/ ۲۰۱، کنز العمال ۱۴/ ۱۶۶]

''آدمی کو قیامت کے دن لاکر میزانِ عمل کے دونوں پلوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور اس جگہ ایک فرشتہ مقرر ہوگا، پس اگر اس کا (نیکیوں کا) ترازو بھاری رہا تو وہ فرشتہ یہ اعلان کرے گا جسے ساری مخلوقِ خدا سن لے گی کہ ''فلاں سعادت یاب ہوگیا، اب وہ کبھی بھی بدقسمت نہ ہوگا'' اور اگر (اللہ نہ کرے) ان کا (نیکیوں کا) ترازو ہلکا رہ گیا تو فرشتہ عام اعلان کرے گا کہ ''فلاں شخص ایسی محرومی میں گرفتار ہوگیا کہ اب کبھی بھی سعادت سے بہرہ ور نہ ہوسکے گا۔''

ترازو میں اعمال کیسے تولے جائیں گے؟

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان اعمال تو کرتا ہے مگر وہ کرنے کے بعد

بظاہر ختم ہو جاتے ہیں اور زبان سے نکلی ہوئی بات فضا میں تحلیل ہو جاتی ہے' پھر آخر ان کو تولا کیسے جائے گا؟ اس امکانی سوال کا جواب دیتے ہوئے' مشہور مفسر اور محدث جلیل حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

① پہلا قول: یہ ہے کہ خود اعمال ہی کی تو کلا جائے گا' مگر انہیں آخرت میں اللہ تعالیٰ حسب مناسبت جسمانی صورتوں میں تبدیل فرما دے گا' پھر انہی جسموں کو ترازو میں رکھ کر تولا جائے گا' امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کچھ اسی طرح کی بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ نیز صحیح روایت میں وارد ہے کہ قیامت کے دن سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران پرندوں کے ''بڑے جھنڈ'' کی شکل میں آئیں گی۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ قرآنِ کریم اپنے پڑھنے والے کے پاس ایک نہایت خوبرو جوان کی شکل میں آتا ہے' جب پڑھنے والا پوچھتا ہے کہ تو کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ میں تیرا وہ قرآن ہوں جس نے تجھے راتوں کو جگایا اور دن میں گرمی برداشت کرائی' اسی طرح حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی قبر کے سوال سے متعلق حدیث میں وارد ہے کہ مؤمن کے پاس ایک خوبصورت نوجوان عطر بیزی کے ساتھ آئے گا' وہ مؤمن سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ تو وہ کہے گا کہ میں تیرا نیک عمل ہوں' جبکہ کافر اور منافق کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ ہوگا (مذکورہ تین روایات قولِ اوّل کی تائید کرتی ہیں)۔

② دوسرا قول: یہ ہے کہ اعمال نامے اور رجسٹر تولے جائیں گے' اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کے سامنے برائیوں کے ننانوے رجسٹر رکھے جائیں گے اور ہر رجسٹر تا حد نظر وسیع ہوگا' پھر ایک چھوٹی سی پرچی لائی جائے گی جس میں ''لا الٰہ الا اللہ'' لکھا ہوگا' وہ بندہ عرض کرے گا کہ اتنے عظیم رجسٹروں کے مقابلے میں یہ پرچی بھلا کیسے نفع دے گی؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیرے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا' چنانچہ اس پرچی کو دوسرے پلہ میں رکھے جانے کا حکم ہوگا' اس کے رکھتے ہی نیکیوں کا پلہ جھک جائے گا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

③ تیسرا قول: یہ ہے کہ خود صاحب عمل کو ترازو میں رکھ کر تولا جائے گا' چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ ''قیامت کے دن ایک بڑا بھاری موٹا تازہ آدمی لایا جائے گا مگر اللہ کے ترازو میں

اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۔ [الکھف : ۱۰۵]

''تو قیامت کے روز ہم ان کے نیک اعمال کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے۔''

نیز ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قدر افزائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''کیا تمہیں ان کی دبلی پنڈلیاں دیکھ کر تعجب ہوتا ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے' عبداللہ بن مسعود کی دو پنڈلیاں میزانِ عمل میں اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری اور باوزن ہیں۔'' حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان تینوں اقوال میں جمع کی شکل یہ ہے کہ ہر قول اپنی جگہ صحیح ہے اور قیامت کے روز صورتِ حال الگ الگ ہوگی' کبھی اعمال بذاتِ خود تولے جائیں گے' کبھی صحیفے تولے جائیں گے اور کبھی کسی صاحب عمل کو ہی بذاتِ خود تولا جائے گا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے قول اوّل کو ترجیح دی ہے۔

(فتح الباری ۶/ ۶۵۹' تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۵۱۵)

علاوہ ازیں اس دور میں ایسے آلات ایجاد ہو گئے ہیں جن سے اعراض کو بھی ناپ لیا جاتا ہے مثلاً تھرمامیٹر کے ذریعہ بخار کی مقدار جاننا یا بلڈ پیشر چیک کرنا وغیرہ تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اعمال کے وزن کی بھی کوئی صورت نکالے' یہ اس کی قدرت اور طاقت سے ہرگز مستبعد نہیں ہے۔

ترازو میں کن لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے؟

محققین علماء کے نزدیک قیامت کے دن لوگ اعمال کے اعتبار سے تین قسموں پر مشتمل ہوں گے' اوّل وہ لوگ جن کے نامہ اعمال میں سرے سے کسی برائی اور گناہ کا وجود ہی نہ ہوگا۔ ان کے پاس بس نیکیاں ہی نیکیاں ہوں گی۔ اس طرح کے افراد امت محمدیہ میں بڑی تعداد میں ہوں گے۔ ان کو حساب کتاب اور وزن اعمال کے بغیر سیدھے جنت میں جانے کا فیصلہ ہوگا (ان کا ذکر آگے آئے گا' ان شاء اللہ)

دوسرے وہ کفار جن کے پاس کفر کے ساتھ کوئی اچھائی کسی طرح کی نہ ہوگی۔ ایسے لوگوں کو بلا وزن اعمال جہنم رسید کرنے کا حکم ہوگا۔

تیسرے وہ بے عمل مسلمان اور کفار ہوں گے جنہوں نے خلط ملط اعمال کیے ہوں گے یعنی انہوں نے کچھ نیکیاں بھی کی ہوں گی مگر وہ نیکیاں کفر کے مقابلہ میں بے حیثیت ہوں گی۔ البتہ کسی قدر عذاب کے درجات کم کرنے میں معاون بنیں گی۔ ایسے لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے اور نیکیوں کا پلّہ ہلکا اور بھاری ہونے کے اعتبار سے جنت یا جہنم کے درجات کا فیصلہ ہوگا اور کچھ لوگوں کی نیکیاں اور برائیاں دونوں بالکل برابر ہوں گی انہیں اعراف میں رکھ کر انتظار کرایا جائے گا بالآخر ایک عرصہ کے بعد ان کی سفارش قبول کر کے جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ (مستفاد فتح الباری ۱۶/ ۶۵۸'۶۵۹)

نیکیوں کے وزن میں اضافہ کیسے؟

اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیکیوں کی قدر و قیمت اور وزن میں اضافہ خلوصِ قلب اور اخلاص کی کیفیت سے ہوتا ہے۔ جتنا زیادہ حضورِ قلبی اور محض رضائے الٰہی کے جذبہ سے عمل کیا جائے گا اسی اعتبار سے اس عمل کا وزن بڑھتا چلا جائے گا اور اس جذبہ میں جتنی کمی ہوگی ویسے ہی آخرت میں وزن کے اندر بھی کمی ہو جائے گی۔ اگر خلوص سے عمل کیا جائے تو وزن میں ترقی کا عالم یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ ۔ اور کلمہ الحمد اللہ (قیامت کے روز اتنے بڑے جسم میں آئے گا کہ اکیلے) ہی میزانِ عمل کو بھر دے گا' نیز ابھی حدیث گزر چکی ہے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی پرچی رکھتے ہی نیکیوں کا پلّہ جھک جائے گا۔ یہ وہ ذکرِ خداوندی ہے جو اس نے کبھی زندگی میں کامل اخلاص سے مخلوق سے بے غرض ہو کر کیا ہوگا' اللہ تعالیٰ اس کے اخلاص کی بدولت اس کو نہایت وزنی بنا دے گا۔ (التذکرہ: ۳۶۸)

الغرض نیکیوں میں وزن اخلاص سے آتا ہے' اگر اخلاص ہو تو دیکھنے میں چھوٹے سے چھوٹا عمل آخرت میں بڑا بھاری ہو جائے گا اور اگر اخلاص نہ ہو تو دیکھنے میں بہت بڑے نظر آنے والے اعمال آخرت میں قطعاً بے وزن اور بے حیثیت ہو جائیں گے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال سب سے زیادہ وزنی ہونے کا سبب؟

صحابہؓ کے ساری امت سے افضل ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ آنحضرتؐ کی پُرفیض صحبت کی وجہ سے انکو ایسا کامل جذبہ اخلاص نصیب ہوا تھا جس کی نظیر بعد میں نہیں پائی جاتی' اسی اخلاصِ کامل نے انکے اعمال کو حد درجہ وزنی بنا دیا کہ بعد میں آنے والا کوئی اُمتی اپنے بڑے سے بڑے عمل کے ذریعہ بھی انکی گردِپا کو نہیں پہنچ سکتا' اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَّا اَدْرَکَ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَ لَا نَصِیْفَہٗ۔

(مسلم شریف ۲/ ۳۱۰ حدیث : ٦٤٨٧' بخاری شریف ۱/ ۵۱۸' ترمذی شریف ۲/ ۲۲۵)

''میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو برا بھلا مت کہو' میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو' اسلئے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے' اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی صدقہ کر دے پھر بھی میرے صحابہ کے ایک مد بلکہ آدھے مد غلہ (صدقہ کرنے) کے ثواب کو بھی نہ پہنچ پائے گا۔''

اس لئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اعمالِ صالحہ میں زیادہ سے زیادہ وزن پیدا ہو اور ہمارے درجات میں اضافہ ہو تو ہمیں ہر مرحلہ پر اخلاص کو پیش نظر رکھنا ہوگا اور محض رضائے خداوندی کو مقصود بنا کر عبادات انجام دینی ہوگی' اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی فکر عطا فرمائے اور ریاء وغیرہ سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

بعض وزنی اعمال کا ذکر

اُوپر ذکر کیا گیا کہ ہر عمل میں وزن اخلاص سے آئے گا خواہ کوئی بھی عمل ہو' تاہم احادیث طیبہ میں بعض اعمال واذکار کو خاص طور پر وزنی بتایا گیا ہے:

مثلاً ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ شَیْءٍ یُوْضَعُ فِی الْمِیْزَانِ اَثْقَلَ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ وَاِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَیَبْلُغُ بِہٖ دَرَجَۃَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوۃِ۔

''میزانِ عمل میں رکھی جانے والی کوئی چیز حسن اخلاق سے بھاری نہیں ہے' حسن اخلاق سے

متصف شخص اپنی اس صفت کی بدولت (نفل) روزے اور نماز پڑھنے والے کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔''

واقعی حسن اخلاص ایسی صفت ہے جو انسان کو دنیا میں بھی عزت دیتی ہے اور آخرت میں بھی اسے عظیم الشان عزت سے سرفراز کرے گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: ''خوش اخلاقی سے متصف شخص کے متعلق میرا فیصلہ اٹل ہے کہ میں اسے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں جگہ دونگا اور اپنے حضیرۃ القدس سے سیراب کروں گا اور اپنے تقرب سے نواز دونگا''۔ (المتجر الرابع فی ثواب العمل الصالح عن الطرابی : ۳۷۰)

اسی طرح تسبیح وتحمید کے کلمات اللہ کے نزدیک انتہائی باوزن ہیں۔ بخاری شریف کی آخری حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ [بخاری : ۶۴۰۶، ۶۶۸۲، ۷۵۶۳، ترمذی : ۳۴۶۷، ابن ماجہ : ۳۸۰۶، مسلم : ۶۸۴۶]

''دو بول رحمٰن کو بہت پسند ہیں، زبان پر بہت ہلکے پھلکے ہیں میزانِ عمل میں بھاری ہیں (دو کلمے یہ ہیں) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

نیز ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیوں کے پلڑے کو وزنی بنانے میں یہ بات بھی کام آئے گی کہ کسی شخص پر کسی نے کوئی بہتان لگایا ہوگا اور وہ اس سے بری ہوگا، تو اس بہتان کی وجہ سے اسے جو قلبی تکلیف پہنچے گی یہی تکلیف اس کو قابل رحم بنا دے گی، ایک روایت میں ہے۔

اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اٰخِرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ وَاٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِّنْهَا رَجُلٌ يُّؤْتٰى بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُقَالُ اَعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهٖ وَارْفَعُوْا عَنْهُ كِبَارَهَا فَتُعْرَضُ عَلَيْهِ صِغَارُ ذُنُوْبِهٖ فَيُقَالُ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا كَذَا وَكَذَا وَعَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا كَذَا وَ كَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّنْكِرَ وَ هُوَ مُشْفِقٌ مِّنْ كِبَارِ ذُنُوْبِهٖ اَنْ تُعْرَضَ عَلَيْهِ فَيُقَالُ لَهٗ فَاِنَّ لَكَ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً فَيَقُوْلُ رَبِّ قَدْ عَمِلْتُ اَشْيَآءَ لَآ اَرَاهَا هَا هُنَا فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ضَحِكَ حَتّٰى

بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ۔ [ترمذی : ۲۵۹۶' مسلم : ۴۶۷]

''...... قیامت میں ایک شخص کو لایا جائے گا اور (فرشتوں کو) حکم ہوگا کہ ابھی صرف اس کے چھوٹے گناہ پیش کئے جائیں اور بڑے روک کر رکھے جائیں۔ چنانچہ اس کے چھوٹے گناہوں کی پیش ہوگی اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے فلاں فلاں دن یہ کیا؟ تم نے فلاں فلاں دن یہ کیا؟ تو وہ اثبات میں جواب دے گا' انکار نہ کر سکے گا اور (دِل دِل میں) بڑے گناہوں کی پیشی سے ڈر رہا ہوگا' تو اس سے کہا جائے گا کہ (جا) تجھے ہر برائی کے بدلے میں نیکی عطا کی جاتی ہے تو وہ فوراً (یا تو ڈرایا جا رہا تھا یا) یہ بولے گا کہ اے میرے ربّ کچھ اور اعمال بھی تو میں نے کئے تھے وہ یہاں مجھے دکھائی نہیں دیئے (مقصود یہ ہوگا کہ وہ بھی سامنے آئیں تا کہ ان کے بدلے میں بھی نیکیاں ملیں)۔

راوی کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ یہ حدیث ارشاد فرما رہے تھے تو چہرے پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی حتیٰ کہ آپ کے دندان مبارک بھی ظاہر ہوگئے تھے بہرحال اس دن بہانہ بہانہ سے اہل ایمان کی مغفرت اور رفع درجات کے فیصلے ہوں گے اور ارحم الراحمین کی جانب سے بھرپور رحمت کا ظہور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت تامہ کا مستحق بنائے۔ آمین۔

عرش کے سایہ میں

میدانِ محشر میں نہ کوئی عمارت ہوگی' نہ درخت ہوگا' نہ کسی کا ٹینٹ ہوگا' نہ کسی طرح کا سائبان ہوگا بلکہ سب ایک چٹیل میدان میں اس طرح جمع ہوں گے کہ ہر شخص ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہوگا اور ایک دوسرے کی آواز سن رہا ہوگا۔ اس دن اگر سایہ ہوگا تو صرف عرشِ خداوندی کا سایہ ہوگا اور جو خوش نصیب عرش کے سایہ میں پہنچ جائے گا اس کو پھر کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی' گویا کہ یہ عرش کا سایہ اللہ کی طرف سے اپنے مخصوص اور مقرب بندوں کے لئے خصوصی نشست گاہ کے طور پر استعمال ہوگا۔

متعدد احادیث میں ان خوش نصیب افراد کی فہرست بیان ہوئی ہے جن کے بارے میں اللہ نے قیامت کے دن اپنے عرش کے نیچے اعزاز کے ساتھ بٹھانے کا اعلان فرمایا ہے' مسلم شریف میں روایت ہے کہ:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ الْاِمَامُ الْعَادِلُ وَشَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ وَ رَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَّ جَمَالٍ فَقَالَ اِنِّي اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ يَمِينُهُ مَاتُنْفِقُ شِمَالُهُ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ تَعَالٰى خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ۔

[بخاری: ٦٦٠، ١٤٢٣، ٦٤٧٩، ٦٨٠٦، ترمذی: ٢٣٩١، مسلم: ٢٣٨٠]

”سات آدمیوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ اس دن اپنے (عرش کے) سایہ میں رکھے گا جب اس کے سایہ کے علاوہ کسی کا سایہ نہ ہوگا: ① عادل بادشاہ۔ ② وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھے۔ ③ وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے۔ ④ وہ دو آدمی جو ایک دوسرے سے صرف اللہ کے واسطے کا تعلق رکھیں، اسی پر جمع ہوں اور اسی پر الگ ہوں۔ ⑤ اور وہ آدمی جسے کوئی باوجاہت خوبصورت عورت (بدکاری کی) دعوت دے تو وہ جواب میں کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ ⑥ اور وہ شخص جو اتنے خفیہ طریقہ پر صدقہ خیرات کرے کہ اس کے دائیں ہاتھ کو بھی یہ پتہ نہ چلے کہ بائیں نے کیا خرچ کیا؟ ⑦ اور وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے، پھر اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔“

مگر یہ تخصیص سات ہی طرح کے حضرات کے ساتھ نہیں بلکہ دیگر بعض احادیث میں اور اعمال پر بھی اسی اعزاز کا اعلان کیا گیا ہے۔ مسلم شریف میں ہے:

مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْوَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ۔ [مسلم: ٧٥١٢]

”جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے اس دن اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا جب اس کے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا۔“

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان صفات کی فہرست میں ایک مستقل رسالہ ”معرفة الخصال الموصلة الى الظلال“ کے نام سے لکھا ہے جس میں درج بالا صفات کے ساتھ درج ذیل اعمال کو بھی شامل فرمایا ہے:

① مجاہد فی سبیل اللہ کی مدد کرنا۔ ② قرضدار کے قرضہ کی ادائیگی کرنا۔ ③ مکاتب

(غلام کی آزادی میں) مدد کرنا۔ ۴ لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔ ۵ بار بار غم سے سابقہ پڑنا۔ ۶ امانت و دیانت کے ساتھ تجارت کرنا۔ ۷ مسجد کی طرف چل کر جانا اور ناگواری طبع کے باوجود کامل وضو کرنا۔ ۸ بچا ہوا کھانا محتاجوں کو کھلانے کا معمول بنا لینا۔ ۹ اپنا حق فتنہ کے ڈر سے چھوڑ دینا۔ ۱۰ کسی ضرورت مند کی کفالت کرنا۔ (فتح الباری ۳/۱۸۳)

اس موضوع پر علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی باقاعدہ رسائل لکھے ہیں اور ایسی صفات کی تعداد ۹۰ تک پہنچادی ہے لیکن وہ روایتیں اکثر ضعیف ہیں۔

(فیض القدیر ۴/۱۱۴ تا ۱۱۷)

بہرحال دنیا ہی میں ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم ایسے اعمال اختیار کریں کہ ہمیں میدانِ محشر میں اعزاز و اکرام کے ساتھ عرشِ خداوندی کا متبرک سایہ باعافیت نصیب ہو جائے۔ ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہم پر عظیم احسان ہے کہ آپ نے ہمیں ان اسباب کی خبر عطا فرمادی ہے، ان تمام تفصیلات کے آنے کے باوجود اگر کوئی شخص کوتاہی کرتا ہے تو اس سے بڑا محروم اور کوئی نہیں ہوسکتا ہے۔

ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا

حضرت سعید ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ اس حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ان کے چہرے سے حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا: کیا بات ہے تم کچھ غمگین نظر آرہے ہو؟ تو ان صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایک بات سوچ کر مجھے غم ہو رہا ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کیا بات ہے؟ تو عرض کیا کہ بات یہ ہے کہ آج تو ہم الحمدللہ صبح، شام آپ کی زیارت اور مجلس میں حاضری سے مستفید ہوتے ہیں لیکن کل آخرت میں آپ تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اونچے درجے پر ہوں گے (ہماری وہاں تک کہاں رسائی ہوگی؟) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب مرحمت نہیں فرمایا۔ اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ آیت سنائی:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا [النساء: ۶۹]

''اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں، جن پر اللہ نے انعام کی ا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہدا اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی رفاقت۔''
چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مذکورہ صحابی کو بلایا اور اس آیت کی خوشخبری سے آگاہ فرمایا۔

(تفسیر ابن کثیر کامل ۳۴۱)

ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ مسجد سے نماز پڑھا کر حجرۂ مبارکہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، ایک دیہاتی شخص آیا اور سوال کرنے لگا: ''یا رسول الله متى الساعة؟'' (اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟) حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: ''و یحك ما اعددت لها؟'' (ارے تو نے قیامت کی تیاری کیا کر رکھی ہے؟) تو اس نے عرض کیا کہ حضرت! میرے پاس زیادہ روزے، نماز کا تو ذخیرہ نہیں، بس اتنا ہے کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے۔ اس کا جواب سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''المرأ مع من احب'' (آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ سچی محبت رکھتا ہے)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد ہمیں اس عظیم مسرت آمیز اعلان سے زیادہ کسی چیز سے خوشی نہیں ہوئی۔

(ابن کثیر ۳۴۲)

اسی طرح بخاری و مسلم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ ''جو تاجر صدق و امانت کے ساتھ تجارت کرتا ہے تو اس کا حشر قیامت کے دن حضرات انبیاء، حضرات صدیقین، شہداء اور صالحین علیہم السلام کے ساتھ ہوگا۔

اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر بدعملوں سے محبت ہے تو حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا، اس لئے ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم کسے محبوب بنا رہے ہیں؟ اور صرف ایسے ہی شخص سے محبت کرنی چاہیے جس کی محبت ہمارے لئے آخرت میں نفع بخش ہو سکے۔

حافظِ قرآن کا اعزاز

میدانِ محشر میں قرآنِ کریم حفظ کرنے والے کو انتہائی عزت سے نوازا جائے گا، خود قرآنِ کریم اس کی سفارش کرے گا اور اس کو کرامت کا تاج اور عزت کا جوڑا پہنایا جائے گا۔
ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَجِيءُ الْقُرْاٰنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ رَبِّ حَلِّهٖ فَيُلْبَسُهٗ تَاجَ الْكَرَامَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ يَا رَبِّ زِدْهُ فَيُلْبَسُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ يَا رَبِّ اَرْضَ عَنْهُ فَيَرْضٰى عَنْهُ فَيُقَالُ لَهٗ اِقْرَأْ وَارْقَأْ وَيُزَادُ بِكُلِّ اٰيَةٍ حَسَنَةٌ۔

"قیامت کے روز قرآنِ کریم (اللہ کے دربار میں) آ کر عرض کرے گا' کہ اے میرے رب! اس (صاحب قرآن) کو جوڑا پہنچایئے۔ چنانچہ اسے کرامت کا تاج پہنایا جائے گا' پھر قرآنِ کریم سفارش کرے گا کہ اس کے اعزاز میں اور اضافہ فرمایئے۔ چنانچہ اس کو عزت کا جوڑا پہنا دیا جائے گا۔ پھر قرآنِ کریم کہے گا کہ اے میرے ربّ! اس سے راضی ہو جایئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا رضا سے نواز دے گا' پھر اس سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور (جنت میں) چڑھتا جا اور ہر آیت کے عوض ایک نیکی میں اضافہ کیا جاتا رہے گا۔"

یہ اس شخص کا اعزاز ہے جس کی آج عام دنیاداروں کی نظر میں کوئی وقعت نہیں' بلکہ اگر کوئی اس لائن میں لگتا بھی ہے تو اسے قریبی رشتہ داروں سے اور دوست واحباب سے طعنے سننے کو ملتے ہیں۔ میدانِ محشر میں جب اس شخص کو "عالمی اعزاز" سے نوازا جائے گا تب ان دنیاداروں کو اپنی محرومی کا احساس ہوگا اور گزری ہوئی زندگی پر حسرت وافسوس ہوگا' مگر اس وقت کوئی حسرت کام نہ آسکے گی۔

حافظِ قرآن کے والدین کا اعزاز

قرآنِ کریم کے ذریعہ سے نہ صرف یہ کہ حافظ کو عزت ملے گی بلکہ محشر کے بین الاقوامی اجتماع میں حافظ قرآن کے والدین کو بھی شاندار اعزاز سے نوازا جائے گا۔ ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَهٗ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا۔

(مشکوٰۃ شریف ۱۸۶)

"جو شخص قرآنِ کریم پڑھ کر اس پر عمل کرے تو اس کے والدین کو قیامت کے دن ایسا (شاندار) تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی اس سورج کی روشنی سے کہیں عمدہ ہوگی جو دنیا

کے گھروں میں نکلا ہوا ہو۔ اگر تمہارے گھروں میں ہو (یعنی جب اتنی دور سے سورج پوری دنیا کو منور کرتا ہے تو قریب کرنے پر اس کی روشنی کا کیا حال ہوگا؟) پس (جب والدین کا یہ حال ہے) تو تمہارا قرآن پر خود عمل کرنے والے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ (یعنی اسی سے اندازہ کرلو)۔''

آج کے مادیت پرست ماحول میں اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے لخت جگر کو حافظ قرآن کی تعلیم دلاتا ہے تو اسے طرح طرح کے ناگوار تبصروں سے سابقہ پڑتا ہے، ان سب باتوں کو برداشت کرنے اور اپنی اولاد کی بہترین دینی تربیت دینے کے صلہ میں والدین کو تمام اوّلین و آخرین کے سامنے وہ عزت ملے گی جس کا تصور دنیا میں کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اس حدیث میں ایسے والدین کے لئے انتہائی عظیم خوشخبری ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس عظیم خوشخبری کا مستحق بنائے۔ آمین۔

محشر میں نور کے منبر

میدانِ محشر میں ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ جا بجا نور کے روشن اور منور منبر قائم کر دیئے جائیں گے جن پر وہ لوگ تشریف فرما ہوں گے جو آپس میں ایک دوسرے سے صرف اللہ واسطے کا تعلق رکھتے ہوں گے۔ جن کی حالت انبیاء اور شہداء کے لئے بھی قابل رشک ہوگی۔ ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ۔

''میری عظمت وجلال کی وجہ سے آپس میں تعلق ومحبت رکھنے والوں کے لئے قیامت میں نور کے منبر ہوں گے جن پر انبیاء اور شہدا بھی رشک کریں گے (یعنی ان کی تعریف کریں گے)۔

چار عمومی سوال

میدانِ محشر میں سب سے ۴ باتوں کی تحقیق کی جائے گی، جس شخص نے ان چار سوالات کا جواب اپنی عملی زندگی میں صحیح دیا ہوگا وہ کامیاب ہوگا اور جس نے کوتاہی اور غفلت میں زندگی

گزاری ہوگی وہ نقصان اور خسارہ میں رہے گا' وہ سوالات کیا ہیں' ان کے بارے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَنْ تَزُوْلَ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ أَرْبَعِ خِصَالٍ، عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا أَبْلَاهُ، وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا أَنْفَقَهٗ وَعَنْ عِلْمِهٖ مَاذَا عَمِلَ فِيْهِ۔

"کسی شخص کے قدم قیامت کے دن اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہٹیں گے جب تک کہ چار باتوں کی اس سے پوچھ گچھ نہ ہو جائے: ① عمر کہاں لگائی؟ ② جوانی کہاں گنوائی؟ ③ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ ④ اور علم پر کہاں تک عمل کیا؟"

اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم دنیا ہی میں ان سوالوں کا بہتر جواب دینے کی تیاری کریں تا کہ ہم آخرت کے امتحان میں سرخرو ہو سکیں' اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق سے نوازے' آمین۔

باب ہفتم:

آخری ٹھکانہ کی طرف

- جہنم! میدانِ محشر میں
- نور کی تقسیم
- جنت کی طرف روانگی
- جنت کی نعمتیں
- جہنم کی ہولناکیاں
- مؤمنین کی جہنم سے نجات

پہلی فصل:

میدانِ محشر میں "جہنم" کولائے جانے کا منظر

قیامت کے دن نہایت عظیم وسعت اور عذاب والی "جہنم" کو کھینچ کر لایا جائے گا، اس کی کیفیت کتنی دہشت ناک ہوگی، اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا۔

[مسلم ۲/۳۸۱، حدیث: ٧١٦٤، الترغیب والترهیب ٤/٢٤٩ ۔ ترمذی: ۲۵۷۳]

"قیامت کے روز جہنم کو اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اُسے کھینچ رہے ہوں گے۔"

اللہ اکبر! اس منظر کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عذاب اور جہنم سے پوری طرح محفوظ رکھے، آمین۔

مشرکین اپنے معبودانِ باطلہ کے ساتھ جہنم میں

حساب کتاب وغیرہ کی کارروائی مکمل ہو جانے کے بعد ہر فرد اور جماعت کو اس کے اصل ٹھکانے تک پہنچانے کا عمل شروع ہوگا، سب سے پہلے مشرکین سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اپنے معبودانِ باطلہ کے پیچھے لگ لیں اور پھر انہیں ان کے بتوں، پتھروں اور صلیبوں سمیت جہنم میں دھکیل دیا جائے گا، ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ (٩٨) لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ط وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (٩٩) [الانبیاء]

"اور تم اور جو کچھ تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے، ایندھن ہے دوزخ کا، تم کو اس پر پہنچنا ہے، اگر ہوتے یہ بت معبود تو نہ پہنچتے اس پر اور سارے اس میں سدا پڑے رہیں گے۔"

اور ایک طویل حدیث وارد ہے:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ نَاسًا فِیْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ہَلْ نَرٰی رَبَّنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ ہَلْ تُضَآرُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ الشَّمْسِ بِالظَّہِیْرَۃِ صَحْوًا لَّیْسَ مَعَہَا سَحَابٌ وَّہَلْ تُضَآرُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ صَحْوًا لَیْسَ فِیْہَا سَحَابٌ قَالُوْا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَا تُضَآرُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلَّا کَمَا تُضَآرُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ اَحَدِہِمَا اِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ لِّیَتْبَعْ کُلُّ اُمَّۃٍ مَّاکَانَتْ تَعْبُدُ فَلَا یَبْقٰی اَحَدٌ کَانَ یَعْبُدُ غَیْرَ اللّٰہِ مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْاَنْصَابِ اِلَّا یَتَسَاقَطُوْنَ فِی النَّارِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یَبْقَ اِلَّا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ مِنْ بَرٍّ وَ فَاجِرٍ وَّغُبَّرِ اَہْلِ الْکِتَابِ فَیُدْعَی الْیَہُوْدُ فَیُقَالُ لَہُمْ مَا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ قَالُوْا کُنَّا نَعْبُدُ عُزَیْرَ ابْنَ اللّٰہِ فَیُقَالُ کَذَبْتُمْ مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ صَاحِبَۃٍ وَّلَا وَلَدٍ فَمَاذَا تَبْغُوْنَ قَالُوْا عَطِشْنَا یَارَبَّنَا فَاسْقِنَا فَیُشَارُ اِلَیْہِمْ اَلَا تَرِدُوْنَ فَیُحْشَرُوْنَ اِلَی النَّارِ کَاَنَّہَا سَرَابٌ یَّحْطِمُ بَعْضُہَا بَعْضًا فَیَتَسَاقَطُوْنَ فِی النَّارِ ثُمَّ یُدْعَی النَّصَارٰی فَیُقَالُ لَہُمْ مَّا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ قَالُوْا کُنَّا نَعْبُدُ الْمَسِیْحَ ابْنَ اللّٰہِ فَیُقَالُ لَہُمْ کَذَبْتُمْ مَّا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ صَاحِبَۃٍ وَّلَا وَلَدٍ فَیُقَالُ لَہُمْ مَاذَا تَبْغُوْنَ فَیَقُوْلُوْنَ عَطِشْنَا یَا رَبَّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَیُشَارُ اِلَیْہِمْ اَلَا تَرِدُوْنَ فَیُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَہَنَّمَ کَاَنَّہَا سَرَابٌ یَّحْطِمُ بَعْضُہَا بَعْضًا فَیَتَسَاقَطُوْنَ فِی النَّارِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یَبْقَ اِلَّا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ مِنْ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ اَتَا ہُمْ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ فِیْ اَدْنٰی صُوْرَۃٍ مِّنَ الَّتِیْ رَاَوْہُ فِیْہَا قَالَ فَمَاذَا تَنْتَظِرُوْنَ تَتْبَعُ کُلُّ اُمَّۃٍ مَّا کَانَتْ تَعْبُدُ قَالُوْا یَا رَبَّنَا فَارَقْنَا النَّاسَ فِی الدُّنْیَا اَفْقَرَ مَا کُنَّا اِلَیْہِمْ وَلَمْ نُصَاحِبْہُمْ فَیَقُوْلُ اَنَا رَبُّکُمْ فَیَقُوْلُوْنَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ لَا نُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا مَّرَّتَیْنِ اَوْثَلٰثًا حَتّٰی اِنَّ بَعْضَہُمْ لَیَکَادُاَنْ یَّنْقَلِبَ فَیَقُوْلُ ہَلْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَہٗ اٰیَۃٌ فَتَعْرِفُوْنَہٗ بِہَا فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ فَلَا یَبْقٰی مَنْ کَانَ

عَظِيْمًا﴾ [٤ / النساء: ٤٠] فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ شَفَعَتِ الْمَلٰئِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِّنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَّمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ قَدْعَا دُوْا حُمَمًا فَيُلْقِيْهِمْ فِيْ نَهْرٍ فِي اَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهٗ نَهْرُ الْحَيٰوةِ فَيَخْرُجُوْنَ كَمَا تَخْرُجُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيْلِ السَّيْلِ اَلَا تَرَوْنَهَا تَكُوْنُ اِلَى الْحَجَرِ اَوْ اِلَى الشَّجَرِ مَايَكُوْنُ اِلَى الشَّمْسِ اُصَيْفِرُ وَ اُخَيْضِرُ وَمَا يَكُوْنُ مِنْهَا اِلَى الظِّلِّ يَكُوْنُ اَبْيَضَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَاَنَّكَ كُنْتَ تَرْعٰى بِالْبَادِيَةِ قَالَ فَيَخْرُجُوْنَ كَاللُّؤْلُؤِ فِيْ رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ يَعْرِفُهُمْ اَهْلُ الْجَنَّةِ هٰؤُلَآءِ عُتَقَاءُ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اَدْخَلَهُمُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ ثُمَّ يَقُوْلُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ فَمَا رَاَيْتُمُوْهُ فَهُوَ لَكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَعْطَيْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ فَيَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ اَفْضَلُ مِنْ هٰذَا فَيَقُوْلُوْنَ يَا رَبَّنَا اَيُّ شَيْءٍ اَفْضَلُ مِنْ هٰذَا فَيَقُوْلُ رِضَآئِيْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا۔

[بخاری: ٤٥٨١، ٧٤٣٩، مسلم: ٤٥٤]

''......پھر جہنم لائی جائے گی جو دور سے سراب (چمکتی ہوئی ریت جو دور سے پانی معلوم ہوتا ہے) محسوس ہوگی، پھر یہودیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم اللہ کے بیٹے حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے۔ تو کہا جائے گا کہ تم جھوٹے ہو، اللہ کی نہ کوئی بیوی ہے نہ اولاد اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں پانی پلائیں، تو کہا جائے گا (سراب کی طرف اشارہ کرکے) کہ جاؤ پی لو پس وہ (وہاں جاکر) جہنم میں گر پڑیں گے۔ اس کے بعد نصاریٰ سے پوچھا جائے گا کہ تم کس کو پوجتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ اللہ کے بیٹے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو، تو جواب ملے گا کہ تم جھوٹ بکتے ہو، اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ بیٹا، اب بتاؤ تمہاری کیا چاہت ہے؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں پانی پلائیں تو انہیں بھی (جہنم کے سراب کی طرف اشارہ کرکے) کہا جائے گا کہ جاؤ پی لو چنانچہ وہ بھی وہاں جاکر سب کے سب جہنم میں گر پڑیں گے......'' الخ

معلوم ہوا کہ تمام مشرکین اور شرک کرنے والے تمام یہود و نصاریٰ سب کے سب جہنم کا

الْعٰلَمِیْنَ فِیْ اَدْنٰی صُوْرَةٍ مِّنَ الَّتِیْ رَاَوْهُ فِیْهَا قَالَ فَمَاذَا تَنْتَظِرُوْنَ تَتْبَعُ كُلُّ اُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ قَالُوْا یَا رَبَّنَا فَارَقْنَا النَّاسَ فِی الدُّنْیَا اَفْقَرَ مَا كُنَّا اِلَیْهِمْ وَلَمْ نُصَاحِبْهُمْ فَیَقُوْلُ اَنَا رَبُّكُمْ فَیَقُوْلُوْنَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ لَا نُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَیْئًا مَّرَّتَیْنِ اَوْثَلَاثًا حَتّٰی اِنَّ بَعْضَهُمْ لَیَكَادُاَنْ یَّنْقَلِبَ فَیَقُوْلُ هَلْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهٗ اٰیَةٌ فَتَعْرِفُوْنَهٗ بِهَا فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُكْشِفُ عَنْ سَاقٍ فَلَا یَبْقٰی مَنْ كَانَ یَسْجُدُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهٖ اِلَّا اَذِنَ اللّٰهُ لَهٗ بِالسُّجُوْدِ وَلَا یَبْقٰی مَنْ كَانَ یَسْجُدُ اِتِّقَاءً وَّرِیَآءً اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ظَهْرَهٗ طَبَقَةً وَّاحِدَةً كُلَّمَا اَرَادَاَنْ یَّسْجُدَ خَرَّ عَلٰی قَفَاهُ ثُمَّ یَرْفَعُوْنَ رُءُوْسَهُمْ وَقَدْ تَحَوَّلَ فِیْ صُوْرَتِهٖ الَّتِیْ رَاَوْهُ فِیْهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمْ فَیَقُوْلُوْنَ اَنْتَ رَبُّنَا ثُمَّ یُضْرَبُ الْجِسْرُ عَلٰی جَهَنَّمَ وَتَحِلُّ الشَّفَاعَةُ وَیَقُوْلُوْنَ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْجِسْرُ قَالَ دَحْضٌ مَّزِلَّةٌ فِیْهَا خَطَاطِیْفُ وَكَلَالِیْبُ وَحَسَكٌ تَكُوْنُ بِنَجْدٍ فِیْهَا شُوَیْكَةٌ یُقَالُ لَهَا السَّعْدَانُ فَیَمُرُّ الْمُؤْمِنُوْنَ كَطَرْفِ الْعَیْنِ وَكَالْبَرْقِ وَكَالرِّیْحِ وَكَالطَّیْرِ وَكَاَجَاوِیْدِ الْخَیْلِ وَالرِّكَابِ فَنَاجٍ مُّسَلَّمٌ وَّ مَخْدُوْشٌ مُّرْسَلٌ وَّمَكْدُوْشٌ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ حَتّٰی اِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَامِنْ اَحَدٍ مِّنْكُمْ بِاَشَدَّ مُنَاشَدَةً لِّلّٰهِ فِی اسْتِقْصَاءِ الْحَقِّ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا كَانُوْا یَصُوْمُوْنَ مَعَنَا وَیُصَلُّوْنَ وَیَحُجُّوْنَ فَیُقَالُ لَهُمْ اَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ فَتُحَرَّمُ صُوَرُهُمْ عَلَی النَّارِ فَیُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِیْرًا قَدْ اَخَذَتِ النَّارُ اِلٰی نِصْفِ سَاقَیْهِ وَاِلٰی رُكْبَتَیْهِ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا مَا بَقِیَ فِیْهَا اَحَدٌ مِّمَّنْ اَمَرْتَنَا بِهٖ فَیَقُوْلُ عَزَّوَجَلَّ ارْجِعُوْا فَمَنْ وَّجَدْتُّمْ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ دِیْنَارٍ مِّنْ خَیْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَیُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِیْرًا ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِیْهَا اَحَدًامِّمَّنْ اَمَرْتَنَا بِهٖ ثُمَّ یَقُوْلُ ارْجِعُوْا فَمَنْ وَّجَدْتُّمْ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ نِصْفِ دِیْنَارٍ مِّنْ خَیْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَیُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِیْرًا

ثُمَّ يَقُولُونَ رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيهَا مِمَّنْ اَمَرْتَنَا اَحَدًا ثُمَّ يَقُولُ ارْجِعُوا فَمَنْ وَجَدْتُّمْ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا ثُمَّ يَقُولُوْنَ رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيْهَا خَيْرًا وَّكَانَ اَبُوْسَعِيْدِ الْخُدْرِيُّ يَقُوْلُ اِنْ لَّمْ تُصَدِّقُوْنِيْ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَّ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضَاعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ [٤ / النساء : ٤٠] فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ شَفَعَتِ الْمَلٰئِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِّنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَّمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ قَدْعَا دُوْا حُمَمًا فَيُلْقِيْهِمْ فِيْ نَهْرٍ فِيْ اَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهٗ نَهْرُ الْحَيٰوةِ فَيَخْرُجُوْنَ كَمَا تَخْرُجُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ اَلَا تَرَوْنَهَا تَكُوْنُ اِلَى الْحَجَرِ اَوْ اِلَى الشَّجَرِ مَايَكُوْنُ اِلَى الشَّمْسِ اُصَيْفِرُ وَ اُخَيْضِرُ وَمَا يَكُوْنُ مِنْهَا اِلَى الظِّلِّ يَكُوْنُ اَبْيَض فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَاَنَّكَ كُنْتَ تَرْعٰى بِالْبَادِيَةِ قَالَ فَيَخْرُجُوْنَ كَاللُّؤْلُؤِ فِيْ رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ يَعْرِفُهُمْ اَهْلُ الْجَنَّةِ هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اَدْخَلَهُمُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ ثُمَّ يَقُوْلُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ فَمَا رَاَيْتُمُوْهُ فَهُوَ لَكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَعْطَيْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ فَيَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ اَفْضَلُ مِنْ هٰذَا فَيَقُوْلُوْنَ يَا رَبَّنَا اَيُّ شَيْءٍ اَفْضَلُ مِنْ هٰذَا فَيَقُوْلُ رِضَائِيْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا۔ [بخاری : ۴۵۸۱، ۷۴۳۹، مسلم ۱/۱۰۲، حدیث : ۴۵۴]

باقی رہ جائیں گے وہی لوگ جو اللہ کو پوجتے تھے نیک ہوں یا بد مسلمانوں میں سے اور کچھ اہل کتاب میں سے پھر یہودی بلائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا تم کس کو پوجتے تھے؟ وہ کہیں گے ہم پوجتے تھے حضرت عزیر علیہ السلام کو جو اللہ کے بیٹے ہیں۔ ان کو جواب ملے گا۔ تم جھوٹے تھے اللہ جل جلالہ نے نہ کوئی بی بی کی، نہ اس کا بیٹا ہوا۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے اے ربّ ہمارے! ہم پیاسے ہیں۔ ہم کو پانی پلا۔ حکم ہو گا جاؤ پیو، پھر وہ ہانک دیئے جائیں گے جہنم کی طرف، ان کو ایسا معلوم ہو گا جیسے سراب اور وہ شعلے ایسے مار رہا

ہوگا۔ گویا ایک کو ایک کھا رہا ہے وہ سب گر پڑیں گے آگ میں بعد اس کے نصاریٰ بلائے جائیں گے اور ان سے سوال ہوگا تم کس کو پوجتے تھے؟ وہ کہیں گے۔ ہم پوجتے تھے حضرت مسیحؑ کو جو اللہ کے بیٹے ہیں، ان کو جواب ملے گا تم جھوٹے تھے۔ اللہ جل جلالہٗ کی نہ کوئی جورو ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے۔ پھر ان سے کہا جائے گا اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے اے رب! ہم پیاسے ہیں ہم کو پانی پلا حکم ہوگا جاؤ پھر وہ سب ہانکے جائیں گے جہنم کی طرف گویا وہ سراب ہوگا اور لپٹ کے مارے وہ آپ ہی آپ ایک ایک کو کھاتا ہوگا۔ پھر وہ سب گر پڑیں گے جہنم میں یہاں تک کہ جب کوئی باقی نہ رہے گا۔ سو ان لوگوں کے جو اللہ کو پوجتے تھے نیک ہوں یا بد اس وقت مالک سارے جہان کا ان کے پاس آئے گا۔ ایک ایسی صورت میں جو مشابہ نہ ہوگی اس صورت سے جس کو وہ جانتے ہیں اور فرمائے گا تم کس بات کے منتظر ہو ہر ایک گروہ ساتھ ہو گیا۔ اپنے اپنے معبود کے وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے تو دنیا میں ان لوگوں کا ساتھ نہ دیا (یعنی مشرکوں کا جب ہم ان کے بہت محتاج تھے نہ ان کی صحبت میں رہے پھر وہ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں وہ کہیں گے، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں تجھ سے اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے دو یا تین بار یہی کہیں گے یہاں تک کہ ان میں کے بعض لوگ پھر جانے کے قریب ہوں گے (کیونکہ یہ امتحان بہت سخت ہوگا اور شبہ دل میں زور کرے گا) پھر وہ فرمائے گا اچھا تم اپنے رب کی کوئی نشانی جانتے ہو۔ جس سے اس کو پہچانو وہ کہیں گے ہاں پھر اللہ کی پنڈلی کھل جائے گی اور جو شخص اللہ کو (دنیا میں) اپنے دل سے (بغیر جبر اور خوف یا ریا کے) سجدہ کرتا ہوگا۔ اس کو وہاں بھی سجدہ میسر ہوگا اور جو شخص (دنیا میں) سجدہ کرتا تھا اپنی جان بچانے کو (تلوار کے ڈر سے اور دل میں اس کے ایمان نہ تھا یا لوگوں کے دکھلانے کو) اس کی پیٹھ اللہ تعالیٰ ایک تختہ کر دے گا۔ جب وہ سجدہ کرنا چاہے گا تو چت گر پڑے گا۔ پھر وہ لوگ اپنا سر اٹھائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس صورت میں ہوگا جس صورت میں پہلے اسے دیکھا تھا اور کہے گا، میں تمہارا رب ہوں۔ وہ سب کہیں گے تو ہمارا رب ہے۔ بعد اس کے جہنم پر پل رکھا جائے گا اور سفارش (شفاعت) شروع ہو گی اور لوگ کہیں گے، یا اللہ بچا، یا اللہ بچا لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پل کیسا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک پھسلنے کا مقام ہوگا وہاں آنکڑے ہوں گے اور کانٹے جیسے نجد کے ملک میں ایک کانٹا ہوتا ہے جس کو سعدان کہتے ہیں یعنی (ٹیڑھے سر والا)

مؤمن اس پر سے پار ہوں گے بعضے پل مارنے میں بعض بجلی کی طرح بعض پرند کی طرح
بعضے تیز گھوڑوں کی طرح بعض اونٹوں کی طرح اور بعض بالکل جہنم سے بچ کر پار ہو جائیں
گے (یعنی ان کو کسی قسم کا صدمہ نہیں پہنچے گا) اور بعض کچھ صدمہ اٹھائیں گے لیکن پار ہو
جائیں گے اور بعض صدمہ اٹھا کر جہنم میں گر جائیں گے۔ جب مؤمنوں کو جہنم سے چھٹکارا
ہو گا تو قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی تم میں سے اپنے حق کیلئے اتنا
جھگڑنے والا نہیں ہے، جتنے وہ جھگڑنے والے ہوں گے اللہ سے قیامت کے دن اپنے ان
بھائیوں کیلئے جو جہنم میں ہوں گے۔ (اللہ سے جھگڑنے والے یعنی اللہ سے بار بار عرض
کرنے والے اپنے بھائیوں کے چھڑانے کیلئے) وہ کہیں گے اے رب ہمارے! وہ لوگ
(جواب جہنم میں ہیں) روزہ رکھتے تھے ہمارے ساتھ اور نماز پڑھتے تھے اور حج کرتے تھے
حکم ہوگا اچھا جاؤ اور نکال لو جہنم سے جن کو تم پہچانو، پھر ان کی صورتیں جہنم پر حرام ہو جائیں
گی (یعنی جہنم کی آگ ان کی صورت کو بدل نہ سکے گی اور چہرہ ان کا محفوظ رہے گا۔ تا کہ
مؤمنین ان کو پہچان لیں) اور مؤمنین بہت سے آدمیوں کو جہنم سے نکال لیں گے۔ ان میں
سے بعض کو آگ نے آدھی پنڈلیوں تک کھایا ہوگا۔ بعض کو گھٹنوں تک، پھر وہ کہیں گے اے
رب ہمارے اب تو جہنم میں کوئی باقی نہیں رہا، ان آدمیوں میں سے جن کے نکالنے کا تو نے
ہمیں حکم دیا تھا (یعنی روزہ، نماز اور حج کرنے والوں میں سے اب کوئی نہیں رہا، حکم ہوگا پھر
جاؤ اور جس کے دل میں ایک دینار برابر بھلائی پاؤ اس کو بھی نکال لاؤ پھر وہ نکالیں گے بہت
سے آدمیوں کو اور کہیں گے۔ اے رب ہمارے! ہم نے نہیں چھوڑا کسی کو ان لوگوں میں سے
جن کے نکالنے کا تو نے حکم دیا تھا۔ حکم ہوگا پھر جاؤ اور جس کے دل میں آدھے دینار برابر بھی
بھلائی پاؤ اس کو بھی نکال لو، وہ پھر بہت سے آدمیوں کو نکالیں گے اور کہیں گے اے
پروردگار! اب تو اس میں کوئی باقی نہیں رہا ان لوگوں میں سے جن کے نکالنے کا تو نے حکم دیا
تھا۔ حکم ہوگا۔ پھر جاؤ اور جس کے دل میں ایک ذرّہ برابر بھلائی ہو اس کو بھی نکال لو۔ پھر وہ
نکالیں گے بہت سے آدمیوں کو اور کہیں گے اے ربّ ہمارے! اب تو اس میں کوئی نہیں رہا
جس میں ذرا بھی بھلائی تھی (بلکہ اب سب اسی قسم کے لوگ ہیں جو بدکار اور کافر تھے اور رتی
برابر بھی بھلائی ان میں نہ تھی) ابو سعید خدریؓ جب اس حدیث کو بیان کرتے تھے تو کہتے
تھے۔ اگر تم مجھ کو سچا نہ جانو، اس حدیث میں پڑھو اس آیت کو کہ: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ

ذَرَّةٍ۔ اخیر تک یعنی اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرے گا رتی برابر اور جو نیکی ہو تو اس کو دونا کرے گا اور اپنے پاس سے بہت کچھ ثواب دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا فرشتے سفارش کر چکے اور پیغمبر سفارش کر چکے اور مؤمنین سفارش کر چکے اب کوئی باقی نہیں رہا پر وہ باقی ہے جو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے (قربان اس کی ذات مقدس کے) پھر ایک مٹھی آدمیوں کی جہنم سے نکالے گا اور اس میں وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے کوئی بھلائی کی نہیں کبھی۔ وہ جل کر کوئلہ ہو گئے ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نہر میں ڈال دے گا جو جنت کے دروازوں پر ہو گی جن کا نام نہر الحیات ہے وہ اس میں ایسا جلد تر و تازہ ہوں گے جیسے دانہ پانی کے بہاؤ کوڑے کچرے کی جگہ پر اُگ آتا ہے (زور سے بھیگ کر) تم دیکھتے ہو وہ دانہ کبھی پتھر کے پاس ہوتا ہے کبھی درخت کے پاس اور جو آفتاب کے رخ پر۔

اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ تجلیٔ ساق کے بعد جب مؤمنین سجدہ سے سر اٹھائیں گے تو اس وقت انہیں اللہ ربّ العزت اپنی رؤیت مبارکہ سے مشرف فرمائے گا اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے اسی طرح بغیر کسی تکلیف کے رؤیت کی سعادت حاصل کرے گا، جیسے لوگ ہر جگہ سے برابر سورج اور چاند کا مشاہدہ کرتے ہیں اور جو منافق سجدہ سے محروم ہوں گے، وہ اپنے کفر و نفاق کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی زیارت سے بھی محروم ہوں گے، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: ﴿كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ﴾ [التطفيف : ۱۵] ''کوئی نہیں وہ اپنے ربّ سے اس دن روک دیئے جائیں گے)۔ (فتح الباری ۱۶/ ۵۵۰ فتح الملہم وغیرہ) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رؤیت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین۔

دوسری فصل:

میدانِ محشر کی اندھیریوں میں نور کی تقسیم

اہل ایمان اور منافقین میں امتیاز اور آخری امتحان کے بعد پورے میدان میں سخت اندھیرا طاری کر دیا جائے گا، پھر اہل ایمان کو ان کے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے اعتبار سے نور عطا کیا جائے گا، اسی نور اور روشنی کے ذریعہ وہ اگلے اہم ترین مرحلہ یعنی ''پل صراط'' کو طے کریں گے اور

بالآخر جنت میں پہنچیں گے' منافقین کو یا تو بالکل نور سے محروم رکھا جائے گا' یا معمولی نور دے کر عین ضرورت کے وقت ان سے نور چھین لیا جائے گا اور وہ حسرت سے اندھیرے میں کھڑے کے کھڑے رہ جائیں گے' قرآنِ کریم میں ارشادِ ربانی ہے:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۱۲) يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ (۱۳) يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (۱٤) فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (۱۵)

''جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو کہ دوڑتی ہوئی چلتی ہے ان کی روشنی ان کے آگے اور ان کے داہنے' خوشخبری ہے تم کو آج کے دن باغ میں نیچے بہتی ہیں جن کے نہریں' سدا رہو ان میں' یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد ملنی' جس دن کہیں گے دغاباز مرد اور دغاباز عورتیں ایمان والوں کو راہ دیکھو ہماری ہم بھی روشنی لیں تمہارے نور سے' کوئی کہے گا لوٹ جاؤ پیچھے' پھر ڈھونڈ لو روشنی' پھر کھڑی کر دی جائے ان کے بیچ میں ایک دیوار' جس میں ہوگا دروازہ' اس کے اندر رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب۔ یہ ان کو پکاریں گے' کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ؟ کہیں گے کیوں نہیں! لیکن تم نے بچلا دیا اپنے آپ کو اور راہ دیکھتے رہے اور دھوکہ میں پڑے اور بہک گئے اپنے خیالوں پر یہاں تک کہ آ پہنچا حکم اللہ کا اور تم کو بہکا دیا اللہ کے نام سے اس دغاباز نے' سو آج تم سے قبول نہ ہوگا فدیہ دینا اور نہ منکروں سے' تم سب کا گھر دوزخ ہے اور وہی ہے رفیق تمہاری اور بری جگہ جا پہنچے۔

نور میں زیادتی کے اسباب

احادیث طیبہ میں ان مبارک اعمال کی ترغیب دی گئی ہے جو میدانِ محشر میں نور کی زیادتی

کا سبب بنیں گے، ان میں سے بعض اعمال کا خلاصہ یہ ہے:

① اندھیری رات میں جماعت کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد جانے والوں کو آنحضرت ﷺ نے کامل نور کی خوشخبری سنائی ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

② مطلقاً پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کو موجب نور قرار دیا گیا اور نماز چھوڑنے کو نور سے محرومی کا سبب بتایا گیا۔ (مسند احمد)

③ سورۂ کہف پڑھنے والے کا اتنا نور ہوگا جو اس کی جگہ سے مکہ مکرمہ تک محیط ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھنے کا معمول رکھے گا اس کو قدم سے آسمان تک نورِ عظیم عطا ہوگا۔ (طبرانی)

④ قرآنِ کریم پڑھنا قیامت میں باعث نور ہوگا۔ (مسند احمد)

⑤ درود شریف پڑھنے سے نور عطا ہوگا۔ (دیلمی)

⑥ حج وعمرہ سے فراغت پر جو بال حلق کرائے جاتے ہیں، اس کے ہر بال کے بدلے میں نور عطا ہوگا۔ (طبرانی) منیٰ میں جمرات کی رمی کرنا باعثِ نور ہوگا۔ (بزار)

⑦ جس شخص کے بال حالت اسلام میں سفید ہو جائیں (مسلمان بوڑھا ہو جائے) تو یہ سفید بال اس کے لئے نور ہوں گے۔ (طبرانی)

⑧ جہاد فی سبیل اللہ میں استعمال کیا جانے والا ہر تیر باعثِ نور ہوگا۔ (بزار)

⑨ بازار میں اللہ کو یاد رکھنے والے کو بھی ہر بال کے بدلے نور عطا کیا جائے گا۔ (بیہقی)

⑩ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف دور کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے پل صراط پر نور کے دو عظیم شعبے مقرر فرمائے گا جس سے ایک جہاں روشن ہو جائے گا جس کی مقدار اللہ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہے۔ (طبرانی، ملخص از معارف القرآن ۸/۳۰۸-۳۰۹)

اس کے برخلاف اعمالِ سیئہ جتنے زیادہ ہوں گے روشنی اسی اعتبار سے کم ہوتی جائے گی، بالخصوص اللہ کے بندوں کی حق تلفیاں اور ایذاء رسانیاں قیامت میں سخت اندھیریوں کا باعث ہوں گی، اس لئے ایسے اعمالِ بد سے اپنے کو بچانا لازم ہے اور اعمالِ صالحہ اختیار کر کے دنیا ہی میں قیامت کے نور کی زیادتی کے اسباب فراہم کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ پوری امت کو نورِ تام کی دولت سے نوازے۔ آمین

پل صراط

اس کے بعد جہنم پر ایک پل قائم کیا جائے گا جس کا نام ''صراط'' ہوگا۔ یہ پل بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوگا۔ (مسلم شریف ۱/۱۰۳) پل پر سے گزر کر اہل ایمان جنت کی طرف جائیں گے، جو جتنا زیادہ پختہ ایمان اور بہترین عمل صالح والا ہوگا وہ اتنی ہی تیزی اور عافیت سے پل صراط پر سے گزر جائے گا اور جو لوگ کم عقل ہوں گے وہ اپنے اعمال کے اعتبار سے دیر میں گزر سکیں گے اور جو بدعمل ہوں گے ان کو پل صراط کے کنارے لگی ہوئی سنڈاسیاں پکڑ کر سزا دینے کے لئے جہنم میں ڈال دیں گی۔ اللھم احفظنا منہ۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

...... ثُمَّ يُضْرَبُ الْجِسْرُ عَلٰى جَهَنَّمَ وَتَحِلُّ الشَّفَاعَةُ وَيَقُوْلُوْنَ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْجِسْرُ قَالَ دَحْضٌ مَّزِلَّةٌ فِيْهَا خَطَاطِيْفُ وَكَلَالِيْبُ وَحَسَكٌ تَكُوْنُ بِنَجْدٍ فِيْهَا شُوَيْكَةٌ يُقَالُ لَهَا السَّعْدَانُ فَيَمُرُّ الْمُؤْمِنُوْنَ كَطَرْفِ الْعَيْنِ وَكَالْبَرْقِ وَكَالرِّيْحِ وَكَالطَّيْرِ وَكَاَجَاوِيْدِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ فَنَاجٍ مُّسَلَّمٌ وَّمَخْدُوْشٌ مُّرْسَلٌ وَّمَكْدُوْسٌ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ حَتّٰى اِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَامِنْ اَحَدٍ مِّنْكُمْ بِاَشَدَّ مُنَاشَدَةً لِّلّٰهِ فِي اسْتِقْصَاءِ الْحَقِّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا كَانُوْا يَصُوْمُوْنَ مَعَنَا وَيُصَلُّوْنَ وَيَحُجُّوْنَ فَيُقَالُ لَهُمْ اَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ فَتُحَرَّمُ صُوَرُهُمْ عَلَى النَّارِ فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا قَدْ اَخَذَتِ النَّارُ اِلٰى نِصْفِ سَاقَيْهِ وَاِلٰى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا مَا بَقِيَ فِيْهَا اَحَدٌ مِّمَّنْ اَمَرْتَنَا بِهٖ فَيَقُوْلُ عَزَّوَجَلَّ ارْجِعُوْا فَمَنْ وَّجَدْتُّمْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ دِيْنَارٍ مِّنْ خَيْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيْهَا اَحَدًا مِّمَّنْ اَمَرْتَنَا بِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ ارْجِعُوْا فَمَنْ وَّجَدْتُّمْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ نِصْفِ دِيْنَارٍ مِّنْ خَيْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيْهَا مِمَّنْ اَمَرْتَنَا اَحَدًا ثُمَّ يَقُوْلُ ارْجِعُوْا فَمَنْ وَّجَدْتُّمْ فِيْ

قَلْبِہٖ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ مِّنْ خَیْرٍ فَاَخْرِجُوْہُ فَیُخْرِجُوْنَ خَلْقًا کَثِیْرًا ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِیْھَا خَیْرًا وَّکَانَ اَبُوْسَعِیْدِ الْخُدْرِیُّ یَقُوْلُ اِنْ لَّمْ تُصَدِّقُوْنِیْ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ فَاقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَایَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ وَّ اِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضَاعِفْھَا وَ یُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ [٤ / النساء : ٤٠] فَیَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ شَفَعَتِ الْمَلٰئِکَۃُ وَشَفَعَ النَّبِیُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَمْ یَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ فَیَقْبِضُ قَبْضَۃً مِّنَ النَّارِ فَیُخْرِجُ مِنْھَا قَوْمًا لَّمْ یَعْمَلُوْا خَیْرًا قَطُّ قَدْعَادُوْا حُمَمًا فَیُلْقِیْھِمْ فِیْ نَھْرٍ فِیْ اَفْوَاہِ الْجَنَّۃِ یُقَالُ لَہٗ نَھْرُ الْحَیٰوۃِ فَیَخْرُجُوْنَ کَمَا تَخْرُجُ الْحِبَّۃُ فِیْ حَمِیْلِ السَّیْلِ اَلَا تَرَوْنَھَا تَکُوْنُ اِلَی الْحَجَرِ اَوْ اِلَی الشَّجَرِ مَایَکُوْنُ اِلَی الشَّمْسِ اُصَیْفِرُ وَ اُخَیْضِرُ وَمَا یَکُوْنُ مِنْھَا اِلَی الظِّلِّ یَکُوْنُ اَبْیَضَ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَاَنَّکَ کُنْتَ تَرْعٰی بِالْبَادِیَۃِ قَالَ فَیَخْرُجُوْنَ کَاللُّؤْلُؤِ فِیْ رِقَابِھِمُ الْخَوَاتِمُ یَعْرِفُھُمْ اَھْلُ الْجَنَّۃِ ھٰؤُلَآءِ عُتَقَآءُ اللّٰہِ الَّذِیْنَ اَدْخَلَھُمُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْہُ وَلَا خَیْرٍ قَدَّمُوْہُ ثُمَّ یَقُوْلُ اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ فَمَا رَاَیْتُمُوْہُ فَھُوَ لَکُمْ فَیَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَعْطَیْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ فَیَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ اَفْضَلُ مِنْ ھٰذَا فَیَقُوْلُوْنَ یَا رَبَّنَا اَیُّ شَیْءٍ اَفْضَلُ مِنْ ھٰذَا فَیَقُوْلُ رِضَائِیْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَیْکُمْ بَعْدَہٗ اَبَدًا۔ [بخاری : ۴۵۸۱، ۷۴۳۹، مسلم حدیث : ٤٥٤]

بعد اس کے جہنم پر پل رکھا جائے گا اور سفارش (شفاعت) شروع ہوگی اور لوگ کہیں گے، یا اللہ بچا، یا اللہ بچا لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پل کیسا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک پھسلنے کا مقام ہوگا وہاں آنکڑے ہوں گے اور کانٹے جیسے نجد کے ملک میں ایک کانٹا ہوتا ہے جس کو سعدان کہتے ہیں یعنی (ٹیڑھے سر والا) مؤمن اس پر سے پار ہوں گے بعضے پل مارنے میں بعض بجلی کی طرح بعض پرند کی طرح بعضے تیز گھوڑوں کی طرح بعض اونٹوں کی طرح اور بعض بالکل جہنم سے بچ کر پار ہو جائیں گے (یعنی ان کو کسی قسم کا صدمہ نہیں پہنچے گا) اور بعض کچھ صدمہ اٹھائیں گے لیکن پار ہو جائیں گے اور بعض صدمہ اٹھا کر

جہنم میں گر جائیں گے۔ جب مؤمنوں کو جہنم سے چھٹکارا ہوگا تو قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی تم میں سے اپنے حق کیلئے اتنا جھگڑنے والا نہیں ہے، جتنے وہ جھگڑنے والے ہوں گے اللہ سے قیامت کے دن اپنے ان بھائیوں کیلئے جو جہنم میں ہوں گے۔ (اللہ سے جھگڑنے والے یعنی اللہ سے بار بار عرض کرنے والے اپنے بھائیوں کے چھڑانے کیلئے) وہ کہیں گے اے رب ہمارے! وہ لوگ (جواب جہنم میں ہیں) روزہ رکھتے تھے ہمارے ساتھ اور نماز پڑھتے تھے اور حج کرتے تھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور نکال لو جہنم سے جن کو تم پہچانو، پھر ان کی صورتیں جہنم پر حرام ہو جائیں گی (یعنی جہنم کی آگ ان کی صورت کو بدل نہ سکے گی اور چہرہ ان کا محفوظ رہے گا۔ تاکہ مؤمنین ان کو پہچان لیں) اور مؤمنین بہت سے آدمیوں کو جہنم سے نکال لیں گے۔ ان میں سے بعض کو آگ نے آدھی پنڈلیوں تک کھایا ہوگا۔ بعض کو گھٹنوں تک، پھر وہ کہیں گے اے رب ہمارے اب تو جہنم میں کوئی باقی نہیں رہا، ان آدمیوں میں سے جن کے نکالنے کا تو نے ہمیں حکم دیا تھا (یعنی روزہ، نماز اور حج کرنے والوں میں سے اب کوئی نہیں رہا، حکم ہوگا پھر جاؤ اور جس کے دل میں ایک دینار برابر بھلائی پاؤ اس کو بھی نکال لاؤ پھر وہ نکالیں گے بہت سے آدمیوں کو اور کہیں گے۔ اے رب ہمارے! ہم نے نہیں چھوڑا کسی کو ان لوگوں میں سے جن کے نکالنے کا تو نے حکم دیا تھا۔ حکم ہوگا پھر جاؤ اور جس کے دل میں آدھے دینار برابر بھی بھلائی پاؤ اس کو بھی نکال لو، وہ پھر بہت سے آدمیوں کو نکالیں گے اور کہیں گے اے پروردگار! اب تو اس میں کوئی باقی نہیں رہا ان لوگوں میں سے جن کے نکالنے کا تو نے حکم دیا تھا۔ حکم ہوگا۔ پھر جاؤ اور جس کے دل میں ایک ذرّہ برابر بھلائی ہو اس کو بھی نکال لو۔ پھر وہ نکالیں گے بہت سے آدمیوں کو اور کہیں گے اے ربّ ہمارے! اب تو اس میں کوئی نہیں رہا جس میں ذرا بھی بھلائی تھی (بلکہ اب سب اسی قسم کے لوگ ہیں جو بدکار اور کافر تھے اور رتی برابر بھی بھلائی ان میں نہ تھی) ابوسعید خدریؓ جب اس حدیث کو بیان کرتے تھے تو کہتے تھے۔ اگر تم مجھ کو سچا نہ جانو، اس حدیث میں پڑھو اس آیت کو کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ۔ اخیر تک یعنی اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرے گا رتی برابر اور جو نیکی ہو تو اس کو دونا کرے گا اور اپنے پاس سے بہت کچھ ثواب دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا فرشتے سفارش کر چکے اور پیغمبر سفارش کر چکے اور مؤمنین سفارش کر چکے اب کوئی باقی نہیں رہا پر وہ باقی ہے جو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا

ہے (قربان اس کی ذات مقدس کے) پھر ایک مٹھی آدمیوں کی جہنم سے نکالے گا اور اس میں وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے کوئی بھلائی کی نہیں کبھی۔ وہ جل کر کوئلہ ہو گئے ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نہر میں ڈال دے گا جو جنت کے دروازوں پر ہو گی جن کا نام نہر الحیات ہے وہ اس میں ایسا جلد تر و تازہ ہوں گے جیسے دانہ پانی کے بہاؤ کوڑے کچرے کی جگہ پر اُگ آتا ہے (زور سے بھیگ کر) تم دیکھتے ہو وہ دانہ کبھی پتھر کے پاس ہوتا ہے کبھی درخت کے پاس اور جو آفتاب کے رُخ پر......"

پل صراط پر سے کوئی کافر یا منافق نہیں گزرے گا' صرف اہل ایمان ہی گزریں گے' جن میں سے سزا کے مستحق بدعمل جہنم میں گر جائیں گے اور ایک مدت کے بعد ان کی معافی ہو جائے گی۔

شفاعت کا دوسرا مرحلہ

پل صراط پر گزرنے سے قبل جو حضرات شفاعت اور سفارش کے اہل ہوں گے' ان کو سفارش کی اجازت دی جائے گی جیسا کہ حدیث بالا کے جملہ ((وتحل الشفاعة)) سے معلوم ہوتا ہے' یہ سفارش کا دوسرا مرحلہ ہے' جس میں کچھ مخصوص قسم کے حضرات کو بطور اعزاز و اکرام یہ حق دیا جائے گا کہ وہ اپنے ان متعلقین کے حق میں سفارش کریں جو مؤمن تو ہیں لیکن اعمال میں کوتاہی کی وجہ سے مستحق جہنم ہو چکے ہیں' ان باعزت سفارش کرنے والوں میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور درج ذیل لوگ شامل ہوں گے۔ (مستفاد نووی علی مسلم ۱/۱۰۹' اکمال المعلم)

① باعمل حافظ قرآن کو اپنے اہل خاندان کے دس افراد کو عذاب سے بچانے کی سفارش کرنے کی اجازت ملے گی' چنانچہ ان کے حق میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔

(مشکوٰۃ ۱/۱۸۷)

② دنیا میں اگر کسی بدعمل شخص نے کسی نیک عمل والے شخص پر کوئی احسان کیا ہو گا تو وہ بدعمل' نیک عمل والے شخص کو دیکھ کر اس کو احسان یاد دلائے گا اور سفارش کا متمنی ہو گا' چنانچہ اس کی سفارش سے بدعمل شخص عذاب سے بچ جائے گا۔ (التذکرہ)

③ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء اور شہداء کو بھی اس مرحلہ پر سفارش کی اجازت دی

جائے گی۔ (مشکوۃ شریف ۲/۴۹۵)

پل صراط پر ''امانت'' اور ''رحم'' کی جانچ

پل صراط کے دائیں بائیں ''امانتداری'' اور رشتہ داری'' مجسم شکل میں موجود ہوں گے اور پل صراط سے گزرنے والوں کا جائزہ لے رہے ہوں گے اور یہ دونوں صفاتِ عالیہ اپنی رعایت رکھنے والوں کے حق میں گواہی دیں گی اور کوتاہی کرنے والوں کے خلاف حجت قائم کریں گی، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَتُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَتَقُوْمَانِ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْنًا وَّ شِمَالًا ۔ [متفق علیه]

''اور امانت اور رشتہ قرابت کو چھوڑ دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ پل صراط کے دائیں بائیں کنارے پر کھڑے ہو جائیں گے۔

اس کی شرح فرماتے ہوئے حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والمعنى ان الامانة والرحم لعظم شانهما و فخامة ما يلزم العباد من رعاية حقهما يوقفان هناك للامين والخائن والواصل والقاطع فيحاجان عن الحق و يشهدان على المبطل۔ [فتح الباری ۱۴/۵۵۳]

''اور مطلب یہ ہے کہ امانتداری اور رشتہ داری کی عظمت شان اور بندوں پر لازم ان کے حقوق کی رعایت کی عظیم اہمیت کی بناء پر ان دونوں کو پل صراط پر امین اور خائن اور رشتہ داری کا خیال رکھنے والے اور قطع کرنے والے کے لئے کھڑا کیا جائے گا' پس یہ دونوں حق ادا کرنے والے کی طرف سے دفاع کریں گے اور باطل شخص کے خلاف گواہی دیں گے۔''

اس لئے اگر ہمیں اپنی عزت کا خیال ہے اور پل صراط پر بعافیت گزرنے کی فکر ہے تو ہمیں امانت و دیانت اور رشتہ داری کا لحاظ رکھنا لازم ہے' اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر سخت رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اللھم احفظنا منه۔

پل صراط پر سے گزرتے ہوئے اہل ایمان کی شان

پل صراط پر گزرتے وقت صالح مؤمنین کی شان عجیب اور قابل رشک ہوگی' سب سے

پہلے جو جماعت گزرے گی' اس میں ستر ہزار افراد شامل ہوں گے جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمک دمک رہے ہوں گے' ان کے بعد تیز روشنی والے ستاروں کے مانند چمکدار چہرے والے حضرات گزریں گے' پھر اسی ترتیب سے درجہ بدرجہ اہل ایمان گزرتے رہیں گے' ارشادِ نبوی ہے:

ثُمَّ یَنْجُو الْمُؤْمِنُوْنَ فَتَنْجُو اَوَّلُ زُمْرَةٍ وَّجُوْهُهُمْ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ سَبْعُوْنَ اَلْفًا لَا يُحَاسَبُوْنَ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ كَاَضْوَءِ نَجْمٍ فِي السَّمَآءِ ثُمَّ كَذٰلِكَ ثُمَّ تَحِلُّ الشَّفَاعَةُ وَيَشْفَعُوْنَ حَتّٰى يُخْرَجَ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيْرَةً فَيُجْعَلُوْنَ بِفِنَاءِ الْجَنَّةِ وَيَجْعَلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ يَرُشُّوْنَ عَلَيْهِمُ الْمَآءَ حَتّٰى يَنْبُتُوْا نَبَاتَ الشَّيْءِ فِي السَّيْلِ وَيَذْهَبُ حُرَاقُهٗ ثُمَّ يَسْاَلُ حَتّٰى تُجْعَلَ لَهُ الدُّنْيَا وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهَا مَعَهَا۔

''پھر اہل ایمان نجات پائیں گے' پس ان میں سے پہلی کھیپ اس شان سے گزرے گی کہ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکدار ہوں گے' یہ ستر ہزار کی تعداد میں ہوں گے جن کا حساب کتاب کچھ نہ ہوگا' پھر ان کے بعد اس طرح چمکدار چہرے والے ہوں گے' جیسے آسمان میں چمکنے والا سب سے روشن ستارہ ہوتا ہے پھر اسی طرح درجہ بدرجہ۔''

ہماری یہ خواہش ہونی چاہیے کہ ہم ایسے اعمال لے کر دنیا سے جائیں کہ پل صراط سے گزرتے وقت ہم سراپا روشنی میں ہوں اور ہمارے بدن کے ہر ہر جز سے نور افشانی ہو رہی ہو۔ وما ذٰلك على الله العزيز۔

تیسری فصل:

جنت کی طرف روانگی اور معاملات کی صفائی

پل صراط سے بحفاظت پار ہونے کے بعد جنتیوں کے جتھے جنت کی طرف چلیں گے تو جنت کے دروازے تک پہنچنے سے قبل ان سب کو ایک خاص نہر کے پل پر روک لیا جائے گا اور

ان کے درمیان اگر حق تلفی وغیرہ یا کینہ کپٹ کی کوئی بات ہوگی تو جنت میں داخلہ سے قبل وہیں معافی تلافی کر کے انہیں پاک صاف کر دیا جائے گا' قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ - [الأعراف : ٤٣]

''اور کچھ ان کے دلوں میں غبار تھا' ہم اس کو دور کر دیں گے' ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔''

اور آنحضرت ﷺ نے اس کی مزید تفصیل اس طرح بیان فرمائی:

یَخْلُصُ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ فَیُحْبَسُوْنَ عَلٰی قَنْطَرَةٍ بَیْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَیُقَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضِهِمْ مَظَالِمُ کَانَتْ بَیْنَهُمْ فِی الدُّنْیَا حَتّٰی اِذَا هُذِّبُوْا وَنُقُّوْا اُذِنَ لَهُمْ فِیْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَاَحَدُهُمْ اَهْدٰی بِمَنْزِلِهٖ فِی الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهٖ کَانَ فِی الدُّنْیَا۔ [بخاری شریف ۲ /٦٩٧' حدیث رقم : ٦٥٣٥]

''اہل ایمان جہنم سے نجات پا جانے کے بعد جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل پر روک لئے جائیں گے' پھر ان سے آپس میں دُنیا میں جو حق تلفیاں ہوئی ہوں گی ان کی معافی تلافی کی جائے گی تا آنکہ جب انہیں پاک صاف کر دیا جائے گا تو انہیں جنت میں داخلہ کی اجازت ملے گی اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے جنتیوں میں سے ہر شخص اپنے جنت کے گھر کے بارے میں دنیا کے گھر سے زیادہ پہچان اور معرفت رکھتا ہے۔''

جنت کا دروازہ کھلوانے کے لئے آنحضرت ﷺ کی سفارش

جب اہل جنت' جنت کے قریب پہنچیں گے تو جنت کا دروازہ بند پائیں گے' جنت میں جانے کا اشتیاق بہت زیادہ ہوگا اس لئے جلد از جلد جنت میں داخلہ کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام سے سفارش کی درخواست کریں گے' بالآخر سید الاوّلین والآخرین سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ بارگاہِ ربّ العالمین میں سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اپنی امت کے جنت میں داخلہ کی سفارش پیش فرمائیں گے' ارشادِ نبوی ہے:

فَاٰتِیْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَاَقَعُ سَاجِدًا لِّرَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَیَّ وَیُلْهِمُنِیْ مِنْ

مَّحَامِدِہٖ وَحُسْنِ الثَّنَآءِ عَلَیْهِ شَیْئًا لَّمْ یَفْتَحْهُ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ ثُمَّ یُقَالُ یَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ اشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَرْفَعُ رَاْسِیْ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اَدْخِلِ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِكَ مَنْ لَّا حِسَابَ عَلَیْهِ مِنْ بَابِ الْاَیْمَنِ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَآءُ النَّاسِ فِیْمَا سِوٰی ذٰلِكَ مِنَ الْاَبْوَابِ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ اِنَّ مَا بَیْنَ الْمِصْرَاعَیْنِ مِنْ مَّصَارِیْعِ الْجَنَّةِ لَكَمَا بَیْنَ مَكَّةَ وَهَجَرٍ اَوْ كَمَا بَیْنَ مَكَّةَ وَبُصْرٰی۔

[مسلم شریف ۱/۱۱۱' حدیث رقم: ۴۸۰' بخاری: ۳۳۶۱' ۳۳۴۰' ۴۷۱۲' ترمذی: ۲۴۳۴]

''پس میں عرش کے نیچے آ کر اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا' پھر اللہ تعالیٰ میرے سینہ کو کھول دے گا اور میرے دِل میں اپنی حمد وثناء اور بہترین تعریف کے وہ کلمات القاء فرمائے گا جو مجھ سے قبل کسی کے لئے القاء نہ کئے گئے ہوں گے' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اے محمد! آپ اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر حساب کتاب نہیں' انہیں جنت کے داہنے دروازے سے داخل فرما دیجئے اور یہ لوگ دیگر دروازوں میں دوسرے لوگوں کے ساتھ شرکت کا حق بھی رکھتے ہیں (یعنی انہیں یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ جس دروازے سے چاہیں داخل ہو جائیں)۔......الخ

اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

اٰتِیْ بَابَ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَسْتَفْتِحُ فَیَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَیَقُوْلُ بِكَ اُمِرْتُ لَا اَفْتَحُ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ۔ [مسلم شریف ۱/۱۱۲' حدیث رقم: ۴۸۶]

''میں قیامت میں جنت کے دروازے پر جا کر اسے کھلوانے کی کوشش کروں گا تو جنت کا خازن پوچھے گا کہ آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا کہ محمد! تو وہ جواب دے گا کہ آپ ہی کے متعلق مجھے حکم ہوا ہے' آپ سے قبل میں کسی کے لئے دروازہ نہیں کھولوں گا۔''

جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے خوش نصیبوں کا حال

صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ستر ہزار

یا سات لاکھ خوش نصیب افراد بیک وقت پہلے مرحلہ میں جنت میں داخلہ سے مشرف ہوں گے۔

(مسلم شریف ۱/۱۱۶)

اور ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ستّر ہزار میں ہر ہزار کے ساتھ ستّر ہزار اور ہوں گے اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی شان کے مطابق مٹھی بھر افراد بھی بلا حساب کتاب داخل ہونے والے ہوں گے۔ (التذکرہ ۴۳۳، فتح الباری ۱۴/۵۰۱)

اور ایک روایت میں یہ تفصیل ہے کہ اولاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستّر ہزار کے عدد سے خوشخبری سنائی گئی، جس پر آپ نے اضافہ کی درخواست فرمائی تو آپ کو مژدہ سنایا گیا کہ ستّر ہزار میں ہر فرد کے ساتھ ستّر ہزار افراد اس جتھہ میں شامل ہوں گے۔ (نوادر الوصول، التذکرہ: ۴۳۳) اس اعتبار سے ان خوش نصیبوں کی تعداد ۴۹ کروڑ تک پہنچ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مبارک جماعت کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باسعادت حضرات کا تذکرہ فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس بات پر بحث شروع ہوگئی کہ یہ خوش نصیب افراد کس طبقہ سے تعلق رکھنے والے ہوں گے؟ چنانچہ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ مقام تو بس انبیاء علیہم السلام کو مل سکتا ہے، بعض نے رائے دی کہ اس میں وہ لوگ ہی شامل ہوں گے جو ابتداء ہی سے اسلام میں شامل رہے ہیں اور جنہوں نے زندگی میں کبھی بھی شرک نہیں کیا ہے، نیز بعض دیگر رائیں بھی سامنے آئیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کس بارے میں بحث کی جا رہی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سب رائیں بیان فرما دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَلَا يَكْتَوُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔

[مسلم شريف ۱/۱۱۷، حديث رقم: ۵۲۵]

"وہ خوش نصیب لوگ وہ ہیں جو نہ تو جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور نہ کراتے ہیں اور نہ (بدفالی) کے لئے پرندوں کو اڑاتے ہیں اور اپنے رب پر کامل توکل کرتے ہیں۔"

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں سب سے پہلے داخلہ کا شرف حاصل کرنے والے افراد ہوں گے، جو اپنے کمال توکل کی بناء پر دنیوی اسباب کو خاطر میں نہ لاتے ہوں گے اور ہر اس بات سے بچتے ہوں گے جس میں شرک کا ادنیٰ شائبہ بھی پایا جائے، مثلاً آیاتِ قرآنیہ

اور کلماتِ صحیحہ پر مبنی تعویذ اور جھاڑ پھونک اگرچہ درست ہے مگر اس میں عوام وخواص کے عقیدے بگڑنے کا امکان زیادہ رہتا ہے اس لئے وہ لوگ اس طرح کے اسباب کو اختیار کرنے میں احتیاط سے کام لیتے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرنے والے ہوں گے۔

(مستفاد فتح الباری ۱۴/ ۴۹۸)

یہاں یہ واضح رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آدمی دنیا کے اسباب کو ترک کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے نتیجہ کی امید رکھے بلکہ توکل کا مفہوم یہ ہے کہ اسبابِ دنیوی ظاہری اختیار کر کے کامیابی کی امید اللہ تعالیٰ سے رکھی جائے مثلاً کھیت میں محنت کر کے بیج ڈال دے پھر پیداوار کی امید اللہ سے رکھے اسی طرح دُکان میں سامان رکھ کر بیٹھے پھر نفع کی امید اللہ سے رکھے چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی صفت یہی رہی ہے حالانکہ ان سے بڑا اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا کوئی نہیں ہوسکتا انہوں نے مال حاصل کرنے کے اسباب اختیار فرمائے اسی طرح دشمنوں سے مقابلہ کے لئے فوج اور ہتھیار استعمال فرمائے اور پھر کامیابی اور ناکامی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی قدرت اور فیصلہ پر بھروسہ فرمایا یہی اصل میں توکل کی حقیقت ہے۔ (فتح الباری ۱۴/ ۵۰۰)

اور حدیث بالا میں جن اسباب کے ترک کی ترغیب وارد ہے وہ صرف ایسے اسباب ہیں جنہیں اختیار کرنے میں شرک کا شائبہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوا اور یہ بھی کامل درجہ ہے جو شخص اس درجہ پر نہ ہو اسے بھی غیر متوکل نہیں کیا جاسکتا۔

جنت میں اہل جنت کے داخلہ کا شاندار منظر

جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور اعمالِ صالحہ کی مناسبت سے لوگ ان دروازوں سے جنت میں داخل ہوں گے ایک دروازہ ''ریان'' کے نام سے ہوگا جس سے روزہ داروں کو داخلہ کی دعوت دی جائے گی اسی طرح دیگر اعمال کرنے والوں کا حال ہوگا بعض خوش نصیب اللہ کے بندے ایسے بھی ہوں گے جیسے سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ ان کا نام ہر دروازے سے پکارا جائے گا یعنی ہر دروازہ متمنی ہوگا کہ اس کی طرف سے سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جنت میں داخلہ کا شرف حاصل کریں الغرض عجیب فرحت وسرور اور جوش اور جذبات کا منظر ہوگا

اہل جنت چمکتے دمکتے چہروں اور خوشی اور مسرت سے معمور دلوں کے ساتھ جتھے کے جتھے بنا کر جنت میں داخل ہو رہے ہوں گے' جنت کے تمام دروازے پوری طرح کھلے ہوں گے اور پہرے دار فرشتے آنے والوں کا پرتپاک استقبال کر رہے ہوں گے اور ہر طرف سے مبارکبادیوں کی آوازیں گونج رہی ہوں گی اور ادھر سب اہل جنت اپنے محبوب پروردگار کی حمد و ثناء اور شکر کی ادائیگی میں مشغول ہوں گے' الغرض ایسا بشاشت انگیز' فرحت آمیز اور مسرت آگیں ماحول ہوگا جس کو بیان کرنے سے الفاظ قاصر اور زبانیں عاجز ہیں اور جس کے تصور ہی سے دل کے جذبات کھل اٹھتے ہیں اور اس سعادت کے حصول کا شوق چٹکیاں لینے لگتا ہے' رحمت خداوندی سے کیا بعید ہے کہ وہ اس شوق کو محض اپنی رحمت سے حقیقت بنا دے' ان شاء اللہ اسی خوش نما منظر کو قرآنِ کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ (۷۳) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (۷۴)

''اور لے جائے جائیں گے وہ لوگ جو اپنے ربّ سے ڈرتے تھے جنت کی طرف گروہ در گروہ' یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اس پر اور کھولے جائیں اس کے دروازے اور کہنے لگیں ان کو اس کے پہرے دار سلام پہنچے تم پر' تم لوگ پاکیزہ ہو' سو داخل ہو جاؤ اس میں سدا رہنے کو اور بولیں گے شکر اللہ کا جس نے سچا کیا ہم سے اپنا وعدہ اور وارث کیا ہم کو اس زمین کا' گھر بنالیں بہشت میں جہاں چاہیں' سو کیا خوب بدلہ ہے محنت کرنے والوں کا۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے ایسے خوش نصیب بندوں میں شامل فرمائے' آمین۔

جنت کی وسعت

جنت کی وسعت کا دنیا میں کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا' قرآنِ کریم میں ہمارے تصور کا خیال کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ لا أُعِدَّتْ

لِلۡمُتَّقِيۡنَ(۱۳۳) [آل عمران]

''اور دوڑو مغفرت کی طرف جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے اور جنت کی طرف جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین اور وہ تیار کی گئی ہے اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے۔''

اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ جنت میں داخل ہونے والے سب سے آخری شخص کو دنیا کے دس گنے کے بقدر وسعت والی جنت عطا فرمائی جائے گی۔ (مسلم شریف ۱/۱۰۱) تو جب ادنیٰ درجہ جنتی کے حصہ میں اتنی وسیع جنت آئے گی تو اعلیٰ درجات والوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

قرآنِ کریم میں جنت کی نعمتوں کا مختصر حال

جنت میں کیا کیا نعمتیں کس انداز کی ہوں گی، اس کا تصور کرنے سے ہماری عقلیں عاجز ہیں، وہاں کی نعمتیں ایسی ہوں گی جو کسی کی آنکھ نے کبھی دیکھی نہیں اور کسی کے دل میں ان کا خواب وخیال بھی نہیں گزرا، آج جو ہمیں ان نعمتوں کے متعلق قرآن وحدیث میں بتایا جارہا ہے یہ درحقیقت شوق دلانے کا ذریعہ ہے، ان بشارت آمیز حالات کو سن کر ہمارے دل میں جو تصورات پیدا ہوتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں ہمارے ان محدود تصورات سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہیں اور ان کا اصل علم ان شاء اللہ انہیں دیکھ کر ہی ہوگا۔

قرآنِ کریم میں اہل جنت سے وعدہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِىَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۔

[حم السجدة: ۱۷]

''سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانۂ غیب میں موجود ہے، یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔

اور ایک جگہ ارشادِ عالی ہے:

وَلَـكُمۡ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَلَـكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ (۳۱) نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِيۡمٍ(۳۲) [حم السجدة]

''اور تمہارے لئے وہاں ہے جو چاہے جی تمہارا' اور تمہارے لئے وہاں ہے جو کچھ مانگو' مہمانی ہے اس بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔''

علاوہ ازیں قرآنِ کریم میں جنت کی نعمتوں کا الگ الگ اجمالی تذکرہ بھی کیا گیا ہے مثلاً بتایا گیا کہ:

- جنت میں ایسے باغ ہوں گے جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔[البقرۃ ۲۴ وغیرہ]
- جنت کے پھل ایسے ہوں گے کہ دیکھنے میں ایک جیسے ہوں گے مگر ہر پھل کے ذائقہ میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ (البقرۃ آیت: ۲۵) اور انواع بھی الگ الگ ہوں گی' انار' کیلے' کھجور' انگور' الغرض ہر طرح کے پھل میسر ہوں گے۔
- جنت کی حوریں اور اہل جنت کی بیویاں نہایت خوبصورت' ہم عمر' شرمیلی' صاف ستھری' پاکیزہ اور بھرپور جوانی والی ہوں گی۔ (البقرۃ: ۲۵' آلِ عمران: ۱۵' الصافات: ۴۸ وغیرہ)
- جنت کے مکانات ومحلات نہایت ستھرے اور بارونق ہوں گے۔ (التوبۃ: ۷۲' الصف: ۱۲)
- جنتی لوگ موتی اور سونے کے شاندار کنگن پہنے ہوئے ہوں گے (تاکہ اصل دولت مندی کا اظہار ہوسکے)۔ (الکھف: ۳۱' الحج: ۲۳' فاطر: ۳۳)
- جنت میں نہایت لذیذ سفید رنگ کی عمدہ شراب ملے گی جس کو پی کر نہ چکر آئیں گے نہ دماغ ماؤف ہوگا۔ (الصافات: ۴۵ تا ۴۷)
- جنت میں خوبصورت لڑکے اہل جنت کی خاطر تواضع کے لئے سونے چاندی کی رکابیاں اور پیالے اِدھر اُدھر لے جاتے پھریں گے۔ (الزخرف: ۷۱)
- جنت میں پانی کی عمدہ نہریں ہیں جن کے پانی میں کسی قسم کی بو وغیرہ نہیں ہے۔ (محمد: ۱۵)
- اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا ذائقہ بالکل اصلی حالت میں رہتا ہے' دنیا کے دودھ کی طرح (وقت گزارنے سے) تبدیل نہیں ہوگا۔ (محمد: ۱۵)
- اور شہد کی ایسی نہریں ہیں جن کا جھاگ صاف کر کے اتارا جاچکا ہے یعنی بالکل نتھرا ہوا شہد ہے۔ (محمد: ۱۵)
- جنت میں حسب دلخواہ پرندوں کا گوشت میسر ہے۔ (الواقعہ: ۲۱)
- جنت میں جابجا ترتیب کے ساتھ غالیچے اور مخمل کے فرش بچھے ہوئے ہیں۔ (الغاشیہ: ۱۴' ۱۵)

احادیثِ طیبہ میں جنت کا بیان

احادیث شریفہ میں بہت وضاحت کے ساتھ جنت کی لازوال نعمتوں کا مبارک تذکرہ فرمایا گیا ہے جن کے مطالعہ سے طبعی طور پر دِل میں ان عظیم نعمتوں کا مستحق بننے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے' ایسی ہی چند احادیث کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے' آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

- جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔

(صحیح ابن حبان ۹۔۲۳۹۹' الترغیب ۴/ ۲۷۰)

- جنت کے سو درجات ہیں اور ہر ایک دوسرے درجہ کے درمیان زمین و آسمان کے بقدر مسافت ہے۔ (بخاری شریف ۱/ ۳۹۱' الترغیب ۴/ ۲۸۱)

- جنت کی عمارتوں میں ایک اینٹ سونے اور ایک چاندی کی لگی ہے اور ان کا سیمنٹ مشک ہے اور ان کی کنکریوں کی جگہ ہیرے جواہرات اور مٹی زعفران کی ہے جو ان میں داخل ہو جائے گی وہ کبھی پریشان نہ ہوں گے' ہمیشہ مزے میں رہے گا اور کبھی وہاں کسی کو موت نہ آئے گی' نہ کپڑے پرانے ہوں گے اور نہ کبھی جوانی ختم ہو گی۔

(مسند احمد ۲/ ۳۰۵' الترغیب ۴/ ۲۸۱)

- ایک جنتی کو ایسا خیمہ عطا ہوگا جو صرف ایک خولدار موتی سے بنا ہوگا جس کی لمبائی اور چوڑائی ساٹھ میل کے بقدر ہو گی اور اس مؤمن کے متعدد گھر والے اس میں مقیم ہوں گے اس خیمے کی وسعت کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں گے۔

(بخاری ۲/ ۷۲۴ و مسلم ۲/ ۳۸۰' الترغیب ۴/ ۲۸۴)

- جنت میں ایک نہر ہے جس کا نام ''کوثر'' ہے' اس نہر کے کنارے سونے کے ہیں اور اس کی نالیوں میں ہیرے جواہرات بچھے ہوئے ہیں اور اس کی مٹی مشک سے زیادہ معطر اور اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور اولے سے زیادہ سفید ہے۔

(ترمذی شریف ۲/ ۷۴' الترغیب ۴/ ۲۸۵)

☆ جنت میں ایک درخت اتنا بڑا سایہ دار ہے کہ اگر کوئی تیز رفتار گھوڑا سو سال تک متواتر دوڑتا رہے پھر بھی اس درخت کے سایہ کو قطع نہ کر سکے گا۔

(بخاری ۲/ ۹۶۴ و مسلم ۲/ ۳۷۸، مسند احمد ۲/ ۲۵۷، الترغیب ۴/ ۲۸۷)

☆ جنت کی عورتوں اور حوروں کے حسن و جمال کا عالم یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی عورت دنیا میں جھانک بھی لے تو پوری زمین اس کی بے مثال خوشبو سے معطر اور اس کی روشنی اور چمک دمک سے منور ہو جائے اور اس عورت کی اوڑھنی کی قیمت تمام دنیا جہان کی دولتوں سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ (بخاری شریف ۱/ ۳۹۲، الترغیب ۴/ ۲۹۵)

☆ جنت کی حوریں بیک وقت ستر بیش قیمت جوڑے پہنیں گی اور ان جوڑوں کے پہننے کے باوجود ان کی پنڈلیوں کی چمک دمک حتی کہ ان کی ہڈیوں کا گودا اوپر سے صاف جھلکتا ہوگا جو ان کے نہایت حسن و جمال اور لطافت کی علامت ہوگا۔ (الترغیب ۴/ ۲۹۷)

☆ جنت کی حوریں اپنے شوہروں کو نہایت شاندار انداز میں مسحور کن آواز میں گانے سنائیں گی اور حمد و ثنا اور شکر کے اشعار اپنی خوبصورت آواز میں پڑھا کریں گی۔ (الترغیب ۴/ ۳۰۰)

☆ جنت میں ایک عظیم بازار ہوگا جہاں جنتی ہر ہفتہ جایا کریں گے، وہاں شمال کی طرف سے ایسی ہوائیں چلتی ہوں گی جن کی وجہ سے ان جنتیوں کے حسن و جمال میں بے حد اضافہ ہو جائے گا۔ چنانچہ جب وہ اپنے گھروں کو لوٹیں گے تو ان کی بیویاں کہیں گی کہ آپ کے بازار جانے سے آپ کے حسن و جمال میں واقعی اضافہ ہو گیا ہے، یہ سن کر وہ جنتی اپنی بیویوں کے بارے میں بھی یہی جملہ کہیں گے۔ (مسلم ۲/ ۳۷۹، الترغیب ۴/ ۲۰)

☆ جنت میں ہر شخص کو دنیا کے سو مردوں کے برابر کھانے پینے اور جماع کی طاقت ہوگی اور سب کی عمریں ۳۳ سال کے جوان کے بقدر ہمیشہ رہیں گی۔ (کتاب العاقبۃ ۲۸۲، ۲۸۳)

☆ کم سے کم تر درجہ کے جنتی کو جنت میں اسی ہزار خدام اور بہتر بیویاں عطا ہوں گی۔

(کتاب العاقبۃ: ۲۸۴)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان لازوال نعمتوں سے سرفراز فرمائے، آمین۔

چوتھی فصل:

قرآنِ کریم میں جہنم کا ذکر

اس کے بالمقابل کفار اور بدعمل لوگوں کو سزا دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم بنائی ہے، جس کی سزائیں اور ہولناکیاں ناقابل بیان ہیں، قرآنِ کریم میں جگہ جگہ جہنم کی سختیوں کا ذکر کر کے اس سے ڈرایا گیا ہے، اس سلسلہ کی بعض آیات کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:

- جہنم کی آگ کو دھکانے کے لئے ایندھن کے طور پر انسان اور پتھر استعمال ہوں گے۔ (البقرۃ:۲۴، التحریم:۶)
- کافروں کی کھال جب جہنم کی آگ سے جل جائے گی تو فوراً دوسری نئی کھال ان پر چڑھا دی جائے گی (تاکہ برابر شدید تکلیف کا احساس ہوتا رہے) (النساء:۵۶)
- آگ ہی جہنمیوں کا اوڑھنا بچھونا ہوگی۔ (الاعراف:۴۱)
- جہنمیوں کو (پانی کے بجائے سڑا ہوا) پیپ پلایا جائے گا، جسے انہیں زبردستی پینا پڑے گا۔ (ابراہیم ۱۶، ۱۷)
- جہنمیوں کا لباس گندھک کا ہوگا (جس میں آگ جلدی لگتی ہے)۔ (ابراہیم:۵۰)
- جہنمیوں کی (شدتِ عذاب سے) ایسی دھاڑ اور چیخ و پکار ہوگی کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے گی۔ (ھود۱۰۶، انبیاء:۱۰۰)
- جہنمیوں پر نہایت کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا وہ پانی جب بدن کے اندر پہنچے گا تو پیٹ کی انتڑی، اوجھڑی سب گلا کر نکال دے گا اور کھال بھی گل پڑے گی اور اوپر سے لوہے کے ہتھوڑے سے پٹائی ہوتی رہے گی، بہت کوشش کریں گے کہ کسی طرح جہنم سے نکل بھاگیں مگر فرشتے پٹائی کر کے پھر انہیں جہنم میں دھکیلتے رہیں گے۔ (الحج:۱۹، ۲۲)
- ہر طرف سے آگ میں جلنے کی وجہ سے جہنمیوں کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔ (المومنون:۱۰۴)
- جہنمیوں کو سینڈھے (زقوم) کا درخت کھلایا جائے گا جو جہنم کی پیداوار ہوگا جو شیطان نما نہایت بدصورت ہوگا جسے دیکھ کر بھی کراہت آئے گی، اسی سے وہ پیٹ بھریں گے اور اوپر

سے جب پیاس لگے گی تو سخت ترین کھولتا ہوا پانی اور پیپ پلایا جائے گا۔

(الصافات: ۶۲،۶۷، الدخان ۴۳،۴۸)

- جہنمیوں کی گردن میں طوق پڑے ہوں گے اور پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوں گی اور (مجرموں کی طرح) انہیں گھسیٹ کر کھولتے ہوئے پانی میں ڈال دیا جائے گا پھر بھی آگ میں دھونکا یا جائے گا۔ (غافر: ۷۱،۷۲) کافروں کو ستر گز لمبی زنجیروں میں جکڑ کر لایا جائے گا۔ (الحاقہ: ۳۰)
- جہنم کے پہرے دار نہایت زبردست قوت والے اور سخت گیر فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم کی تعمیل میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کرتے (یعنی نہ وہ جہنمی پر رحم کھائیں گے اور نہ انہیں چکمہ دے کر کوئی جہنمی نکل سکے گا)۔ (التحریم: ۶)

احادیث شریف میں جہنم کی ہولناکیوں کا بیان

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے احادیث طیبہ میں نہایت تفصیل اور وضاحت کے ساتھ جہنم اور اس کے ہولناک عذابوں سے امت کو متنبہ فرمایا ہے، چند احادیث کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:

- جہنم کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں ۶۹ گنا زیادہ جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

(مسلم ۲/۳۸۱)

- جہنم کی آگ کو ایک ہزار سال تک دھکایا گیا جس کی وجہ سے وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دھکایا گیا جس کی بنا پر وہ جلتے جلتے سفید ہوگئی، اس کے بعد پھر ایک ہزار سال دھکایا گیا تو وہ سیاہ ہوگئی، چنانچہ اب وہ نہایت اندھیری اور سیاہی کے ساتھ دھک رہی ہے۔ (ترمذی ۲/۸۶)
- جہنمیوں کی غذا ''زقوم'' (سینڈھ) اتنی بدبودار ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی دنیا میں اتار دیا جائے تو تمام دنیا والوں کا بدبو کی وجہ سے یہاں رہنا دوبھر ہو جائے، تو اندازہ لگایئے کہ جس کی غذا ہی یہ ہوگی اس کا کیا حال ہوگا۔ (ترمذی شریف ۲/۸۶، ابن حبان ۹/۲۷۹)
- جہنمیوں کو پلایا جانے والا ''غساق'' (زخموں کا دھوون) اتنا سخت بدبودار ہے کہ اس کا

اگر صرف ایک ڈول بھی دنیا میں ڈال دیا جائے تو ساری دنیا اس کی بدبو سے سڑ جائے گی۔ (ترمذی۲/۸۶)

- جہنمیوں کو پلایا جانے والا پانی اس قدر سخت ہوگا کہ اس کو منہ سے قریب کرتے ہی چہرہ بالکل جھلس جائے گا حتیٰ کہ گرمی کی شدت سے اس کے سر کی کھال تک پگھل جائے گی، پھر جب وہ جہنمی اس بدبودار اور گرم تین پانی بادل نخواستہ پیئے گا تو وہ اس کی سب انتڑیاں کاٹ کر پیچھے کے راستے سے باہر نکال دے گا۔ اعاذنا اللّٰہ منہ۔ (ترمذی شریف۲/۸۵)
- جہنم کی لپٹوں سے جہنمی کا چہرہ اس طرح جھلس جائے گا کہ اوپر کا ہونٹ آدھے سر تک سمٹ جائے گا اور نیچے کا ہونٹ اس کی ناف تک سکڑ جائے گا۔ اللّٰھم احفظنا منہ۔

(ترمذی شریف۲/۱۵۱)

- کافر جہنمی کی ڈاڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کی کھال کی موٹائی ۳ دن کے مسافت کے بقدر ہو جائے گی (تاکہ بدن بڑا ہونے سے تکلیف میں مزید اضافہ ہو سکے)۔

(مسلم شریف۲/۳۸۲)

- ایک روایت میں ہے کہ کافر کی کھال کی موٹائی ۴۲ ہاتھ کی ہوگی اور ڈاڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی، اور ایک کافر کے بیٹھنے کی جگہ اتنی وسیع ہوگی جیسے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی مسافت ہے (تقریباً ۴۵۰ کلومیٹر)۔ (ترمذی شریف۲/۸۵)
- کافر کی زبان جہنم میں ایک فرسخ اور دو فرسخ کے بقدر باہر نکال دی جائے گی حتیٰ کہ دیگر جہنمی اس پر چلا کریں گے۔ (ترمذی شریف۲/۸۵)

- کافر کی زبان جہنم میں ایک فرسخ اور دو فرسخ کے بقدر باہر نکال دی جائے گی حتیٰ کہ دیگر جہنمی اس پر چلا کریں گے۔ (ترمذی شریف۲/۸۵)

- جہنم کے اژدھے اونٹ کی گردن کے برابر موٹے ہوں گے اور اتنے سخت زہریلے ہوں گے کہ ڈسنے کے بعد ان کے زہر کی ٹیس ستر سال تک اٹھتی رہیں گی اور جہنم کے بچھو خچروں کے برابر ہوں گے، جن کے ڈسنے کی ٹیس چالیس سال تک محسوس ہوگی۔

(مسند احمد۴/۱۹۱، الترغیب والترہیب۴/۲۵۸)

- جہنمیوں پر رونے کی حالت طاری کردی جائے گی پس روتے روتے ان کے آنسو خشک

ہو جائیں گے تو پھر وہ خون کے آنسو اس قدر روئیں گے کہ ان کے چہروں میں (اتنے بڑے بڑے) گڑھے ہو جائیں گے کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو وہ بھی چلنے لگیں۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الزہد باب: ۳۸، حدیث: ۴۳۲۴، ص: ۹۸۳، الترغیب والترہیب ۴/۲۷۰)

☆ جہنم میں سب سے کم تر عذاب والا شخص وہ ہوگا جس کے جوتے میں جہنم کے انگارے رکھ دیئے جائیں گے جن کی گرمی سے اس کا دماغ ایسے کھولے گا جیسے دیگچی میں آگ پر پانی کھولتا ہے اور وہ سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ سخت عذاب میں کوئی نہیں ہے حالانکہ وہ سب سے کم تر عذاب والا ہوگا۔ (بخاری ۲/۹۷۱، الترغیب والترہیب ۴/۲۶۶)

☆ جہنم میں داخلہ کے بعد سب سے پہلے جہنمیوں کو زہریلے سانپوں کے زہر پر مشتمل ایک مشروب پینے کو ملے گا، جس کے زہر کی شدت اس قدر زیادہ ہوگی کہ اس کو منہ سے قریب کرتے ہی اس کا گوشت اور ہڈیاں تتر بتر ہو جائیں گی۔ (مصنف ابی شیبہ ۷/۲)

اس لئے ہمیں اللہ کے عذاب سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے اور ہمیشہ اس کی فکر رہنی چاہیے کہ ہم اپنی بدعملی کی وجہ سے خدانخواستہ مستحق عذاب نہ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ پوری امت کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھے۔ آمین

پانچویں فصل:

بدعمل اہل ایمان کو جہنم سے نکالنے کیلئے آنحضرت ﷺ کی سفارش

ایک عرصہ کے بعد جبکہ وہ اہل ایمان جنہوں نے بدعملیاں کر رکھی ہوں گی جہنم میں جا کر اپنی مقررہ سزا بھگت چکے ہوں گے، تو اللہ رب العالمین اپنی عظیم الشان رحمت کا اظہار فرماتے ہوئے ان مومنین کی جہنم سے رہائی کی کارروائی کی شروعات فرمائے گا، سب سے پہلے ہمارے آقا و مولا سرورِ کائنات فخر دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بارگاہِ صمدیت میں سجدہ ریز ہو جائیں گے اور ایک زمانہ تک سجدہ میں رہ کر حمد و ثنا میں مشغول رہیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے محمد (ﷺ) سر اٹھایئے، ارشاد فرمایئے آپ کی بات سنی جائے گی اور سفارش فرمایئے

آپ کی سفارش قبول کی جائے گی' چنانچہ نبی اکرم ﷺ اپنی امت کے گنہگاروں کی شفاعت فرمانے کے لئے درخواست کریں گے کہ یارب! امتی امتی! (اے ربّ! میری امت' میری امت) تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ جایئے! جس شخص کے دل میں ایک گیہوں یا جو کے برابر بھی ایمان ہو' اسے جہنم سے نکال لیجئے' چنانچہ آپ تشریف لا کر ایسے اہل ایمان کو نکال دیں گے' پھر واپس جا کر بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اجازت ملنے پر پھر سفارش فرمائیں گے' تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جایئے! جس شخص کے دل میں ایک گیہوں یا جو کے برابر بھی ایمان ہو' اسے جہنم سے نکال لیجئے' چنانچہ آنحضرت ﷺ تشریف لا کر ایسے لوگوں کو جہنم سے خلاصی عطا فرمائیں گے' اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ دربارِ خداوندی میں مزید سفارش کریں گے تو ارشاد ہوگا کہ جایئے جس شخص کے دِل میں رائی کے دانے سے بھی تین گنا کم ایمان ہو اسے جہنم سے نکال دیجئے' چنانچہ آنحضرت ﷺ اس کمترین حد کے اہل ایمان کو بھی جہنم سے نکال لیں گے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ الٰہ العالمین! مجھے ایسے لوگوں کو بھی نکالنے کا حکم فرمایئے جس نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

لَيْسَ ذَاكَ لَكَ اَوْقَالَ لَيْسَ ذَاكَ اِلَيْكَ وَلٰكِنْ وَعِزَّتِيْ وَجَلَا لِيْ وَكِبْرِيَائِيْ وَعَظْمَتِيْ وَجِبْرِيَائِيْ لَاُخْرِجَنَّ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ فَاَشْهَدُ عَلَى الْحَسَنِ اَنَّهٗ حَدَّثَنَا بِهٖ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ اُرَاهُ قَالَ قَبْلَ عِشْرِيْنَ سَنَةً وَهُوَيَوْمَئِذٍ جَمِيْعٌ ۔ [بخاری : ۷۵۱۰' مسلم شریف عن انس ۱/ ۱۱۰ حدیث : ۴۷۹]

''اسکا آپ کو اختیار نہیں ہے لیکن میری عزت' میری کبریائی' میری عظمت کی قسم میں ضرور بالضرور اس شخص کو جہنم سے خود نکالونگا جس نے بھی کلمہ طیبہ پڑھا ہوگا (یعنی دِل سے مؤمن ہوگا)۔

ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر نبی کو دنیا میں ایک ایسی دعاء کا اختیار دیا گیا ہے جس کی قبولیت کا پختہ وعدہ تھا تمام انبیاء علیہم السلام نے اس دعاء کا استعمال دنیا ہی میں کر لیا مگر میں نے اپنی دعا آخرت میں اپنی امت کی شفاعت اور سفارش کے لئے محفوظ کر لی ہے۔ (مسلم شریف ۱/ ۱۱۲' ۱۱۳)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے ہوئے غور کیا کہ حضرت ابراہیم

خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی امت کے گنہگاروں کے بارے میں فرمایا:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۳۶) [ابراھیم]

''ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ پس جو شخص میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہے اور جو شخص میرا کہنا نہ مانے تو آپ بہت بخشنے والے مہربان ہیں۔''

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے بارے میں اس طرح التجا فرمائی:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۱۱۸) [المائدۃ]

''اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں' اور اگر آپ ان کو معاف کر دیں تو آپ زبردست ہیں' حکمت والے ہیں۔''

مذکورہ آیت پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کا خیال آ گیا اور بے اختیار روتے ہوئے: اللھم امتی امتی۔ (اے اللہ! میری امت کا کیا ہوگا؟) کہہ کر بارگاہ ایزدی میں ہاتھ اٹھا دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ جاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھ کر آؤ کہ آپ کو کس چیز نے رُلایا؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے تشریف لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری بات بتلا دی تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی آمیز پیغام بھیج کر مسرور فرمایا کہ:

اِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ۔

''(پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) ہم آپ کی امت کے بارے میں آپ کو خوش کر دیں گے اور آپ کو ناگوار نہ رہنے دیں گے۔''

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے کس قدر تعلق اور محبت ہے کہ آپ کو امت کے ایک فرد کا بھی جہنم میں رہنا قطعاً گوارا نہیں ہے۔

جنتیوں کی اپنے بدعمل بھائیوں کے لئے سفارش

جنتی لوگ اپنے بدعمل مؤمن بھائیوں کے حق میں بھی بارگاہ خداوندی میں انتہائی اصرار و الحاح کے ساتھ سفارش کریں گے اور کہیں گے کہ کچھ لوگ دنیا میں ہمارے ساتھ نماز پڑھتے'

روزے رکھتے اور حج کرتے تھے اب وہ یہاں جنت میں نظر نہیں آ رہے، ان کو جہنم سے نکالنے کا فیصلہ فرمایا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان جنتیوں کی سفارش قبول فرمائے گا اور حکم دے گا کہ جن جن لوگوں کو تم جانتے پہچانتے ہو انہیں وہاں سے نکال لاؤ، یہ حضرات جہنم میں جا کر اپنی جان پہچان کے سب لوگوں کو جہنم سے نکال لائیں گے اور اس وقت اللہ تعالیٰ ان بدعمل لوگوں کی صورتیں آگ سے محفوظ فرما دے گا تاکہ ان پہچاننے میں دشواری نہ ہو، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جاؤ جس کے پاس ایک دینار کے بقدر بھی ایمانی عمل ہو اسے نکال لاؤ وہ انہیں بھی نکال لائیں گے، پھر ان کیلئے آدھے دینار اور اخیر میں ایک رائی کے دانہ کے بقدر ایمانی عمل کی حد متعین کی جائے گی اور ایسے سب بدعملوں کو جہنم سے خلاصی نصیب ہو جائے گی۔

(مسلم شریف ۱/۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کے خصوصی آزاد کردہ لوگ

اس کے بعد اللہ ارحم الراحمین ارشاد فرمائے گا:

"شفعت الملائكة و شفع النبيون و شفع المومنون ولم يبق الا ارحم الراحمين۔"

''فرشتے، انبیاءؑ اور اہل ایمان سب سفارش کر چکے، اب ربّ کریم ارحم الراحمین کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا۔''

اور پھر اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھر کر (جس کی وسعت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں) ایسے جہنمیوں کو جہنم سے نکالے گا جن کے پاس ایمانِ قلبی کے علاوہ کوئی بھی ظاہری عمل (نماز، روزہ، تسبیح وغیرہ) نہ ہوگا، یہ لوگ جل بھن کر بالکل کوئلہ ہو چکے ہوں گے، ان سب کو جنت کے دروازے پر واقع ''نہرِ حیات'' میں غوطہ لگایا جائے گا جس کے اثر سے یہ سب تر و تازہ ہو کر نکلیں گے اور ان کی گردنوں میں خاص قسم کے چھلے ڈالے جائیں گے جنہیں دیکھ کر اہل جنت انہیں پہچان لیں گے کہ یہ اللہ کے آزاد کردہ جنتی ہیں جو بغیر کسی ظاہری عمل کے صرف دِل میں ایمان کی بدولت جنت میں آئے ہیں، بہرحال اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ اور تاحد نظر جو کچھ تمہاری نظروں میں سمائے وہ سب تمہارا ہے تو وہ بول اٹھیں گے کہ الٰہ العالمین! آپ نے تو ہمیں اس قدر نوازا ہے کہ شاید کائنات میں کسی کو اس قدر نہ نوازا ہوگا، تو اللہ تعالیٰ ان

سے فرمائے گا کہ میرے پاس تمہارے لئے اس سے بھی بڑی فضیلت والی نعمت ہے' وہ حیرت سے پوچھیں گے کہ وہ نعمت کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ انہیں یہ عظیم بشارت سنائے گا کہ:

رِضَآئِیْ فَلَآ اَسْخَطُ عَلَیْکُمْ بَعْدَہٗ اَبَدًا۔

[بخاری: ۶۵۴۹، ۷۵۱۸، مسلم شریف ۱/۱۰۳ حدیث رقم: ۴۵۴]

"(سب سے افضل نعمت) میری خوشنودی ہے' اب میں کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔"

اللہ اکبر! رحمت خداوندی کی شان کتنی عظیم ہے' اس حدیث سے دولت ایمان کی قدر و قیمت اور اہمیت کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ جو چیز کام آئے گی وہ ایمان ہوگا' اللہ تعالیٰ ہر شخص کو ایمانِ کامل سے سرفراز فرمائے۔ آمین

جنت میں داخل ہونے والے آخری شخص کا حال

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والے شخص کا حال یہ ہوگا کہ وہ گرتا پڑتا چل رہا ہوگا اور جہنم کی آگ کی لپٹیں اسے جھلسا رہی ہوں گی' بالآخر جب وہ جہنم سے بمشکل نکل پائے گا تو جہنم کی طرف دیکھ کر بے اختیار یہ کہے گا کہ وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس نے مجھے تجھ (جہنم) سے نجات عطا فرمائی اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ نعمت بخشی ہے جو اولین و آخرین میں سے کسی کو بھی نہیں عطا کی گئی۔ پھر اس کے سامنے ایک درخت ظاہر ہوگا تو وہ عرض کرے گا کہ اے ربّ کریم! آپ مجھے اس درخت کے قریب فرما دیجئے تاکہ میں اس کے سایہ میں بیٹھوں اور اس کے پانی سے پیاس بجھاؤ۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدمی اگر میں تیری مراد پوری کر دوں تو تو کچھ اور مانگے گا؟ وہ شخص کہے گا کہ نہیں پروردگار! اور مزید سوال نہ کرنے کا پکا وعدہ کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی معذرت کو قبول فرمائے گا کیونکہ وہ اس کی بے صبر طبیعت سے واقف ہے اور اسے اس کے مطلوبہ درخت کے نیچے پہنچا دے گا۔ وہ شخص اس کے قریب جا کر اس کے سایہ میں بیٹھے گا اور وہاں موجود پانی پائے گا۔ پھر اس کے لئے ایک دوسرا درخت سامنے لایا جائے گا' جو پہلے درخت سے اور اچھا ہوگا تو پھر وہ شخص اللہ تعالیٰ سے اس کے قریب جانے کی درخواست کرے گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدمی کیا تو نے کچھ اور سوال نہ کرنے کا عہد نہیں کیا تھا؟ اور اگر میں

تیری مراد پوری کر دوں تو پھر تو کچھ اور سوال کرے گا؟ چنانچہ وہ شخص پھر سوال نہ کرنے کا وعدہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی بے صبری کو جانتے ہوئے چشم پوشی فرما کر اسے اس درخت کے قریب پہنچا دے گا اور وہ اس کے سایہ اور پانی سے فائدہ اٹھائے گا۔ پھر ایک تیسرا درخت جنت کے دروازہ کے بالکل قریب نمودار ہو گا جو پہلے دونوں درختوں سے زیادہ خوبصورت ہو گا۔ تو یہ شخص اس کے قریب جانے کی بھی درخواست کرے گا۔ بالآخر جب اسے اس درخت تک پہنچا دیا جائے گا تو اسے وہاں اہل جنت کی آوازیں سنائی دیں گی تو وہ درخواست کرے گا کہ اے ربّ کریم! اب بس مجھے جنت میں داخل فرما دیجئے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمائے گا کہ آخر تیرا سوال کرنا کب ختم ہو گا؟ کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ میں تجھے دنیا کی دوگنی جنت عطا کر دوں؟ تو وہ شخص حیرت زدہ ہو کر کہے گا کہ اے ربّ کریم! آپ ربّ العالمین ہو کر مجھ سے مذاق فرماتے ہیں؟ اتنی روایت بیان کر کے اس حدیث کے راوی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہنسنے لگے اور حاضرین سے فرمایا کہ مجھ سے نہیں پوچھتے کہ میں کیوں ہنس رہا ہوں؟ چنانچہ حاضرین نے یہی سوال آپ سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ اسی طرح اس روایت کو بیان کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبسم فرمایا تھا اور جب صحابہؓ نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں ربّ العالمین کے ہنسنے کی وجہ سے ہنس رہا ہوں کیونکہ جب وہ بندہ یہ عرض کرے گا کہ الٰہ العالمین آپ ربّ العالمین کے ہنسنے کی وجہ سے مذاق کر رہے ہیں تو ربّ العالمین فرمائے گا کہ تجھ سے مذاق نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں جس بات کو چاہوں اس کو پورا کرنے پر قادر ہوں۔ (مسلم شریف ۱/۱۰۵) اللہ تعالیٰ کے ہنسنے کا مطلب اس کا راضی اور خوش ہونا ہے۔

اور اس روایت کو حضرت ابو سعید خدریؓ نے اس اضافہ کے ساتھ روایت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا کہ مانگ لے جو مانگنا ہے؟ چنانچہ وہ جو چاہے گا مانگے گا اور اللہ تعالیٰ اسے مزید باتیں یاد دلاتا رہے گا تا آنکہ جب اس کی سب آرزوئیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تجھے تیری آرزوؤں کے ساتھ مزید دس گنا نعمتیں عطا کی جاتی ہیں۔ پھر وہ جنت میں جا کر جب اپنے محل میں داخل ہو گا تو جنت کی حوروں میں سے اس کی دو بیویاں اسے دیکھ کر کہیں گی ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے تم کو ہمارے لئے اور ہم کو تمہارے لئے وجود بخشا“ وہ جنتی شخص (ان کی اس پیار بھری گفتگو اور اللہ کی عظیم نعمتیں دیکھ کر) بول اٹھے گا

کہ مجھے جو نعمتیں ملی ہیں وہ کائنات میں کسی اور کو نہ ملی ہوں گی۔ (مسلم شریف ۱/۱۰۶)

جب موت کو بھی موت آجائے گی

اس کے بعد جب سب جنتی جنت میں اور سب جہنمی جہنم میں اپنے اپنے اصل ٹھکانوں تک پہنچ جائیں گے اور جن کا جہنم سے نکلنا مقدر ہوگا وہ سب نکل کر جنت میں داخل ہو چکیں گے، تو جنت اور جہنم کے بیچ میں ایک دیوار پر موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور تمام اہل جنت اور اہل جہنم کو جمع کر کے پوچھا جائے گا کہ جانتے ہو یہ مینڈھا کون ہے، سب جواب دیں گے کہ ''یہ موت ہے'' پھر سب کی نظروں کے سامنے اس مینڈھے کو ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان ہوگا کہ:

یَآ اَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُوْدٌ فَلَا مَوْتَ وَیَآ اَهْلَ النَّارِ خُلُوْدٌ فَلَا مَوْتَ قَالَ ثُمَّ قَرَءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْقُضِیَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَاَشَارَ بِیَدِهٖ اِلَی الدُّنْیَا۔ [بخاری: ٤٧٤٠، ترمذی: ٣١٥٦، مسلم: ٧١٨١]

''اے جنتیو! اب یہاں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے، اب موت نہیں آئے گی، اور اے جہنمیو! اب تم اس میں ہمیشہ رہو گے، اب تمہیں موت نہ آئے گی (یعنی اب موت کو خود موت آ گئی ہے)۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اس دن جنتیوں کو اس قدر خوشی ہوگی کہ اگر شدتِ مسرت سے کسی کو موت آیا کرتی تو سب جنتی اس خبر کی خوشی میں وفات پا جاتے جبکہ جہنمیوں کو اس قدر غم ہوگا کہ اگر کسی کو شدتِ غم سے موت آیا کرتی تو سب جہنمی اس غم میں مر جاتے کہ اب ہمیشہ جہنم میں رہنا پڑے گا، یہاں سے نکلنے کی امید ہی ختم ہوگئی ہے۔

(مستفاد ترمذی شریف ۲/ ۱۴۸، الترغیب والترہیب ۴/ ۳۱۷)

بہرحال موت حشر و نشر اور جنت و جہنم کے یہ ہوش ربا حالات ہماری غفلتوں کو دور کرنے کے لئے کافی ہیں اور ان حالات کا تذکرہ اور یاددہانی اس بات کی علامت ہے کہ ہمارے دِل میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے شرم وحیا کا جذبہ اور اس کا حق ادا کرنے کا داعیہ موجود ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے حیاء خداوندی کی ایک نشانی ''موت اور اس کے بعد کے حالات یاد رکھنے'' کو بھی قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی یاددہانی کی دولت عطا فرمائے۔ آمین

حرفِ آخر:

جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے

- دُنیوی زیب وزینت سے اجتناب
- اللہ کی نظر میں دُنیا کی حیثیت
- دُنیا کی محبت: ہر برائی کی جڑ
- قناعت: دائمی دولت
- ہروقت مستعد رہئے!

دُنیا کی زیب وزینت ترک کرنے کی ہدایت

زیر بحث حدیث کے آخر میں خلاصہ کے طور پر یہ جامع جملہ ارشاد فرمایا گیا کہ: ((ومن اراد الاخرة ترك زينة الدينا)) یعنی جو شخص آخرت میں کامل طور پر کامیابی کا امیدوار ہو اسے دنیا کی زیب وزینت سے دِل ہٹانا ہوگا اور پوری توجہ آخرت کی طرف کرنی پڑے گی، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جابجا دنیا کی زندگی کے بے وقعتی کو واضح فرمایا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (٣٢) [الانعام]

"اور دنیوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو ولعب کے اور آخرت کا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہے، کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (٦٤) [العنکبوت]

"اور یہ دنیوی زندگی فی نفسہ بجز لہو ولعب کے اور کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے، اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔

اور سورۂ حدید میں مزید وضاحت کے ساتھ اعلان فرمایا:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (٢٠) [الحديد]

''تم خوب جان لو کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیوی حیات محض لہو ولعب اور ایک ظاہری زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے' جیسے بارش برستی ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہوجاتی ہے سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے' پھر وہ چورا چورا ہوجاتی ہے اور آخرت کا حال یہ ہے کہ اس میں (کفار کے لئے) سخت عذاب ہے اور (اہل ایمان کے لئے) خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیوی زندگی محض دھوکے کا اسباب ہے۔''

دنیوی زیب وزینت کی مثال

قرآنِ کریم میں کئی جگہ دنیا کی ناپائیداری کو واضح مثالوں کے ذریعہ سمجھا گیا ہے۔ ایک آیت میں ارشاد ہے:

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۲۴) [یونس]

''دنیا کی زندگانی کی وہی مثال ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے' پھر رلا ملا نکلا اس سے زمین کا سبزہ جس کو آدمی اور جانور کھاتے ہیں' یہاں تک کہ جب زمین بارونق اور مزین ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ یہ ہمارے ہاتھ لگے گی کہ اچانک اس پر ہمارا حکم رات یا دن کو آپہنچا' پھر کرڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر' گویا کل یہاں نہ تھی آبادی' اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں نشانیوں کو ان لوگوں کے سامنے جو غور کرتے ہیں۔''

یعنی جس طرح زمین سیرابی کے بعد شاداب نظر آتی ہے مگر یہ شادابی اس کی عارضی ہے' اگر کوئی آفت سماویہ اس پر نازل ہوجائے تو اس کی رونق منٹوں سیکنڈوں میں کافور ہوجاتی ہے' یہی حال دنیا کی زیب وزینت کا ہے کہ وہ محض وقتی ہے چند ہی دنوں میں یہ رونق بے رونقی میں تبدیل ہوجانے والی ہے۔

نیز سورۂ کہف میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا (٤٥) اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا (٤٦)

[الکہف]

''اور بتلا دیجئے ان کو دنیوی زندگی کی مثال جیسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس کی وجہ سے زمین کا سبزہ' پھر کل کو ہو گیا چورا چورا' ہوا میں اڑتا ہوا اور اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت' مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی میں اور باقی رہنے والی نیکیوں کا تیرے رب کے یہاں بہتر بدلہ ہے اور بہتر توقع ہے۔''

دنیا کی ہر کھیتی کا انجام یہی ہے کہ اس کے پک جانے کے بعد اسے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا ہے اور پھر اس کا بھس ہوا میں اڑتا پھرتا ہے' یہی حال اس دنیا اور اس کے مال و متاع اور خزانوں کا ہے کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جب پورے عالم کو تہہ و بالا کر دیا جائے گا اور معمولی چیزوں کا تو پوچھنا ہی کیا بڑے بڑے زبردست پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اُڑے اُڑے پھریں گے لہٰذا ایسی فنا ہو جانے والی چیز میں جی لگانا اور دن و رات بس اس کی دھن اور فکر میں رہنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا کی حیثیت

تمام دنیا اور اس کی نعمتیں اللہ کی نظر میں قطعاً بے وقعت اور بے حیثیت ہیں' اسی لئے اللہ تعالیٰ دنیا کی نعمتیں کفار کو پوری فراوانی سے مرحمت فرماتا ہے اور ان کا کفر و شرک ان نعمتوں کے حصول میں مانع نہیں بنتا' آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَاسَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ۔

[ترمذی شریف ۲/۵۸]

''اگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا کی حیثیت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس میں سے کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ فرماتا۔''

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے، تو راستہ میں بکری کا ایک مردار بچہ نظر پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ کیا خیال ہے اس بچہ کے گھر والوں نے اسے بے حیثیت سمجھ کر یہاں پھینک دیا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی تائید فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَلدُّنْیَا أَهْوَنُ عَلَی اللّٰهِ مِنْ هٰذِهٖ عَلٰی اَهْلِهَا۔ [ترمذی شریف ۲/۵۸]

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس بکری کے بچے کے اپنے گھر والوں کی نظر میں ذلیل ہونے سے زیادہ بے حیثیت اور بے وقعت ہے۔''

اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنَةٌ، مَلْعُوْنٌ مَا فِیْهَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ۔

[ترمذی شریف ۲/۵۸]

''بے شک دنیا خود بھی قابل لعنت ہے اور اس میں جو چیزیں ہیں وہ بھی قابل لعنت ہیں، سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے متعلقہ اعمال کے اور سوائے عالم یا متعلّم کے۔''

یعنی دنیا میں رہ کر اگر انسان اللہ سے غافل اور آخرت سے بے پرواہ ہو جائے تو یہ دنیا کی پوری زندگی اور اس کی نعمتیں انسان کو لعنت کے طوق میں مبتلا کرنے والی ہیں، لہٰذا دنیا سے بس اتنا ہی تعلق رہنا چاہیے جتنی اس کی ضرورت ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا اور آخرت کی زندگی کا مقابلہ اس طرح کرو کہ ایک طرف تو محض ایک انگلی میں لگا ہوا پانی کا قطرہ ہو اور دوسری طرف پورے کا پورا سمندر ہو جس کی اتھاہ کا کوئی اندازہ نہیں، یہ تو قطرہ پوری دنیا کی زندگی ہے جو نہایت محدود ہے اور یہ سمندر کی مثال پوری آخرت ہے جو لامحدود اور لازوال ہے۔ (ترمذی شریف ۲/۵۸)

اس لئے دنیا میں جتنے دن رہنا ہے اتنی فکر یہاں کے بارے میں کی جائے اور آخرت میں جتنے دن رہنا ہے اتنی وہاں کی فکر کرنی لازم ہے۔

کافروں کی دنیوی شان و شوکت دیکھ کر پریشان نہ ہوں

عام طور پر دنیا میں کفار کی شان و شوکت' مال و دولت اور ظاہری عیش و آرام دیکھ کر لوگ ان کی حرص کرنے میں پڑ جاتے ہیں یا دِل تنگ ہوتے ہیں اور احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کی دوڑ میں شامل ہونے کے لئے حلال و حرام میں تمیز ختم کر دیتے ہیں جیسا کہ آج کل کے نام نہاد دانشوروں کا حال ہے' تو ان کی تنبیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (١٤) قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ (١٥) [آل عمران]

''فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے' جیسے عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور مویشی اور کھیتی یہ فائدہ اٹھانا ہے دنیا کی زندگانی میں اور اللہ ہی کے پاس ہے اچھا ٹھکانا' آپ فرما دیجئے' کیا بتاؤں میں تم کو اس سے بہتر؟ پرہیزگاروں کے لئے اپنے ربّ کے ہاں باغ ہیں' جن کے نیچے نہریں جاری ہیں' ہمیشہ رہیں گے ان میں اور عورتیں ہیں ستھری اور رضامندی اللہ کی اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے۔''

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے نظام کو قائم اور باقی رکھنے کے لئے گو کہ ان اشیاء کی محبت لوگوں کے دِلوں میں راسخ فرما دی ہے کیونکہ اگر ان چیزوں سے لوگوں کو دِلی تعلق نہ ہوگا تو دنیا کی آبادی اور شادابی کے اسباب کیسے فراہم ہوں گے؟ مال کے حصول کے لئے جدوجہد کون کرے گا؟ صنعت و حرفت اور کاشتکاری کے شعبے کیسے فروغ پائیں گے؟ لہٰذا ان دنیوی اسباب سے لوگوں کا تعلق نظام قدرت کے عین مطابق ہے' مگر اس تعلق کے دو پہلو ہیں' ایک پسندیدہ ہے اور دوسرا ناپسند ہے' یعنی اگر عورتوں سے تعلق حرام کاری کی طرف رغبت کی وجہ سے ہے تو

ناپسند ہے اور اگر عفت وعصمت کے تحفظ اور صالح اولاد کے حصول کے لئے اپنی منکوحہ عورتوں سے تعلق ہے تو یہ عین عبادت ہے‘ اسی طرح مال میں انہماک اگر تکبر وغرور اور فخر ومباہات اور دوسروں پر ظلم وجبر کے ساتھ ہے تو یہ بدترین غلطی ہے لیکن اگر صدقہ‘ خیرات کے شوق اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کے مقصد سے حلال کاروبار میں وقت لگاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے برا نہیں کہا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر کامل: ۲۳۲)

خلاصہ یہ نکلا کہ دنیا سے وہ تعلق جو انسان کو آخرت سے قطعاً غافل کردے وہ ممنوع ہے اور اگر تعلق بقدر ضرورت اور برائے ضرورت ہو اور اس کی وجہ سے انسان آخرت سے غفلت نہ برتے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی اختیار نہ کرے تو اس میں حرج نہیں ہے۔ لہٰذا انسان کو کبھی بھی دنیا کے اندر اپنے کو ایسا منہمک نہیں کرنا چاہیے کہ آخرت اس کی نظر سے اوجھل ہو جائے اور بس دنیا اور اس کی لذتوں میں مدہوش ہو کر رہ جائے۔

دُنیا میں اشتغال کس حد تک؟

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ ان زمین کی برکتوں سے ہے جو اللہ تعالیٰ تم پر ظاہر فرمادے گا‘ آپ سے سوال کیا گیا کہ زمین کی برکتوں سے کیا مراد ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد دنیا کی چمک چمک اور زیب وزینت ہے‘ یہ سن کر ایک صاحب نے عرض کیا کہ ”کیا خیر کا نتیجہ مصیبت کی شکل میں نکلتا ہے؟“ (یعنی بظاہر مال تو نعمت ہے پھر اس کے ملنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطرہ کا اظہار کیوں فرمارہے ہیں؟) اس سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے حتیٰ کہ ہمیں یہ خیال ہوا کہ شاید آپ پر وحی کا نزول ہوگا پھر ہم نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی مبارک سے پسینہ صاف فرمارہے ہیں (جو اس بات کی دلیل تھی کہ آپ پر اس وقت وحی کا نزول ہوا ہے) اس کے بعد آپ نے پوچھا کہ سوال کرنے والا شخص کہاں ہے؟ تو وہ شخص سامنے آیا اور عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ راوی حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سائل کے سامنے آنے پر ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر

ادا کیا (کہ اس کی بدولت علمی افادہ کا موقع فراہم ہوگا) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

لَا یَاْتِی الْخَیْرُ اِلَّا بِالْخَیْرِ لَا یَاْتِی الْخَیْرُ اِلَّا بِالْخَیْرِ لَا یَاْتِی الْخَیْرُ اِلَّا بِالْخَیْرِ اِنَّ کُلَّ مَا اَنْبَتَ الرَّبِیْعُ یَقْتُلُ اَوْ یُلِمُّ اِلَّا آکِلَۃَ الْخَضِرِ فَاِنَّھَا تَاْکُلُ حَتّٰی اِذَا امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاھَا اسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ ثُمَّ اجْتَرَّتْ وَبَالَتْ وَثَلَطَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَاَکَلَتْ اِنَّ ھٰذَا الْمَالَ خَضِرَۃٌ حُلْوَۃٌ فَمَنْ اَخَذَہٗ بِحَقِّہٖ وَوَضَعَہٗ فِیْ حَقِّہٖ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَۃُ ھُوَ وَمَنْ اَخَذَہٗ بِغَیْرِ حَقِّہٖ کَانَ کَالَّذِیْ یَاْکُلُ وَلَا یَشْبَعُ۔ (بخاری شریف ۲: ۹۵۱، مسلم شریف ۱: ۳۳۶)

"خیر سے تو خیر ہی برآمد ہوتی ہے (تاہم) یہ مال دِلکش اور میٹھا ذائقہ دار ہے (جیسے) سینچائی کی نالی سے اُگنے والا سبزہ (بے حساب کھانے والے جانور کو) ہیضہ کی وجہ سے ہلاک کردیتا ہے یا ہلاکت کے قریب پہنچا دیتا ہے، سوائے اس جانور کے جو ہریالی گھاس کو کھا کر پیٹ بھرنے کے بعد سورج کی دھوپ میں بیٹھ کر جگالی کرتا ہے اور لید اور پیشاب سے فراغت کے بعد پھر واپس آکر گھاس چرتا ہے (تو وہ ہیضہ سے محفوظ رہتا ہے اور ہلاک نہیں ہوتا تو اسی طرح) اس مال میں بڑی مٹھاس ہے، جو اس کو صحیح طریقہ سے حاصل کر کے صحیح جگہ خرچ کرے تو اس کے لئے یہ بہترین مددگار ہے اور جو اسے غلط طریقہ پر کمائے تو وہ اس جانور کے مانند ہو کر ہلاک ہوگا جو برابر کھاتا رہتا ہے اور اس کی بھوک کبھی ختم نہیں ہوتی (بالآخر وہ ہیضہ سے ہلاک ہو جاتا ہے)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک ارشاد میں دنیا میں اشتغال کی اصل حد معلوم ہوگئی کہ دنیا سے صرف بقدرِ ضرورت اور برائے ضرورت ہی فائدہ اٹھانا مفید ہے، اس میں ایسا اشتغال کہ بس آدمی ۹۹ ہی کی گردان میں ہر وقت مبتلا رہے اور آخرت کو بالکل فراموش کر بیٹھے یہ انتہائی خطرناک اور وبالِ جان ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا اِسْتِعْفَافًا عَنْ مَسْئَلَۃٍ وَسَعْیًا عَلٰی اَھْلِہٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰی جَارِہٖ جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَوَجْھُہٗ کَالْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا مُفَاخِرًا مُکَاثِرًا مُرَائِیًا لَقِیَ اللّٰہَ وَھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانٌ۔

''جو شخص حلال طریقہ سے' سوال سے بچنے' گھر والوں کی ضروریات پورا کرنے اور اپنے پڑوسیوں پر مہربانی کرنے کی غرض سے دنیا طلب کرے تو وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا اور جو شخص فخر و مباہات اور ناموری کے لئے دنیا کمائے تو وہ اللہ کے دربار میں اس حال میں حاضر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوں گے۔''

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہم دنیا سے تعلق اس کی حد کے اندر رہ کر رکھیں اور اس سے تجاوز نہ کریں' اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق مرحمت فرمائے' آمین۔

دُنیا عافیت کی جگہ ہے ہی نہیں

دنیا میں کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ مکمل طور پر عافیت میں ہے' کیونکہ یہاں ہر شخص کے ساتھ کچھ نہ کچھ ایسے عوارض لگے ہوئے ہیں جو بار بار اس کی عافیت میں خلل ڈالتے رہتے ہیں اور اس معاملہ میں امیر غریب' چھوٹے بڑے' بادشاہ یا رعایا یا کسی میں کوئی فرق نہیں ہے' بلکہ غور کیا جائے تو دنیا میں جو شخص جتنے بڑے عہدے پر فائز ہوتا ہے یا جتنا بڑا مالدار اور عزت دار ہوتا ہے اتنا ہی اس کے ذہن پر تفکرات اور خطرات کا بوجھ ہوتا ہے' ایسے لوگوں کو جان کے لالے پڑے رہتے ہیں' ہر وقت کمانڈوز کے نرغہ میں رہتے ہیں' آزادانہ اپنی مرضی سے کہیں آنا جانا ان کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ پھر ہر وقت بڑائی جاتے رہنے کے خوف سے ان کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں' پوری پوری رات نرم و نازک گدوں پر کروٹیں بدلتے گزر جاتی ہیں اور فرض کیجئے کہ اگر انسان بالکل ہی عافیت سے ہو۔ مال' دولت' عزت اور ہر لذت کے حصول کا اس کے پاس انتظام ہو پھر بھی وہ پوری طرح عافیت میں نہیں ہوسکتا' کیونکہ بھوک کے وقت اسے بھوک سے اور پیاس کے وقت پیاس سے سابقہ پڑے گا اور کھانے پینے کے بعد پھر فضلات کو نکالنے کی فکر ہوگی اور اس کے تقاضے کے وقت بے چینی برداشت کرنی ہوگی اور اگر یہ فضلات اندر جا کر رک جائیں تو پھر ان کو نکالنے کے لئے کیا کیا تدبیریں کرنی پڑیں گی' الغرض سب کچھ ہونے کے باوجود ان فطری عوارض سے انسان مرتے دَم تک نجات نہیں پا سکتا۔

اس کے برخلاف جنت اصل میں عافیت کی جگہ ہے جہاں ہر طرح کی من چاہی نعمتیں میسر ہوں گی اور کھانے پینے کے بعد ایک خوشبودار ڈکار سے سارا کھایا پیا ہضم ہو جائے گا' نہ بے چینی ہوگی' نہ تکلیف اور نہ بدبو کا احساس ہوگا' اس لئے اس عظیم عافیت کی جگہ کو ہی اصل مقصود طلب بنانا چاہیے اور دنیا کی زیب وزینت میں پڑ کر جنت سے غافل نہ ہونا چاہیے۔

دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے

اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔

[ترمذی : ٢٣٢٤' مسلم شریف ٢/٤٠٧' حدیث رقم : ٧٤١٧]

''دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے''۔

اس لئے کہ مؤمن کا اصل ٹھکانا جنت ہے جو واقعتاً جائے عافیت ہے' اس اصل ٹھکانہ کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی واقعتاً قید خانہ سے کم نہیں ہے' جہاں انسان طرح طرح کی قیودات کا پابند ہے اور اس کے بالمقابل کافر کو آخرت میں سخت ترین عذاب کا سامنا کرنا ہے' لہٰذا وہاں کے عذاب کے مقابلہ میں جب تک اس کی جان میں جان ہے اور جب تک اسے دنیا میں عذاب سے مہلت ملی ہوئی ہے وہ اس کے لئے جنت کے درجہ میں ہے۔

دُنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے

دنیا سے ایسا تعلق جو آخرت سے غافل کر دے یہی تمام گناہوں اور معاصی کی جڑ اور بنیاد ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ۔ [شعب الایمان ٧/٣٣٨]

''دنیا کی محبت ہر برائی کی بنیاد ہے''۔

غور کرنے سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ دنیا میں جو شخص بھی گناہ کرتا ہے اس کا اصل محرک دنیا سے تعلق ہی ہوتا ہے مثلاً کسی کا مال ناجائز طور پر حاصل کرے یا لہو ولعب میں مبتلا ہو یا بدکاری اور حرام کاری کے راستہ پر چلے' یہ سب چیزیں دنیا سے محبت ہی کی وجہ سے

سامنے آتی ہیں۔ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے اور مال (مداوار تو کیا ہوتا) وہ خود ہی مریض ہے' آپ سے پوچھا گیا کہ مال کا مرض کیا ہے' تو ارشاد فرمایا کہ جب مال آتا ہے تو انسان تکبر وغرور اور فخر و مباہات سے بہت کم محفوظ رہ پاتا ہے اور اگر بالفرض ان باتوں سے محفوظ بھی رہ جائے پھر بھی اس مال کے رکھ رکھاؤ کی فکر انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے محروم کر ہی دیتی ہے۔ (شعب الایمان ۷/۳۳۸)

اسی بناء پر اولیاء اللہ کی شان یہ ہوتی ہے کہ ان کا دِل دنیا کی محبت سے خالی ہوتا ہے' ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا حَمَاهُ مِنَ الدُّنْيَا كَمَا يَحْمِيْ اَحَدُكُمْ مَرِيْضَهُ الْمَآءَ۔

(شعب الایمان ۷/۳۳۸)

''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس کو دنیا سے اس طرح بچاتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے مریض کو (سردی کی بیماری کے وقت) پانی سے بچاتا ہے۔''

اس لئے کہ دنیا سے تعلق' اللہ تعالیٰ سے تقرب میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے' اسی بناء پر اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو دنیا کی محبت سے پوری طرح محفوظ رکھتا ہے۔

دُنیا سے تعلق آخرت کے لئے مضر ہے

دنیا سے تعلق اور اس کی لذتوں میں انہماک بظاہر بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اور بہت سے لوگ بس دنیوی لذتوں ہی کو اپنا مقصود بنا لیتے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں کہ دنیا میں یہ وقتی لذتیں آخرت کی دائمی زندگی کی دائمی نعمتوں میں کمی اور نقصان کا سبب ہیں جو درحقیقت عظیم ترین نقصان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ دُنْيَاهُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَهٗ اَضَرَّ بِدُنْيَاهُ فَاٰثِرُوْا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى۔ [البيهقى فى شعب الايمان ۷/۲۸۸' مجمع الزوائد ۱۰/۲۴۹]

''جو شخص اپنی دنیا میں جی لگائے وہ اپنی آخرت کا نقصان کرے گا اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت رکھے (اور اس کے بارے میں فکر مند رہے) تو وہ صرف اپنی دنیا کا (وقت)

نقصان کرے گا' لہٰذا باقی رہنے والی آخرت کی زندگی کو دنیا کی فانی زندگی پر ترجیح دیا کرو۔''

اور ایک روایت میں ارشاد ہے:

حُلْوَةُ الدُّنْيَا مُرَّةُ الْاٰخِرَةِ وَمُرَّةُ الدُّنْيَا حُلْوَةُ الْاٰخِرَةِ۔

[شعب الایمان ۲۸۸/۷، مجمع الزوائد ۲۴۹/۱۰]

''دنیا کی میٹھی چیز آخرت میں کڑواہٹ کا سبب ہے اور دنیا کی کڑوی زندگی آخرت میں مٹھاس کا سبب ہے۔

چنانچہ کتنے لوگ ایسے ہیں جو دنیا میں نہایت عیش وعشرت اور آرام وراحت میں زندگی گزارتے ہیں لیکن یہی پُرتعیش غفلت والی زندگی ان کے لئے آخرت میں سخت ترین عذاب کا سبب بن جائے گی اور اسی طرح کتنے اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کی زندگی دنیا میں نہایت تنگی اور ترشی کے ساتھ گزرتی ہے لیکن ان آزمائش پر صبر کی بدولت ان کا مقام آخرت میں اس قدر بلند ہو جائے گا جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ہمیشہ آخرت بنانے کی فکر لازم ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے دل میں دنیا کی محبت گھر کر جائے تو تین باتیں اس کو چپٹ جاتی ہیں: ① ایسی بدبختی جس کی مصیبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ② ایسی حرص جس سے کبھی پیٹ نہیں بھرتا۔ ③ اور ایسی خواہش جو کبھی شرمندۂ تکمیل نہیں ہوتی' پس دنیا (کسی کے لئے) طلبگار ہے اور (کوئی) اس کا طلبگار ہے' لہٰذا جو شخص دنیا کے پیچھے پڑتا ہے تو آخرت اس کا پیچھا پکڑ لیتی ہے تا آنکہ اس کی موت آ جاتی ہے اور (اس کے برعکس) جو آخرت کا طلبگار رہتا ہے تو دنیا اس کا پیچھا کرتی ہے تا آنکہ وہ اپنے مقدر کا رزق حاصل کر لیتا ہے۔ (رواہ الطبرانی باسنادٍ حسن' الترغیب والترہیب ۸۵/۴)

دُنیا کی محبت دِلی بے اطمینانی کا سبب ہے

دنیا سے تعلق جب بڑھتا ہے تو ساتھ میں دِلی بے اطمینانی بھی بڑھتی جاتی ہے اور تمام تر اسباب و وسائل مہیا ہونے کے باوجود انسان سکون سے محروم رہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ فَرَّقَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اَمْرَهُ وَ جَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَ لَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ وَ مَنْ كَانَتِ الْاٰخِرَةُ نِيَّتَهُ جَمَعَ اللّٰهُ لَهُ اَمْرَهُ وَ جَعَلَ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهِ وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ۔

[شعب الایمان ۷/۲۸۸، ابن ماجہ حدیث: ۴۱۰۵، الترغیب و الترهیب ۴: ۵۶]

''دنیا جس شخص کی مقصود بن جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات پراگندہ فرما دیتا ہے اور محتاجگی اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے اور اسے دنیا میں صرف اسی قدر ملتا ہے جتنا اس کے لئے مقدر ہے اور (اس کے بالمقابل) آخرت جس کا نصب العین ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنا ڈال دیتا ہے اور اس کے معاملات کو مجتمع فرما دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے۔

اور ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِبْنَ اٰدَمَ : تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِيْ اَمْلَا صَدْرَكَ غِنًى وَاَسُدَّ فَقْرَكَ وَاِلَّا تَفْعَلْ مَلَاتُ صَدْرَكَ شُغْلًا وَلَمْ اَسُدَّ فَقْرَكَ۔ [شعب الایمان ۷/۲۸۹]

''اے انسان! میری بندگی کے لئے یکسو ہو جا، تو میں تیرے سینہ کو غنا سے بھر دونگا اور تیری ضرورت پوری کر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو میں تیرے سینہ کو مشغولیت سے بھر دوں گا اور تیری محتاجگی دور نہیں کروں گا۔''

اس لئے دِلی اطمینان کے حصول کے لئے بھی ضروری ہے کہ دنیا سے تعلق اعتدال کی حد میں رہے اس سے متجاوز نہ ہو اگر تعلق حد سے بڑھ جائے گا تو پھر محرومی ہی محرومی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَرْبَعَةٌ مِنَ الشَّقَاءِ جُمُوْدُ الْعَيْنِ وَ قَسْوَةُ الْقَلْبِ وَ طُوْلُ الْاَمَلِ وَالْحِرْصُ عَلَى الدُّنْيَا۔ [مجمع الزوائد عن البزار ۱۰/۲۲۶]

''چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں: ① آنکھ سے آنسو نہ نکلنا۔ ② دِل کا سخت ہونا۔ ③ لمبے منصوبے باندھنا۔ ④ دنیا پر حریص ہونا۔

شوقین مزاج لوگ اللہ کو پسند نہیں

شوقین مزاج اور فیشن کے دِلدادہ لوگ اللہ کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ایسے لوگوں کو امت کے بدترین افراد میں شمار فرماتے ہیں:

شِرَارُ اُمَّتِی الَّذِیْنَ وُلِدُوْا فِی النَّعِیْمِ وَغُذُوْا بِہٖ ھِمَّتُھُمْ اَلْوَانُ الطَّعَامِ وَاَلْوَانُ الثِّیَابِ یَتَشَدَّقُوْنَ فِی الْکَلَامِ۔ [کتاب الزھد لابن المبارک: ۲۶۳]

"میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو ناز ونعم میں پیدا ہوئے اور اسی میں پلے بڑھے' جن کو ہر وقت بس انواع واقسام کے کھانوں اور طرح طرح کے لباس زیب تن کرنے کی فکر دامنگیر رہتی ہے اور جو (تکبر کی وجہ سے) مٹھار مٹھار کر بات چیت کرتے ہیں۔"

سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ تم (زیب وزینت کے لئے) بار بار غسل خانوں کے چکر لگانے اور بالوں کی بار بار صفائی سے بچتے رہو اور عمدہ عمدہ قالینوں کے استعمال سے بھی بچو' اس لئے کہ اللہ کے خاص بندے عیش وعشرت کے دِلدادہ نہیں ہوتے۔

(کتاب الزہد: ۲۶۳)

دُنیا سے بے رغبتی موجبِ سکون ہے

دنیا میں رہ کر دنیا میں مدہوش نہ رہنا انسان کے لئے سب سے بڑا سکون کا ذریعہ ہے' ایسا شخص ظاہری طور پر ہی خستہ حال کیوں نہ ہو مگر اسے اندرونی طور پر وہ قلبی اطمینان نصیب نہیں ہوتا ہے جو بڑے بڑے سرمایہ داروں کو بھی میسر نہیں آتا' اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:
((الزُّھْدُ فِی الدُّنْیَا یُرِیحُ الْقَلْبَ وَالْجَسَدَ)) "دنیا سے بے رغبتی اور بدن دونوں کے لئے راحت بخش ہے۔"

دنیا میں سب سے بڑی دولت سکون اور عافیت ہے' اگر سکون نہ ہو تو سب دولتیں بیکار ہیں اور یہ سکون جبھی مل سکتا ہے جب ہم دنیا سے صرف بقدرِ ضرورت اور برائے ضرورت تعلق رکھیں اور اللہ کی نعمتوں پر شکر گزار رہ کر اس کی رضا پر راضی رہیں۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے ارشاد فرمایا دین پر سب سے زیادہ مددگار صفت دنیا سے بے رغبتی

ہے کیونکہ جو شخص دنیا سے بے رغبت ہوتا ہے وہ خالص رضائے خداوندی کے لئے عمل کرتا ہے اور جو شخص اخلاص سے عمل کرے اس کو اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے سرفراز فرماتا ہے۔ (کتاب الزہد: ۲۷۴) یہ صفت زہد انسانوں کو لوگوں کا محبوب بنا دیتی ہے اور ایسے شخص کو ہی قبولیت عنداللہ اور عندالناس کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

قناعت دائمی دولت ہے

کثرت کی فکر کے بجائے عطائے خداوندی پر راضی رہنا قناعت کہلاتا ہے اور جس شخص کو قناعت کی دولت نصیب ہو جائے وہ ہر حال میں مگن رہتا ہے، پھر وہ کبھی احساسِ کمتری میں مبتلا نہیں ہوتا اور نہ دوسرے کی حرص کرتا ہے، ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَ رُزِقَ کَفَافًا وَ قَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ۔ [شعب الایمان ۷/ ۲۹۰]

"(جس شخص جو تین صفات حاصل ہوگئیں) وہ فلاح پا گیا: ① جو اسلام سے مشرف ہو۔ ② جسے بقدرِ ضرورت روزی ملتی ہو۔ ③ اور اللہ نے اسے اپنے دیئے ہوئے رزق پر قناعت سے نواز دیا ہو۔"

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَلَیْکُمْ بِالْقَنَاعَةِ فَاِنَّ الْقَنَاعَةَ مَالٌ لَا یَنْفَدُ۔ [مجمع الزوائد ۱۰/ ۲۵۶]

"تم قناعت کو اختیار کرو، اس لئے کہ قناعت ایسا مال ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔"

آدمی سب سے زیادہ اپنی اولاد کی روزی کے بارے میں فکر مند رہتا ہے اور اس کے لئے پہلے ہی سے انتظام کر کے جاتا ہے، وہ دعائیں کرتا ہے، محنت اور جدوجہد کرتا ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے متعلق فکر فرمائی، بلاشبہ! اگر آپ یہ دعا فرما دیتے کہ آپ کے خاندان کا ہر فرد دنیا کی ہر دولت سے بے حساب نوازا جائے تو یقیناً وہ دعا شرفِ قبولیت حاصل کر جاتی لیکن آپ نے اپنے اہل خاندان کے لئے کثرتِ مال و دولت کی دعا نہیں فرمائی بلکہ آپ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔ [مسلم ۲/ ۴۰۹، شعب الایمان ۷/ ۲۹۱]

"اے اللہ! محمد (ﷺ) کے اہل خاندان کی روزی قوت (برابر سرابر) مقرر فرما دے۔"

یعنی نہ اتنی کم ہو کہ مخلوق کے سامنے ذلت کا باعث ہو اور نہ اتنی زیادتی ہو کہ آخرت سے غافل کردے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: قیامت کے روز مالدار اور غریب سب کو یہی حسرت ہوگی کہ انہیں دنیا میں بس برابر سرابر روزی ملی ہوتی۔ (الترغیب ۴/۸۱)

نیز آپ ﷺ کا ارشادِ عالی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَبْتَلِیْ عَبْدَہٗ بِمَا اَعْطَاہُ فَمَنْ رَضِیَ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَہٗ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْہِ وَوَسَّعَہٗ وَمَنْ لَمْ یَرْضَ لَمْ یُبَارَکْ لَہٗ۔ [مجمع الزوائد ۱۰/ ۲۵۷]

''اللہ تعالیٰ اپنے عطا کردہ مال کے ذریعہ اپنے بندکو آزماتا ہے، پس جو شخص اللہ کی تقسیم پر راضی رہے اللہ تعالیٰ اسے برکت سے نوازتا ہے اور اس کو وسعت عطا فرماتا ہے اور جو اس پر راضی نہ رہے (بلکہ زیادہ کی حرص کرے) تو اس کو برکت سے محرومی رہتی ہے۔

الغرض یہ قناعت اور استغناء انتہائی سکون اور عزوشرف کی چیز ہے۔

یَا مُحَمَّدُ! عِشْ مَا شِئْتَ فَاِنَّکَ مَیِّتٌ وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَاِنَّکَ مَجْزِیٌّ بِہٖ وَأَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ وَاعْلَمْ اَنَّ شَرَفَ الْمُؤْمِنِ صَلٰوتُہٗ بِاللَّیْلِ وَعِزَّۃٗ اِسْتِغْنَائُہٗ عَنِ النَّاسِ۔ [الطبرانی باسناد حسن مجمع الزوائد ۱۰/ ۲۱۶]

''اے محمد! (ﷺ) آپ جتنا چاہیں رہیں (بہر حال) ایک دن وفات پانی ہے اور آپ جو چاہیں اعمال کریں ان کا آپ کو بدلہ مل کر رہنا ہے اور آپ جس سے چاہیں (دنیا میں) تعلق رکھیں اسے (بہر حال) چھوڑ کر جانا ہے اور اچھی طرح معلوم ہو کہ مؤمن کے لئے شرف کی بات اس کا رات میں نماز پڑھنا ہے اور مؤمن کی اصل عزت کی چیز اس کا لوگوں سے مستغنی رہنا ہے۔''

دنیا میں مسافر کی طرح رہو

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے میرے بدن کا کچھ حصہ ہاتھ میں پکڑ کر ارشاد فرمایا: ((کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ)) [بخاری ۲/ ۹۴۹] تم دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر ہو۔''

یعنی جس طرح مسافر راستے میں ٹھہرنے کی جگہ سے دل نہیں لگاتا بلکہ اپنی منزل مقصود تک پہنچنے اور وہاں کی عافیت کے لئے ہر وقت فکرمند رہتا ہے اسی طرح مؤمن کو اپنے ''مسافر آخرت'' ہونے کا تصور ہر وقت ذہن میں رکھنا چاہیے۔ یہ ایسی عظیم نصیحت ہے جو تمام نصیحتوں کو جامع ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی اسی ہدایت کی عملی تفسیر تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان

خادم رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامگاہ پر حاضر ہوا (جس میں کوئی آرام کی چیز نہ تھی) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھری چٹائی پر آرام فرماتے جس کی سختی کے نشانات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدنِ اقدس پر نمایاں ہو رہے تھے' میں یہ منظر دیکھ کر رو دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میاں عبداللہ کیوں روتے ہو؟ تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ (دنیا کے بادشاہ) قیصر و کسریٰ تو نرم و نازک ریشم کے قالین پر لیٹیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (دونوں جہانوں کے سردار ہونے کے باوجود) اس کھری چٹائی پر تشریف فرما ہیں (یہ دیکھ کر مجھے رونا آ رہا ہے) اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَلَا تَبْكِ يَا عَبْدَاللّٰهِ فَإِنَّ لَهُم الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةَ وَمَا اَنَا وَالدُّنْيَا وَمَا مَثَلِيْ وَ مَثَلُ الدُّنْيَا اِلَّا كَمَثَلِ رَاكِبٍ نَزَلَ تَحتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ سَارَ وَ تَرَكَهَا۔

[الترغيب والترهيب ٤: ٩٨]

''عبداللہ مت روؤ' کیونکہ ان کے لئے دنیا ہی سب کچھ ہے اور ہمارے لئے آخرت (کی نعمتیں ہیں) اور مجھے دنیا سے کیا لینا دینا' میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی مسافر سوار (آرام کے لئے) کسی درخت کے نیچے اتر کر آرام کرے اور پھر کچھ دیر بعد اسے چھوڑ کر چلتا بنے۔''

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی راہنمائی اور ہدایت کے لئے اختیاری طور پر فقر کا راستہ اختیار کیا اور اپنے ''اسوۂ مبارکہ'' سے دنیا سے بے رغبت رہنے کی تلقین فرمائی' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی جس حال میں بھی رہے آخرت سے غافل نہ رہے اور دنیا کی زیب و زینت

اور لہو و لعب میں مبتلا ہو کر اپنی آخرت کا نقصان نہ کرے بلکہ دنیا میں ملنے والے فرصت کے لمحات کو آخرت کی کامیابی کے حصول کا ذریعہ بنانے کی بھرپور کوشش برابر کرتا رہے۔

صحت اور وقت کی ناقدری

عام طور پر انسان اللہ تعالیٰ کی دو عظیم نعمتوں صحت اور وقت کی نہایت ناقدری کرتا ہے اور ان نعمتوں سے اسے جتنا فائدہ اٹھانا چاہیے اور آخرت میں ان کے ذریعہ جتنی کامیابی حاصل کرنی چاہیے اس میں سخت غفلت اور سستی سے کام لیتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے:

نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ۔

[بخاری شریف رقم: ٦١٤٢]

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سے انسان خسارے میں ہیں: ① صحت و عافیت۔ ② فرصت کے لمحات۔''

اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے محدثؒ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صحت اور فرصت کے لمحات اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں ان کی قدردانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے اور اس کی منع کردہ چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔ اگر اس میں کوتاہی ہوئی (جس میں ابتلا عام ہے) تو وہ شخص آخرت کے خسارے میں ہوگا۔

اور علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کبھی انسان صحت مند ہوتا ہے مگر اسے فرصت نہیں ملتی اور کبھی فرصت میں ہوتا ہے مگر صحت ساتھ نہیں دیتی اور جب یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو اب اس پر سستی غالب آ جاتی ہے لہٰذا جو شخص سستی کو دور کر کے ان نعمتوں کو عبادت و اطاعت میں لگائے وہ تو فائدہ اور نفع میں رہے گا اور جو سستی میں پڑ کر وقت ضائع کر دے گا اس کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔

اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یوں سمجھئے کہ صحت اور وقت انسانی زندگی کا اصل سرمایہ ہے۔ اب یہ انسان کی سمجھ ہے کہ وہ انہیں کس کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کے کام میں لگائے تو گویا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچ کر اس کا یقینی معاوضہ حاصل کر کے فلاح یاب ہوگا اور اگر

وقتی لذتوں یا سستی میں انہیں ضائع کر دے گا تو ظاہر ہے کہ پھر اس کو حسرت اور افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ (فتح الباری ۱۴/ ۲۷۶-۲۷۷)

ہر وقت مستعد رہئے!

اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہر وقت آخرت کے لئے مستعد رہے اور آج کا کام کل پر نہ ٹالے بلکہ زندگی میں جتنی بھی نیکیاں سمیٹی جاسکیں کم سے کم وقت میں سمیٹ لے کیونکہ پتہ نہیں کہ پھر یہ موقع ہاتھ آئے کہ نہ آئے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے ''جب شام میں ہو تو صبح کا انتظار مت کر اور جب صبح میں ہو تو شام کا انتظار نہ کر اور صحت کے زمانہ میں مرض کے وقت کا بھی کام کرلے (یعنی صحت کے وقت اعمال کا ذخیرہ جمع کرلے جو مرض میں کام آئے) اور زندگی میں مرنے کے بعد کے لئے ذخیرہ اکٹھا کرلے۔ (بخاری شریف ۶۴۱۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ مقولہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔ [فتح الباری ۱۴/ ۲۸۲]

''پانچ باتوں کو پانچ باتوں سے پہلے غنیمت سمجھو: ① جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔ ② صحت کو بیماری سے پہلے۔ ③ مالداری کو فقر و فاقہ سے پہلے۔ ④ فرصت کے لمحات کو مشغولیت سے پہلے ⑤ اور زندگی کو موت سے پہلے۔''

اس حدیث میں ان پانچ اسباب کو بیان کیا گیا ہے جن میں مدہوش ہو کر انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چیزیں محض عارضی ہیں، کچھ پتہ نہیں کہ ان کا تسلسل ختم ہو جائے اور پھر بعد میں حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے، لوگ عام طور پر جوانی کے زمانہ کو کھیل کود اور تفریحات میں ضائع کر دیتے ہیں حالانکہ یہ اتنا قیمتی زمانہ ہے کہ اس میں عبادت کا ثواب بڑھاپے کی عبادت سے کہیں زیادہ ہے، ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عبادت گزار متقی جوان سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ''تیرے مقام میری نظر میں بعض فرشتوں

کے برابر ہے" (کتاب الزہد:۱۱۷) اور ایک روایت میں ہے کہ "جو نوجوان دنیا کی لذتوں اور لہو لعب کو محض رضائے خداوندی کے لئے چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہتر صدیقین کے برابر اجر عطا فرماتا ہے۔ (کتاب الزہد:۱۱۷) اور پہلے یہ روایت گزر چکی ہے کہ عبادت گزار جوان کو میدانِ محشر میں عرشِ خداوندی کا سایہ عطا کیا جائے گا۔

الغرض یہ نہایت قیمتی زمانہ عام طور پر غفلت میں ضائع کر دیا جاتا ہے اور اس نقصان کی پروا نہیں کی جاتی، یہی حال صحت، مالداری اور فراغ عیشی کا ہے، ضرورت ہے کہ ہم غافل نہ رہیں بلکہ پوری طرح مستعد رہ کر آخرت کی تیاری کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں فکر آخرت کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

جنت تک جانے کا راستہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم میں سے ہر شخص جنت میں داخل ہونا چاہتا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ "جی ہاں! یا رسول اللہ! تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَاقْصِرُوْا مِنَ الْاَمَلِ، وَثَبِّتُوْا اٰجَالَکُمْ بَیْنَ اَبْصَارِکُمْ وَاسْتَحْیُوْا مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَاءِ۔

"تو اپنی آرزوئیں مختصر کرو اور اپنی موت ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو اور اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کرو جیسے اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔"

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم سب اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَیْسَ کَذٰلِکَ الْحَیَاءُ مِنَ اللّٰہِ وَلٰکِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ اللّٰہِ اَنْ لَا تَنْسَوُا الْمَقَابِرَ وَالْبِلٰی وَاَنْ لَا تَنْسَوُا الرَّاْسَ وَمَاوَعٰی وَاَنْ لَا تَنْسَوا الْجَوْفَ وَمَا احْتَوٰی وَمَنْ یَشْتَھِیْ کَرَامَۃَ الْاٰخِرَۃِ یَدَعُ زِیْنَۃَ الدُّنْیَا ھُنَالِکَ اسْتَحَی الْعَبْدُ مِنَ اللّٰہِ وَھُنَالِکَ اَصَابَ وِلَایَۃَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ۔ [کتاب الزھد: ۱۰۷]

"اللہ تعالیٰ سے حیاء کا یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ اللہ سے حیاء یہ ہے کہ تم قبرستانوں اور مرنے

کے بعد کی بوسیدگی کو مت بھولو اور سر اور سر کے متعلقہ چیزوں کو مت فراموش کرو اور پیٹ اور اس میں جانے والی چیزوں سے مت غافل ہو اور جو شخص آخرت کی عزت چاہتا ہو وہ دنیا کی زیب وزینت چھوڑ دے (جب آدمی ایسا کرے گا) تو وہ اللہ تعالیٰ سے شرمانے والا ہوگا اور اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب اور ولایت حاصل کر پائے گا۔''

آنحضرت ﷺ کا یہ پاک ارشاد عالی ہر مسلمان کر ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیے اور اس کا آپس میں ایک دوسرے سے بھی ذکر کرتے رہنا چاہیے' اللہ کرے کہ یہ ہدایت ہمارے دِلوں کی گہرائی میں اتر جائے اور ہمیں ایسے اعمال کی توفیق نصیب ہو جس سے ہم دنیا وآخرت میں اپنے خالق و مالک کے محبوب اور مقرب بن جائیں' اس قدر مطلق ذات سے کچھ بعید نہیں کہ ذرّے کو آفتاب اور تنکے کو ماہتاب بنا دے' نااہلوں کو اہلیت سے نواز دے اور نالائقوں کو لیاقت عطا کر دے' خیر اور توفیق صرف اسی کے اختیار میں ہے' ہم اسی کی ذات سے دارین کی خیر و عافیت کے طالب ہیں بے شک وہی دعاؤں کا سننے والا اور وہی عاجزوں کو شرفِ قبولیت سے نوازنے والا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔ و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علی الہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ولوالدیہ

خادم الحدیث النبوی الشریف

بالجامعۃ القاسمیۃ شاہی مراد آباد ۲۳/۲/۱۴۲۳ھ

ماخذ و مراجع

اس کتاب کی ترتیب وتالیف میں درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے، مرتب

القرآن الکریم، (ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، وحکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، صحیح البخاری، صحیح مسلم، جامع الترمذی، سنن ابی داوٗد، سنن النسائی، سنن ابن ماجہ، مسند امام احمد بن حنبل، المعجم الاوسط، کتاب الدعاء، مصنف ابن ابی شیبہ، شعب الایمان، مشکوٰۃ المصابیح، مکارم الاخلاق، موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا، کتاب مجابی الدعوۃ، صحیح ابن حبان، مصنف عبدالرزاق، الجامع لاحکام القرآن، تفسیر درمنثور، تفسیر ابن کثیر (مکمل)، تفسیر خازن، الترغیب والترہیب، مجمع الزوائد، نوادر الاصول، اکمال المعلم، المفہم (شرح مسلم) المنہاج شرح مسلم، ریاض الصالحین، فتح الباری، دلائل النبوۃ، تفسیر روح المعانی، الروض الانف، اشرف الوسائل، فیض القدیر، کنز العمال، شمائل الرسول، کتاب الزہد، کتاب الزواجر، الفتاویٰ الحدیثیہ، مرقاۃ المفاتیح، شرح فقہ اکبر، الاصابہ، اسد الغابہ، شرح الصدور، التذکرۃ فی احوال الموتی والاخرۃ، البدایہ والنہایہ، کتاب العاقبہ، عقود الجمان، کتاب الروح، ادب الخصاف، کتاب الفتن، احیاء العلوم، فیض الباری، تکملہ فتح الملہم، الدر المختار، رد المحتار، شرح عقود رسم المفتی، رسائل ابن عابدین، اللباس والزینۃ من السنۃ الطہرۃ، معارف القرآن، مظاہر حق، مذاق العارفین، معارف امدادیہ، معارف الاکابر، اصلاح الرسوم، امداد الفتاویٰ، عطر ہدایہ، غیر اسلامی حکومت کے شرعی احکام، احسن الفتاویٰ، فتاویٰ محمودیہ، بیس بڑے مسلمان، بیس مردانِ حق، اصلاحی نصاب، قصد السبیل، تاریخ الخلفاء (اردو ترجمہ) النعیم المقیم، مشاہیر کے آخری کلمات۔